بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

نومبر 2012

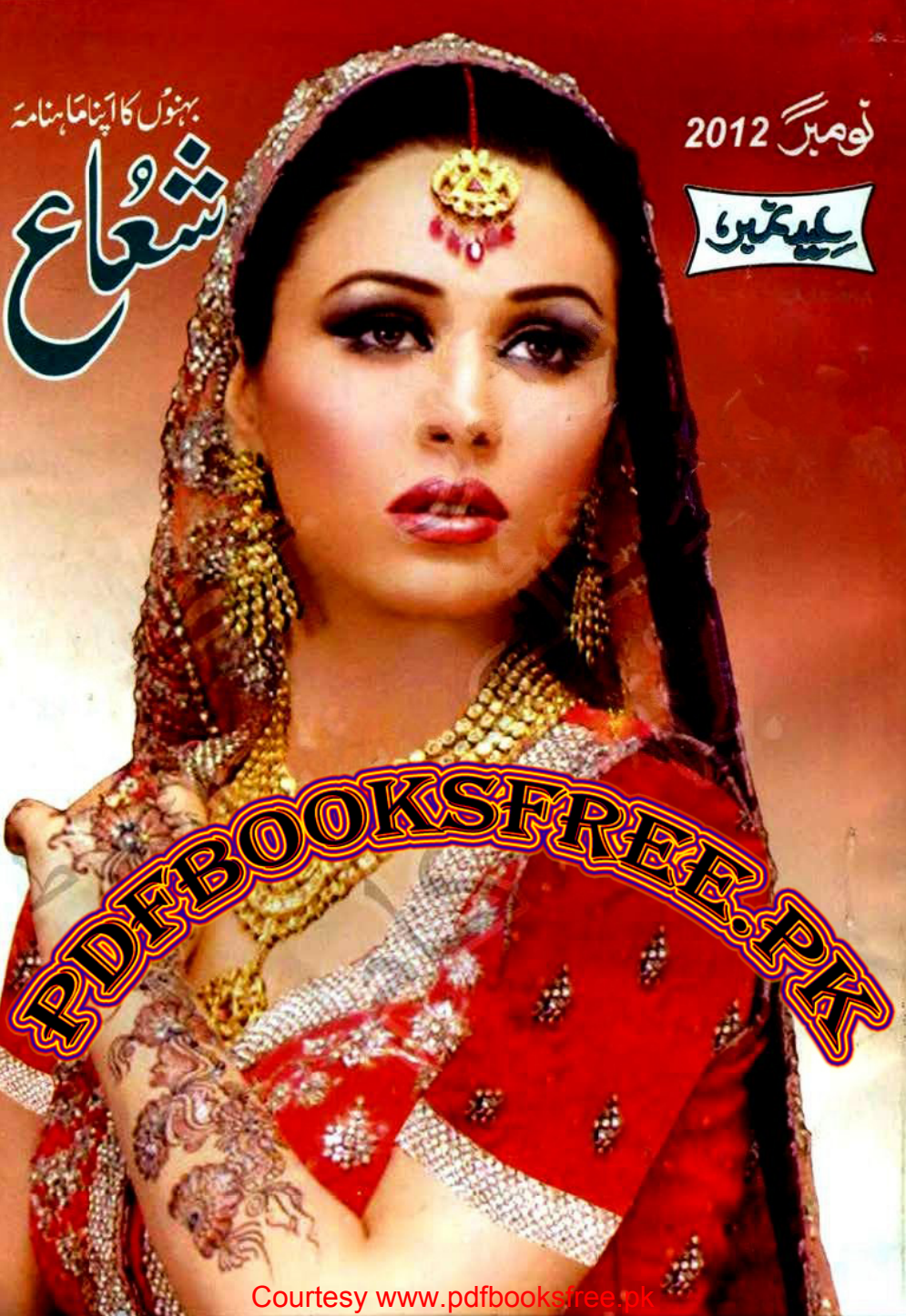

PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلی شعاع،	رضیہ جمیل	10
حمد،	نعمان فاروق	11
نعت،	محمد زبیر	11
نبیؐ کی باتیں،	ادارہ	12

انٹرویو

عید قرباں اور ہم	تصبین نشاط	27
بندھن،	نعیمہ گرج	22
دستک،	شاہین رشید	17

ناول

ستارۂ شام،	آمنہ ریاض	36

مکمل ناول

جنت کے پتے،	نمرہ احمد	152
پہلی بار ملے،	سائرہ رضا	104

ناولٹ

سنڈریلا،	فائزہ افتخار	236
دل ہے کہ،	مہوش مغل	74
میرے سنگ،	صبا سحر	200

افسانے

چھتری تلے،	سعدیہ رئیس	60
بے رخی،	سدرۃ المنتہیٰ	68
من شر الوسواس،	سدرہ سحر عمران	144
خواب سراب،	نسرین خالد	230
نازک ڈور میں،	صبیحہ اقبال	224
نیت،	صباحت جاوید	96

نظمیں غزلیں

غزل،	سراج اورنگ آبادی	257
غزل،	نصیر الدین نصیر	257
نظم،	ظفر جاوید	258
غزل،	حمیدہ شاہین	258

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

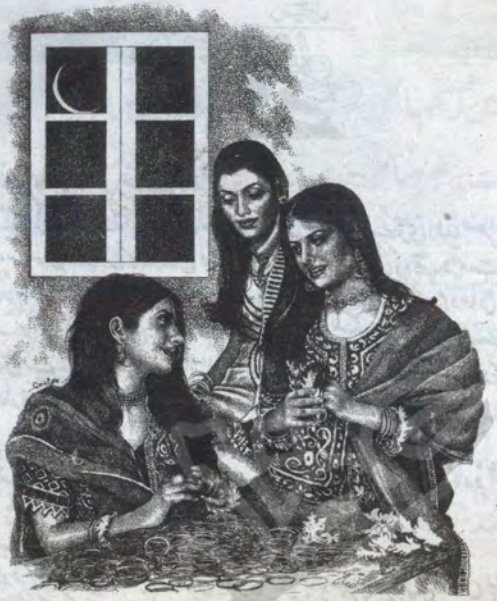

مستقل سلسلے

خط آپ کے،	رضیہ جمیل	266
مسکراہٹیں،	صبا سحر	259
آئینہ خانے میں،	تبصیر نشاط	280
بالوں سے خوشبو آئے،	شگفتہ جاہ	261
تاریخ کے جھروکے،	امت الصبور	287
سیر دو جہاں،	آمنہ زرین	273
کھلتا کسی پہ،	خالدہ جیلانی	264
موسم کے پکوان،	خالدہ جیلانی	283
خوبصورت ہے تیرے،	ادارہ	290

نومبر 2012

جلد 27 شمارہ 3

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: ۲۰ بی، پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رضیہ جمیل

پہلی شعاع

شعاع کا نومبر کا شمارہ عید نمبر لیے حاضر ہیں۔

غلط فیصلوں کے اثرات سامنے آرہے ہیں۔ بے اعتباری، بے بسی، بے چینی اور اضطراب سے یقین و اعتماد کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ انسانی قدروں کا احساس مٹ جائے تو انسانی زندگی کی قدر و قیمت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ معاشرے میں رائج دُہرے معیار، رویوں کے تضاد اور سوچ و فکر کی قوت سے محروم دماغ ہمیں کھوکھلا کر رہے ہیں۔ معلومات تک عام آدمی کی رسائی جو آج ہے، وہ کبھی نہ تھی لیکن یہ باخبری ہمارے فہم و شعور میں اضافہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہماری نظر میں وہ کشادگی اور گہرائی نہیں پیدا ہو سکی ہے جو پس پردہ حقائق کا ادراک کر سکے۔ ہماری فکری صلاحیت آج بھی محدود ہے اور معاملات کی طرح ہم یہاں بھی مغرب کے محتاج ہیں۔

حال ہی میں پیش آنے والا ملالہ کا واقعہ اور اس پر ملکی اور بین الاقوامی میڈیا کا ردِ عمل ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ بات اتنی سادہ نہیں ہے جتنی نظر آرہی ہے۔

عیدالاضحیٰ کی مبارک باد قبول کیجیے۔

یہ مذہبی تہوار قربانی کے ایک عظیم واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے اور اس کے پس پشت ایک ہی فلسفہ کار فرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے پوری آمادگی سے سرِ تسلیم خم کرنا۔ اس کے حکم پر اپنی قیمتی سے قیمتی چیز قربان کر دینا، دراصل قربانی کی اصل روح ہے۔ اسلام محض بے عقلی سے تقلید کا نام نہیں ہے۔

اس شمارے میں،

- سائرہ رضا کا مکمل ناول۔ پہلی بار ملے،
- نمرہ احمد کا مکمل ناول۔ جنت کے پتے،
- فائزہ افتخار کا ناولٹ "ایک نئی سنڈریلا"
- صبا سحر اور مہوش مغل کے ناولٹ،
- سعدیہ رئیس، سدرۃ المنتہیٰ، صباحت جاوید، صبیحہ اقبال، نسرین خالد اور سدرہ سحر عمران کے افسانے،
- عیدالاضحیٰ کا خصوصی سروے۔ عیدالاضحیٰ اور ہم،
- نعیمہ گرج اور فیاض احمد کا بندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- شعاع کے ساتھ ساتھ۔ قارئین سے سروے،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔ احادیثِ نبوی کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کے خط اور ای میلز ہمارے لیے آپ کی رائے جاننے کا بہت اہم ذریعہ ہیں۔ ہمیں خط ضرور لکھیں تاکہ ہم آپ کی رائے جان سکیں۔

حمد باری تعالیٰ

ہے نرغۂ اعدا میں کہ تنہا بھی بہت ہے
دل کو تری رحمت پہ بھروسا بھی بہت ہے

ہے کسی غیر کی چاہت کا ٹھکانہ بھی دلوں میں
اور ان کو ترے عشق کا دعوا بھی بہت ہے

دے اُن کو مگر کوئی بشارت ہی کا موسم
دُکھ جن کے مقدر میں لکھا بھی بہت ہے

کیوں کر وہ سمجھ پائیں ترے حسن کو یارب
دل جن کا ہوس گرد سے میلا بھی بہت ہے

رُک جائے قلم حرفِ ثنا پر مرا آ کر
ہر چند سخن کا یہ سلیقہ بھی بہت ہے

سمجھو نہ تو دریا و سمندر نہیں کافی
گر سمجھو تو مکڑی کا یہ جالا بھی بہت ہے

بخشش کہ یہ لائق نہیں تو پھر بھی کرم کر
نعمان اکیلا بھی ہے پیاسا بھی بہت ہے

نعمان فاروق

نعت رسولِ مقبولؐ

اُمتوں کے امام ہو تم
پیمبر ذی احترام ہو تم
محبتوں کا پیام ہو تم
اُتارا خدا نے کلام تم پر
درود تم پر سلام تم پر
رحمتیں ہوں مدام تم پر

فیض دنیا و دین ہو تم
دین حق کے امین ہو تم
داعی دین مبین ہو تم
سلام ہر خاص و عام تم پر
درود تم پر سلام تم پر
رحمتیں ہوں مدام تم پر

رؤف ہو تم، رحیم ہو تم
فہیم ہو تم، کریم ہو تم
صاحب خلق عظیم ہو تم
ختم رسالت کا کام تم پر
درود تم پر سلام تم پر
رحمتیں ہوں مدام تم پر

غم زدوں کی تسکین ہو تم
یقین بے یقین ہو تم
حیات قلب حزیں ہو تم
کرے رشک ماہ تمام تم پر
درود تم پر سلام تم پر
رحمتیں ہوں مدام تم پر

محمد زبیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

ظلم کے حرام ہونے اور مظالم کے دفع کرنے کے حکم کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ظلم کرنے سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہو گا۔ اور بخل سے بچو! اس لیے کہ بخل ہی نے ان لوگوں کو ہلاک کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اس بخل نے انہیں اپنوں کا خون بہانے پر اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا۔" (مسلم)

فائدہ :

بخل مال کی شدید محبت کو کہتے ہیں، جب انسان کے دل میں دنیا اور دنیا کے مال و اسباب کی محبت حد سے تجاوز کر کے شدید ہو جائے تو پھر انسان حرام حلال کے درمیان تمیز بھی نہیں کرتا اور دوسرے انسانوں کا خون بہانے سے گریز بھی نہیں کرتا، جیسے آج ہمارے معاشرے کا حال ہے اور یہ حالت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس معاشرے کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہے، یہ دیر یا سویر ہلاکت سے دوچار ہو کر ہی رہے گا۔

بدلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہیں قیامت والے دن حق والوں کے حق ضرور ادا کرنے ہوں گے حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے بغیر سینگوں والی بکری کو بدلہ دلوایا جائے گا۔" (مسلم)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ قیامت والے دن بے لاگ عدل ہو گا حتیٰ کہ جانوروں نے بھی ایک دوسرے پر ظلم کیا ہو گا تو اللہ تعالیٰ مظلوم جانور کی داد رسی فرمائے گا۔ اس میں انسانوں کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ جب بے شعور جانوروں کو معاف نہیں کیا جائے گا تو عقل و شعور سے بہرہ ور ظالم انسانوں کی کس طرح معافی ہو سکتی ہے اگر انہوں نے دنیا میں ظلم سے توبہ کر کے اس کی تلافی نہ کی ہو گی۔

انسانی جان کی حرمت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حجتہ الوداع کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے اور ہم نہیں جانتے تھے کہ حجتہ الوداع کیا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر مسیح دجال کا ذکر فرمایا اور اس میں تفصیل سے کام لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نبی کو بھی اللہ نے بھیجا، اس نے اپنی امت کو اس (دجال) سے ضرور ڈرایا۔ نوح علیہ السلام نے اس سے ڈرایا اور ان کے بعد آنے والے نبیوں نے ڈرایا۔ اور اگر وہ تم میں نکلے تو تم پر اس کا حال پوشیدہ نہ رہے (تاکہ اسے آسانی سے پہچان لو) تم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے (جب کہ) اس (دجال) کی دائیں آنکھ کانی ہو گی گویا کہ اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور ہے۔

خبردار! یقیناً" اللہ نے تمہارے خون اور تمہارے مال حرام کر دیے ہیں، تمہارے اس شہر، تمہارے اس مہینے (ذوالحجہ) تمہارے اس دن (دس ذوالحجہ) کی حرمت کی طرح۔ سن لو! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟"

لوگوں نے کہا۔

"ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔" تین مرتبہ فرمایا۔

پھر فرمایا۔ "تمہارے لیے ہلاکت ہے یا تم پر افسوس ہے، دیکھو! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔"

(اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی اس کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل :

1۔ اس میں قرب قیامت کی ایک بڑی علامت، مسیح دجال کی بعض علامات کا بیان ہے تاکہ اہل ایمان اس کے مکر و فریب سے بچ کر رہیں۔ یہ کانی آنکھ والا ہے اور دجال، دجل (فریب) سے مبالغے کا صیغہ ہے کیونکہ یہ بہت سے لوگوں کو اپنے دجل و فریب سے گمراہ کر لے گا۔

2۔ مسلمانوں کی جان و مال، آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت و آبرو کا محافظ ہے نہ کہ ان کا دشمن۔

3۔ مسلمانوں کے مابین خون ریزی نہایت قبیح جرم ہے اور اس سے کفر تک کا اندیشہ ہے۔

زمین پر قبضہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے ایک بالشت کے برابر زمین ہتھیا کر کسی پر ظلم کیا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت والے دن) اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ :

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں تھوڑا سا ظلم بھی اور کسی کا معمولی سا حق بھی مار لینا قیامت والے دن عذاب شدید کا باعث ہو گا۔

ظالم کی پکڑ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یقیناً" اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، لیکن پھر جب اس کی گرفت فرماتا ہے تو اسے نہیں چھوڑتا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ "اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ بستیوں (والوں) کو پکڑتا ہے جب کہ وہ ظالم ہوتی ہیں یقیناً" اس کی پکڑ نہایت دردناک (اور) شدید ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اللہ تعالیٰ اپنی حسب مشیت و مصلحت، ظالم اور گناہ گار کو مہلت دیتا ہے لیکن جب مواخذہ فرماتا ہے تو پھر اس کی گرفت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، اس لیے ہر شخص کو ظلم و معصیت سے اپنا دامن بچا کر رکھنا چاہیے۔

2۔ مہلت سے دھوکے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ پتا نہیں کب اس کی مدت مہلت ختم اور گرفت کا آغاز ہو جائے۔

مظلوم کی بددعا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یمن کے علاقے میں) بھیجا تو فرمایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب سے ہیں۔ چنانچہ تم (سب سے پہلے) انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار کرلیں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کردی جائے گی۔ اگر وہ اسے مان لیں تو (زکاۃ وصول کرتے وقت) ان کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا' اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا' اس لیے کہ اس کی بد دعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر جہاد کی نوبت آئے تو قتال سے پہلے انہیں قبول اسلام کی دعوت دی جائے اور پھر انہیں نماز' زکاۃ اور دیگر احکام و فرائض کی تعلیم دی جائے۔

2۔ زکوۃ جس علاقے کے اغنیاء سے وصول کی جائے اسی علاقے کے فقراء پر تقسیم کی جائے۔ اگر بچ جائے تو پھر دوسرے علاقوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

3۔ عاملین زکاۃ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زکاۃ کی وصولی میں ظلم کرنے سے گریز کریں اور لوگوں کی بد دعا کے مستحق بن کر اللہ کے غضب و عتاب کے اہل نہ بنیں۔

سرکاری ملازم کو تحفہ

حضرت ابو حمید عبدالرحمن بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازد قبیلے کے ایک آدمی کو' جسے ابن لتبیہ کہا جاتا تھا' زکوۃ کی وصولی کے لیے عامل مقرر فرمایا۔ چنانچہ جب وہ (زکوۃ وصول کر کے واپس) آیا تو کہنے لگا۔

"یہ تمہارے لیے ہے (یعنی بیت المال کا حق ہے) اور یہ مجھے ہدیے میں ملی ہوئی چیزیں ہیں۔"

تو (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی' پھر فرمایا۔

"اما بعد! میں تم میں سے کسی آدمی کے لیے عامل مقرر کرتا ہوں جن کا والی و سرپرست اللہ نے مجھے بنایا ہے' تو وہ (واپس) آتا ہے اور کہتا ہے' یہ تمہارے لیے ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے لوگوں کی طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا' حتیٰ کہ اس کا ہدیہ اس کے پاس آئے اگر وہ سچا ہے۔"

(مطلب یہ تھا کہ جس کو یہ ہدیہ کہہ رہا ہے' وہ ہدیہ نہیں' یہ اس سرکاری منصب کا نتیجہ ہے جس پر اسے مقرر کیا گیا تھا' اگر یہ ہدیہ ہوتا تو اسے گھر بیٹھے بھی ملتا۔)

اور فرمایا۔" اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز اس کے حق کے بغیر لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ قیامت والے دن وہ اسے اٹھائے ہوئے ہو گا۔ چنانچہ میں تم میں سے کسی شخص کو نہ دیکھوں کہ وہ اللہ سے ملاقات کے وقت (ناجائز طریقے سے حاصل کردہ) اونٹ کو اٹھائے ہوئے ہو' جو بلبلا رہا ہو' یا گائے کو' جس کی آواز ہو' یا بکری کو جو ممیا رہی ہو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے' یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟"

تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ :

اس حدیث میں سرکاری اہل کاروں اور منصب داروں کے لیے بڑی تنبیہہ ہے۔ آج کل سرکاری عہدوں سے بڑا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور لوگ ان عہدوں کی وجہ سے ان اہل کاروں اور عہدے داروں کو کثرت سے ہدیے اور تحفے پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے یہ تمام مال جو سرکاری عہدوں کی وجہ

سے حاصل ہو یا حاصل کیا جائے' حرام ہے اور رشوت کے زمرے میں آتا ہے جس کا لینا اور دینا دونوں ناجائز امور ہیں۔

حق ادا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس آدمی پر بھی اپنے (مسلمان) بھائی کا' اس کی عزت و آبرو سے متعلق یا کسی اور چیز سے متعلق کوئی حق ہو (یعنی اس کی بے عزتی کر کے یا کوئی اور زیادتی کر کے اس پر ظلم کیا ہو) تو اسے چاہیے کہ آج ہی (دنیا میں) اس کا ازالہ کر کے اس حق سے عہدہ برآ ہو جائے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں (ازالے کے لیے) کسی کے پاس دینار و درہم نہیں ہوں گے۔ (اور وہاں ازالے کی صورت یہ ہوگی کہ) اگر اس کے پاس عمل صالح ہوں گے تو وہ اس کے ظلم کے بہ قدر لے لیے جائیں گے (اور مظلومین میں تقسیم کر دیے جائیں گے) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس کے ساتھی (صاحب حق) کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔" (بخاری)

فائدہ :

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کی گئی دست درازیاں' اگر انہیں دنیا میں معاف نہیں کروا لیا گیا یا ان کی تلافی نہ کی گئی تو آخرت میں اس کا معاملہ نہایت خطرناک ہو گا جیسا کہ اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔ اس لیے حقوق العباد میں کوتاہی' جس کی انسان پروا نہیں کرتا' سخت ہلاکت کا باعث ہے۔

مسلمان کون ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزیں چھوڑ دے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ کامل مسلمان وہ ہے جو دوسروں کو (ظاہری یا باطنی) کسی بھی قسم کی اذیت نہ پہنچائے اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو اللہ کی نافرمانیوں سے باز رہے۔

2۔ اگر کسی نے ہجرت (ترک وطن) کے باوجود اللہ کی معصیت سے اجتناب نہ کیا تو ایسی ہجرت کا کیا فائدہ؟ ہجرت تو نام ہی اس چیز کا ہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر ہر چیز کو چھوڑ دیا جائے۔ اب انسان اپنا وطن مالوف' خویش و اقارب اور جائیداد و کاروبار تو چھوڑ دے لیکن ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے وہ باز نہ آئے تو عند اللہ اس کی ہجرت ایک مذاق ہی سمجھی جائے گی۔

جہنم کا مستحق

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک آدمی مقرر تھا جسے کرکرہ کہا جاتا تھا' وہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ جہنم میں ہے۔" (یہ سن کر) لوگ اسے دیکھنے لگے (کہ آخر کیا بات ہے) تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے پاس ایک عبا (سیاہ دھاریوں والی چادر) پائی جسے اس نے (مال غنیمت سے) چرا لیا تھا۔ (بخاری)

فائدہ :

اس سے معلوم ہوا کہ خیانت اور چوری کبیرہ گناہ ہے جس کی وجہ سے انسان مستحق جہنم قرار پا سکتا ہے۔

حرمت

حضرت ابو بکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بے شک زمانہ گھوم گیا ہے' اپنی اسی حالت پر جس میں اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ (یعنی روز آفرینش سے جس طرح سال اور مہینے تھے' اب پھر وہی ہیئت قدیمہ لوٹ آئی ہے اور مشرکین عرب اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف سے جو مہینوں میں تقدیم و تاخیر کرلیا کرتے تھے، جسے وہ نسیئ کہا کرتے تھے، اب اسے ختم کردیا گیا ہے۔) سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین پے در پے : ذالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور (چوتھا) مضر قبیلے کا رجب جو جمادی (الثانیہ) اور شعبان کے درمیان ہے۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا :) "یہ کون سا مہینہ ہے؟"

ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نام کے علاوہ اور نام سے اسے پکاریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟"

ہم نے کہا۔ "کیوں نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ "یہ شہر کون سا ہے؟"

ہم نے کہا۔ "اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کے نام کے علاوہ کسی اور نام سے اسے پکاریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا یہ شہر (مکہ) نہیں ہے؟"

ہم نے کہا۔ "کیوں نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) پوچھا "یہ دن کون سا ہے؟"

ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کے نام کے علاوہ کسی اور نام سے اسے پکاریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا؟

"کیا یہ قربانی کا دن (10 ذوالحجہ) نہیں ہے؟"

ہم نے کہا "کیوں نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں (تمہارے درمیان آپس میں) اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت، تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں ہے۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق بازپرس کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو! سن لو! جو یہاں حاضر ہے، وہ غائب کو (یہ باتیں) پہنچادے، اس لیے کہ شاید وہ شخص جسے یہ باتیں پہنچائی جائیں، ان سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو جنھوں نے (براہ راست مجھ سے) سنا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"خبردار (میری بات سنو اور بتاؤ)! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ کیا میں نے پہنچادیا ہے؟"

ہم نے کہا۔ "ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ! گواہ ہوجا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ سالوں اور مہینوں کی یہ تعیین (کہ مہینہ 30 یا 29 دن کا اور سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے وغیرہ) اس دن سے ہے جب آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی اور اس کی وضاحت سے مقصد اہل جاہلیت کے طریقہ "نسیئ" کا بطلان ہے۔

2۔ آپس میں ایک دوسرے کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی تاکید اور ان کی حرمت کا بیان۔

3۔ قیامت والے دن بارگاہ الٰہی میں بازپرس کی یاد دہانی۔

دستک دستک دستک

شاہین رشید

عابدہ پروین

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالمگیر شہرت سے نوازا ہے۔ اپنے خاندان میں یہ عزت و شہرت آپ کو ہی ملی یا کسی اور کو بھی ملی ہے۔"

"اللہ تعالیٰ نے یہ مہربانی صرف مجھ پر ہی کی ہے۔ میری اور بہنیں بھی ہیں مگر کسی کو موسیقی سے لگاؤ نہیں ہے۔ حالانکہ اگر وہ کوشش کرتیں تو وہ بھی بہت اچھا گا سکتی تھیں۔"

"آپ کو شوق کیسے ہوا؟"

"بس اللہ نے شوق بھی ڈالا اور صلاحیت بھی دی۔ جس گھرانے میں آنکھ کھولی، وہ سُروں کی دنیا تھی۔ میرے والد بہت اچھا گاتے تھے اور میں ان سے بہت متاثر تھی اور میرا زیادہ وقت ان ہی کے ساتھ گزرتا تھا۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ جب میں تین یا چار سال کی تھی تو میں نے گانا اور گنگنانا شروع کردیا تھا۔"

"اچھا... مگر آپ جس فیملی سے تعلق رکھتی ہیں، سنا ہے وہاں لڑکیوں کو موسیقی کی تعلیم دینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔"

"جی! آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے، مگر میری خوش قسمتی تھی کہ میرے والد اس بات کو برا نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے نہ صرف مجھے گانے کی اجازت دی، بلکہ مجھے باقاعدہ موسیقی کی تربیت بھی دلوائی۔ شروع میں میرے والد نے میری تربیت کی بجن کا نام غلام حیدر ہے اور پھر سلامت علی خان صاحب نے میری تربیت کی اور ان ہی کی محنت اور محبت کا نتیجہ ہے کہ میں آج اس مقام پر ہوں۔"

"محنت اور محبت تو ہوتی ہی ہے۔ قسمت پر کتنا یقین ہے؟"

"قسمت پر بھی بہت یقین ہے اور میرا تو یہ یقین ہے کہ جب قدرت کوئی کام کروانا چاہتی ہے تو پھر راستے بھی خود ہی بناتی چلی جاتی ہے اور قسمت ہی انسان سے محنت بھی کرواتی ہے۔ میری بھی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے اس ذریعے سے شہرت اور رزق لکھا جو کہ مجھے مل گیا اور مل رہا ہے۔"

"کس گانے نے آپ کو بہت زیادہ شہرت دی اور وہ آپ کی پہچان بنا؟"

"شاہ عبداللطیف بھٹائی کا "شاہ جو کلام" سنایا تو لوگوں نے بہت پسند کیا اور یوں میری شہرت کا آغاز شروع ہوگیا اور جو کلام میں نے گایا اس پر مجھے "شاہ لطیف ایوارڈ" بھی دیا گیا۔ پھر جب میں ٹی وی پہ پروگرام کرتی تھی تو علاقائی موسیقی میں ایک سندھی گانا "ماہی یار دی گھڑولی" گایا۔ بس مت پوچھیں کہ اس نے مجھے کتنی شہرت دی... آج بھی جب میں کسی محفل میں گاتی ہوں تو لوگ اس گانے کی فرمائش ضرور کرتے ہیں۔"

"ٹی وی پہ کس نے متعارف کرایا؟"

"ٹی وی پہ مجھے سلطانہ صدیقی نے متعارف کرایا۔ وہ ایک پروگرام کرتی تھیں "آواز و انداز" جس میں مختلف گلوکار شرکت کرتے تھے۔ سلطانہ صدیقی نے ایک سہ ماہی کا پروگرام مجھے دے دیا۔ اس پروگرام سے بھی مجھے بہت شہرت ملی۔"

"فلم کے لیے کیوں نہیں گایا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا مزاج، میری موسیقی فلم سے بہت مختلف ہے۔ بہت آفرز آئیں مگر میں نے انکار کیا... میں جو گا رہی ہوں اس سے میں بہت مطمئن بھی ہوں اور بہت خوش بھی ہوں۔"

"جب لوگ گائیکی کی فیلڈ میں آتے ہیں تو مہدی حسن، نور جہاں جیسے بڑے فنکاروں کے گانے گا کر اپنے آپ کو منواتے ہیں پھر اور یجنل کلام گاتے ہیں۔ آپ نے ایسا کیا؟"

"نہیں... میں نے ایسا نہیں کیا اور میں کرنا بھی نہیں چاہتی کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ میڈم نور جہاں نے جو گا دیا ہے اس کا کوئی مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ ان کی گائیکی کا انداز بالکل مختلف تھا۔ میں ان کی کاپی کرنے کی جسارت نہیں کر سکتی۔"

"کم عمری سے ہی آپ کو موسیقی سے دلچسپی رہی ہے۔ کس کو زیادہ سنتی تھیں آپ؟"

"سب کو سنتی تھی۔ اس زمانے میں کیسٹوں کا رواج تھا تو میں سب کی کیسٹ منگوا کر سنا کرتی تھی اور بہت غور سے سنتی تھی۔"

"صوفیانہ کلام گانا... تربیت کا حصہ ہے یا طبیعت کا حصہ ہے؟"

"میرے خیال میں دونوں کا... بچپن سے ہی جو بات ذہن میں بیٹھ جاتی ہے وہ آہستہ آہستہ پختہ ہو جاتی ہے۔ تربیت تو بعد میں آتی ہے، پہلے طبیعت ہوتی ہے، میرا شروع سے ہی رجحان صوفیانہ کلام کی طرف تھا۔ لہٰذا پھر میں نے تربیت بھی اس کی حاصل کی۔"

"صوفیانہ کلام کو پاکستان سے باہر کتنی مقبولیت حاصل ہے؟"

"بہت زیادہ مقبولیت ہے۔ آپ یقین کریں ساری دنیا میں صوفیانہ کلام کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہے۔ اب لوگ ہمیں "ملکوں ملکوں" بلاتے ہیں تو اس وجہ سے کہ لوگ ہمیں سننا پسند کرتے ہیں۔"

"اچھا ایک بات بتائیں آپ اتنی سادگی پسند کیوں ہیں؟"

"میں بچپن سے ہی سادگی پسند ہوں۔ بناؤ سنگھار سے مجھے کبھی بھی لگاؤ نہیں رہا ہے اور سادگی میں جو حسن ہے۔ وہ بناؤ سنگھار میں نہیں ہے۔ ویسے بھی صوفیانہ کلام گانے والے سادہ لباس اور سادہ طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں۔"

"ایوارڈز کتنے ملے؟"

"یوں تو کافی ایوارڈز مل چکے ہیں، لیکن جو اہم ایوارڈز ہیں، ان کا ذکر کروں گی۔ سب سے پہلے مجھے "شاہ لطیف ایوارڈ" ملا جو کہ میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ 1982ء میں مجھے "پرائیڈ آف پرفارمنس" ملا تھا اور 2005ء میں مجھے "ستارہ امتیاز" ملا تھا اور یہ سب ایوارڈز میرے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔"

توقیر ناصر

سینیئر فنکاروں میں ایک بہترین فنکار ہیں۔ گزشتہ دنوں ان کا سیریل "تھکن" بہت مقبول ہوا۔ حسب معمول ان کی اداکاری بھی نہایت عمدہ تھی۔ توقیر ناصر نے ہمیشہ اینگری ینگ مین کے رول کیے۔ تھکن میں بھی ان کا رول کچھ ایسا ہی تھا۔

ہم نے ان سے پوچھا کہ "آپ ہمیشہ غصے والے کردار کیوں کرتے ہیں؟"

تو وہ ہنستے ہوئے بولے۔ "آپ اگر یہ کہیں کہ سنجیدہ کردار ہی کیوں کرتے ہیں تو اس کا میں یہ جواب دے سکتا ہوں کہ میں فطرتاً" ایک سنجیدہ انسان ہوں اور مجھے ہلے گلے والے کردار پسند نہیں، اس لیے میں زیادہ تر سنجیدہ کردار کرتا ہوں۔"

"ویسے حقیقتاً" آپ غصے کے تیز ہیں؟"

"ہاں مجھے غصہ جلدی آتا ہے مگر بلاوجہ نہیں۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہوتی ہے جس کی وجہ سے مجھے غصہ آجاتا ہے۔ میری اپنی ایک طبیعت ہے۔ ایک مزاج ہے۔ میں لوگوں میں جلدی گھلتا ملتا نہیں ہوں۔ مجھے لوگوں میں مکس ہونے میں ٹائم لگتا ہے۔"

"بہت محدود کام کرتے ہیں آپ۔ وجہ؟"

"میں ہمیشہ وہ کردار کرتا ہوں جو میرے دل کو بھاتا ہے۔ جو مجھے اچھا لگتا ہے اور ویسے بھی بطور ڈائریکٹر جنرل پاکستان ٹیلیویژن کونسل آف آرٹس میری ذمہ داریاں بہت اہم ہیں۔ ان ہی سے فرصت نہیں ملتی جب کبھی اچھا کردار آفر ہوتا ہے تو میں انکار نہیں کرتا۔"

"فیلڈ میں اپنی مرضی سے آئے یا حادثاتی طور پر آئے؟"

"وحید مراد میرے پسندیدہ اداکار تھے۔ ان ہی کو دیکھ کر مجھے اس فیلڈ میں آنے کا شوق ہوا میں نے پھر آڈیشن دیا اور کامیاب ہو گیا۔"

"آپ کا پہلا ڈراما سیریل "پرواز" تھا جو کافی شہرت ملی اس ڈرامے کو۔"

"جی ہاں بالکل۔ یہی سیریل میری شناخت بھی بنا۔ مگر اس سے بھی زیادہ مشہور میرا لونگ پلے "کانچ" مشہور ہوا۔ یوں کہہ لیں کہ یہ دونوں ڈرامے میری شہرت کا باعث ہیں۔"

"بہت سارے چینلز آجانے سے ڈراما کہاں تک پہنچا۔ ترقی اور معیار دونوں کے بارے میں بتائیں!"

"پہلے ہمارے جو ڈرامے ہوتے تھے ان کا مقابلہ

ماہنامہ کرن

نومبر 2012 کے شمارے کی ایک جھلک

- "عیدالاضحیٰ" کے موقع پر قارئین سے دلچسپ سروے،
- اداکار "علی عمران" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "فضا علی" کی دلچسپ باتیں،
- اداکارہ "مدیحہ رضوی" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "آواز کی دنیا سے" "علی سلمان" کی باتیں،
- "درد دل" نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- "ساڈا چڑیا دا چنبا" نفیسہ سعید کے ناول کا دوسرا حصہ،
- "دکھ کا دریا، سکھ کا بادل" سعدیہ عزیز آفریدی کا مکمل ناول،
- "اُم البنین" میمونہ صدف کا مکمل ناول،
- "وہ اک پری تھی" ریحانہ احمد بخاری کا دلچسپ ناولٹ،
- "ایسا کرو گے تو کون آئے گا" سفینہ یاسمین کا دلچسپ ناولٹ،
- رضوانہ ارشاد کا دلکش ناولٹ،
- رفاقت جاوید ☆ حنا یاسمین ☆ صبیحہ اقبال ☆ نظیر فاطمہ اور ☆ مہک زیاب کے افسانے اور دلچسپ مستقل سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

شادی کی تیاری اور رسومات پر مشتمل کرن کتاب

"میں تو چلی پیا کے دیس"

کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے پیش خدمت ہے، استفادہ کیجیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج کے ڈراموں سے نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے لوگ بہت دل لگا کر محنت کے ساتھ اور پیسوں کی پروا کیے بغیر کام کیا کرتے تھے، مگر اب سب کچھ پیسہ ہے۔ جذبہ اور محنت ختم ہوگئی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اب ڈرامے اچھے نہیں بن رہے، بن رہے ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں تب ہی تو پرائیڈ آف پرفارمنس جیسے ایوارڈ بھی ملا کرتے تھے۔"

"بس محنت کا صلہ مل جائے تو سمجھیے کہ سب کچھ مل گیا ہے۔ مجھے بھی پرائیڈ آف پرفارمنس اور تمغہ امتیاز مل چکا ہے اور یہ سب لوگوں کی پسند اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

"کچھ اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں۔"

"جی... میری تاریخ پیدائش 1956ء ہے۔ میری دو بہنیں ہیں اور ہم تین بھائی ہیں۔ ماشاء اللہ سب اپنی اپنی زندگی میں بہت خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ 1996ء میں میری میرج ہوئی۔ اور ماشاء اللہ میری دو بیٹیاں ہیں۔"

"آپ ماشاء اللہ ایک خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ ارینج میرج کا نتیجہ ہے یا باہمی انڈر اسٹینڈنگ کا؟"

"شاید باہمی انڈر اسٹینڈنگ کا۔ در گزر کا اور کمپرومائز کا۔ ضروری نہیں کہ ارینج میرج ہے تو کامیاب اور لو میرج ہے تو ناکام۔ ناکامی کا تناسب میرے خیال میں تو برابر ہی ہوتا ہے۔ کامیابی اور ناکامی کا انحصار دونوں فریقین پہ ہوتا ہے۔"

"پی ٹی وی کے کن لوگوں کے ساتھ کام کیا؟"

"میرے خیال میں میں نے سب کے ساتھ کافی کام کیا ہے۔ چاہے وہ اداکار ہوں یا پروڈیوسر وغیرہ۔ سب ہی بہت محنت سے کام کرتے تھے۔ یاور حیات، قاسم جلالی، کاظم پاشا، ساحرہ کاظمی، حیدر امام رضوی، عارف وقار، نثار حسین... ان سب نے ڈرامے کو نیا رنگ اور نئی زندگی دی تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندھن

نعیمہ گرج ہمراہ فیاض احمد

نعیمہ گرج

نعیمہ گرج.... ایک معروف فنکارہ اور ماضی کے نامور فنکار "گرج بابو" کی بیٹی ہیں۔ بچپن فلم انڈسٹری کی بہاروں میں گزارا۔ اس کے اتار چڑھاؤ کو دیکھا اور خود بھی اس کا حصہ بنیں۔ جو لوگ بچپن سے ہی شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ پھر اس کے عادی ہو جاتے ہیں اور اسے سر پر سوار نہیں کرتے۔ نعیمہ گرج کو بھی ہم نے ہمیشہ حلیم طبیعت کا ہی پایا ہے۔ "بندھن" کے لیے جو گفتگو ہوئی، آپ کی نذر ہے۔

"جی! نعیمہ جی.... کیسی ہیں اور ازدواجی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے.... اور ازدواجی زندگی بھی اچھی گزر رہی ہے۔"

"کتنے سال ہو گئے شادی کو اور پسند کی تھی شادی یا جہاں والدین نے کہا گردن جھکا دی؟"

"میری شادی میری پسند کی تھی اور اس میں والدین کی مرضی بھی شامل تھی۔ اگر والدین راضی نہ ہوتے تو میں اپنی محبت کی قربانی دے سکتی تھی۔"

"گڈ.... کب، کہاں ملاقات ہوئی تھی فیاض احمد صاحب سے اور کتنے سال ہو گئے شادی کو۔؟"

"میری شادی کو تقریباً" چوبیس سال ہو گئے ہیں اور صحیح ڈیٹ مجھے یاد نہیں ہے اور ہاں! آپ ملاقات کا پوچھ رہی تھیں تو فیاض صاحب سے میری ملاقات ایک تقریب میں ہوئی تھی۔ انہیں میں پسند آ گئی۔ چند ملاقاتوں کے بعد انہوں نے مجھے پروپوز کر دیا اور والدین کی رضامندی سے میری شادی ہو گئی۔ اس وقت ان کی ایک ۔ ڈڈیو شاپ تھی اور میرے بارے میں تو

سب جانتے ہی ہیں کہ میں تھیٹر میں اور کبھی کبھار ٹی وی میں کام کر لیا کرتی تھی۔"

"آپ کے بچے کتنے ہیں؟"

"ماشاء اللہ! میرے تین بچے ہیں، ایک بیٹی اور دو بیٹے۔"

"بچوں کو اس فیلڈ میں لانا چاہیں گی؟"

"یہ بچوں کی مرضی پر ہے۔ اگر وہ آنا چاہیں گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور اگر وہ کچھ اور کرنا چاہیں گے تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ابھی تو بچے پڑھ رہے ہیں۔"

"آپ کی "لو+ارینج" ہے۔ کیا محبت کے سہارے زندگی گزاری جا سکتی ہے؟"

"ہرگز نہیں! شادی سے پہلے پیار محبت کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ مگر شادی کے بعد انسان کی پریکٹیکل لائف شروع ہو جاتی ہے۔ فیملی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تب پیار، محبت سے زیادہ پیسے کی اہمیت ہو جاتی ہے۔ پیار، محبت کی باتیں بھی اس وقت تک ہی اچھی لگتی ہیں جب پیٹ بھرا ہوا ہو۔"

"کماؤ پوت ہونا چاہیے؟"

"بالکل ہونا چاہیے کیونکہ جو لڑکی اپنے ماں، باپ

کا گھر چھوڑ کر آ رہی ہوتی ہے، اس کی بھی بہت سی خواہشات اور تمنائیں ہوتی ہیں اور ان خواہشات اور تمناؤں کو وہی شخص پورا کر سکتا ہے، جو صاحب حیثیت اور اچھے روزگار والا ہوتا ہے۔ میں تو تمام والدین سے کہوں گی کہ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ طے کرتے وقت یہ ضرور دیکھ لیں کہ لڑکا کتنا کماتا ہے۔ تاکہ آپ کی بیٹی بھی سکھی رہے اور لڑکے کے والدین کو بھی کوئی شکایت نہ ہو۔"

"چاند تارے توڑنے والی باتیں پرانی ہو گئیں کیا؟"

قہقہہ.... "چاند تارے توڑنے والی باتیں ہمیشہ سے کتابی رہی ہیں۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ باتیں کتابوں میں اور فلموں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ وہ ایک تخیلاتی دنیا ہوتی ہے اور یہ حقیقت اور پریکٹیکل کی دنیا ہے۔ یہ جو لڑکی اور لڑکا کہتے ہیں ناکہ تم نہ ملے ـــــ تو ہم مر جائیں گے۔ بالکل غلط ہے۔ کم سے کم آج کل کی نسل تو بہت عقل مند ہے۔ وہ اس قسم کی باتیں تو بالکل نہیں کرے گی۔ آج کل تو پیٹ بھر کھانا نہ ملے تو ایک دوسرے کی شکلیں بھی بری لگ رہی ہوتی ہیں۔"

"آج کل کی بات کر رہی ہیں تو آج کل تو گھر کا خرچ چلانے کے لیے لڑکی اور لڑکے دونوں کو کمانا چاہیے.... کیا خیال ہے آپ کا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بالکل کمانا چاہیے۔ مجھے کام کرنے کی بہت عادت ہے اور میں تو تقریباً" بچپن سے کمارہی ہوں۔ آج کے دور میں دونوں کو کمانا چاہیے اور دونوں کو گھر کا خرچ چلانا چاہیے۔۔۔ ورنہ گزارہ مشکل ہوجاتا ہے۔"

"اس موضوع پر مزید بات کرنے سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ شادی دھوم دھام سے ہوئی تھی؟ اور کیا کیا رسمیں ہوئی تھیں؟"

"جی! بالکل دھوم دھام سے ہوئی تھی اور تمام رسمیں بھی ہوئی تھیں۔ بہت انجوائے کیا تھا۔۔۔ شادی کی بھلا کسے خوشی نہیں ہوتی۔۔۔ شادی ہے ہی خوشی کا نام۔"

"اچھا۔۔۔ پھر تو ماں' باپ کا گھر چھوڑنے کا بالکل بھی غم نہیں ہوا ہوگا آپ کو؟"

"نہیں! اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ والدین کا گھر چھوڑنے کا بہت دکھ تھا' کیونکہ ایک مدت گزاری ہوئی ہوتی ہے۔ مگر شادی تو ایک فریضہ ہے' جو والدین کو ادا کرنا ہی ہوتا ہے اور لڑکی کے لیے بھی خوشی کی بات ہوتی ہے کہ وہ اپنا گھر بسانے جارہی ہے۔ اگر شادی خوشی کا نام نہ ہوتی تو کیا دھوم دھام سے ہوتی؟"

"ہوں۔۔۔ یہ بات تو ہے۔ پھر بھی نئے ماحول میں جاتے ہوئے کچھ ڈر' خوف تھا؟"

"ہاں! وہ تو ہر لڑکی کے دل میں ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف میاں کے ساتھ تو نباہ نہیں کرنا ہوتا۔ سسرال والوں کے ساتھ بھی کافی ٹائم گزارنا ہوتا ہے تو سوچیں تو آتی ہیں کہ پتا نہیں سسرال والے کیسے ہوں گے۔ شوہر مزاج کے کیسے ہوں گے۔ کیونکہ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کے مزاجوں میں بہت فرق ہوتا ہے' سو ایسے خدشات تو میرے ذہن میں بھی تھے۔"

"بندھن کی لاج رکھنے میں کس کا ہاتھ زیادہ ہوتا ہے' لڑکی کا یا لڑکے کا؟"

"میرے خیال میں لڑکی کا' کیونکہ آپ جس گھر میں جارہے ہوں۔ آپ کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنا ہے۔ اپنے آپ کو بدلنا ہے' نہ کہ دوسروں کو بدلنا ہے۔ اگر آپ یہ سوچ لیں کہ آپ کو سسرال جاکر سب کو اپنے جیسا بنالینا ہے تو یہ غلط ہے۔ کوئی بھی آپ کو نہ اس کی اجازت دے گا نہ قبول کرے گا۔ ہاں! آپ اپنے آپ کو سسرال کے ماحول میں ڈھال لیں تو سب آپ سے خوش ہوں گے اور پھر آپ کے لیے بھی زندگی آسان ہوجاتی ہے۔"

"آپ نے اپنی زندگی آسان بنائی؟ اور جوائنٹ فیملی میں آئیں آپ؟"

"بالکل بنائی۔۔۔ اور اپنی خدمت خاطر سے سب کو اپنا بنالیا اور جوائنٹ فیملی ہی سمجھ لیں۔ سب کی خدمت خاطر کی۔ ساس' سسر کو ماں' باپ کا درجہ دیا۔ نندوں کو سگی بہنوں کی طرح سمجھا تو آج تک کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ میرے میاں سے زیادہ میرے سسرال والے میرے گن گایا کرتے تھے۔"

"سسرال والوں کو یہ بھی تو اچھا لگتا ہوگا کہ ہماری بہو نہ صرف مشہور ہے' بلکہ بہت اچھا کماتی بھی ہے؟"

"ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ یقیناً" اچھا لگتا ہوگا۔۔۔ لیکن اگر میں صرف اپنے کام کو اولیت دیتی تو پھر شاید ان کو اچھا نہ لگتا۔ میری تو پوری کوشش ہوتی تھی کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ دوں اور کسی نے مجھ سے گلہ شکوہ بھی نہیں کیا کہ ان کو مجھ سے کوئی شکایت ہے' بلکہ حیران ہوتے تھے میری فرماں برداری پر۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"شوبز تو آج ایک پروفیشن بن گیا' مگر چوبیس' پچیس سال پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس وقت تو جو ڈراموں تھیٹر اور فلم میں کام کیا کرتے تھے' ان کی بہت ویلیو ہوتی تھی اور بڑا غرور ہوتا تھا آرٹسٹوں میں کہ جی! ہم شوبز میں ہیں۔ جی! ہم فلم میں کام کرتے ہیں۔۔۔ مگر مجھ میں ایسا کچھ نہیں تھا۔ تب ہی تو میری ساس بہت حیران ہوتی تھیں' مجھے گھر کے کام کاج کرتے ہوئے دیکھ کر اور میرے شوہر سے میری بہت تعریف کیا کرتی تھیں۔"

"میاں کہتے نہیں تھے کہ تم باہر بھی کام کرتی ہو' پھر گھرداری بھی کرتی ہو' کوئی ایک ذمہ داری قبول کرلو؟"

"بہت کہتے تھے۔۔۔ مگر مجھے اچھا لگتا تھا سب کچھ کرنا۔ گھر کی خوش حالی کے لیے بھی اور گھر والوں کی خوشنودی کے لیے بھی۔۔۔"

"کیا گھر میں بڑی بہو بن کے آئیں؟"

"جی ہاں۔۔۔ اتفاق دیکھیں کہ میں بھی اپنے گھر میں بڑی ہوں اور میرے میاں بھی گھر میں بڑے ہیں۔۔۔ تو میں بڑی بہو بن کے آئی۔ اس لیے سسرال والوں کو مجھ سے بہت توقعات تھیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں ان کی توقعات پر پوری اتری۔"

"اچھا! یہ بتائیں کہ پہلے دن کا جوڑا کیسا تھا اور بیوٹی پارلر سے تیار ہوئی تھیں آپ؟"

"پہلے دن کا جوڑا سسرال والوں کی طرف سے تھا اور چٹاپٹی کا غرارہ تھا' جو کہ بہت خوب صورت تھا اور میک اپ کسی بیوٹی پارلر سے نہیں کروایا تھا' بلکہ میں نے خود ہی کیا تھا۔ کیونکہ مجھے خود اتنا اچھا میک اپ کرنا آتا تھا تو کیا ضرورت تھی کسی سے میک اپ کروانے کی۔۔۔ اور اس وقت تو بڑی سادگی ہوا کرتی تھی۔ ہلکا میک اپ اور لپ اسٹک سے ہی نکھار آجاتا تھا۔"

"اور پھر دلہن کو تو قدرت روپ دیتی ہے۔ ہنی مون کے لیے کہاں گئی تھیں اور کیا تحفہ دیا تھا پہلی بار؟"

"ہنی مون کے لیے؟ کہیں بھی نہیں۔۔۔ لیکن ویسے اللہ کا شکر ہے کہ بہت گھومے پھرے۔۔۔ اور تحفہ سے آپ کی مراد منہ دکھائی ہے تو انہوں نے مجھے انگوٹھی دی تھی۔"

"ابھی بھی تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے کیا؟"

"بالکل ہوتا ہے۔ مگر یک طرفہ (قہقہہ) سچی بات تو یہ ہے کہ انہیں تو تحفے دینے کا شوق ہی نہیں ہے اور نہ ہی انہیں تحفہ دینا یاد رہتا ہے۔ میں جب انہیں تحفہ دیتی ہوں تو انہیں بھی یاد آجاتا ہے۔ ویسے سال میں ایک' دو مرتبہ تحفہ دے ہی دیتے ہیں۔ انہیں پرفیوم پسند ہے تو میں زیادہ تر پرفیوم کا ہی تحفہ دیتی ہوں۔"

"جو کماتے ہیں' آپ کے ہاتھ میں دیتے ہیں یا لگا بندھا دیتے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے کہ کھلا خرچ دیتے ہیں۔ لیکن مجھے ان سے مانگنے کی عادت نہیں ہے۔ اتنے سال گزرنے کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے ان سے مانگنے کی ضرورت پڑی ہو۔ ویسے بھی پتا نہیں کیوں مجھے ان سے مانگتے ہوئے شرم اور جھجک سی محسوس ہوتی ہے۔"

"شاید اس لیے کہ آپ خود کماتی ہیں اور آپ کے اپنے ہاتھ میں کھلا پیسہ ہوتا ہے؟"

"ہاں! ایسا بھی ہے' مگر میں نے تو اکثریت ایسی خواتین کی دیکھی ہے' جو خود بھی کماتی ہیں' مگر پھر بھی اپنے میاں سے مانگتی ہیں۔ شاید وہ اس کو اپنا حق سمجھتی ہیں اور حق ہے بھی۔۔۔ لیکن شاید یہ میرے ماں' باپ کی تربیت کا اثر ہے کہ مجھے مانگنے کی عادت نہیں ہے۔ ورنہ بیویاں تو اپنی کمائی کی ہوا نہیں لگنے دیتیں اپنے میاں کو۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ جن کو خود کمانے کی عادت ہوجائے' وہ پھر کسی سے مانگ نہیں سکتیں۔"

"یہ بات آپ نے بالکل ٹھیک کہی۔۔۔ اور بچپن سے ہی کمارہی ہوں تو ہاتھ پاؤں چلانے کی ایسی عادت ہوگئی ہے کہ میں بے کار تو بیٹھ ہی نہیں سکتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے بچے چھوٹے تھے تو میں نے تھیٹر پہ اور ٹی وی پر کام کرنا تقریباً" بند ہی کردیا تھا۔ کیونکہ ٹائم ہی نہیں ملتا تھا۔ گھر سے نکلنے کا۔۔۔ لیکن اس وقت بھی مجھے گھر میں جو تھوڑا بہت ٹائم مل جاتا تھا اس میں سلائی کڑھائی کا کام کرلیا کرتی تھی۔ مگر بے کار نہیں بیٹھتی تھی۔"

"مزاج کے کیسے ہیں؟ شادی کے بعد کیا تبدیلی دیکھی؟"

"مزاج کے بہت اچھے ہیں۔ اس وقت تک جب تک انہیں غصہ نہیں آتا۔ جب غصہ آتا ہے تو لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ خوش اخلاق بھی ہوں گے اور میں نے شادی کے بعد کوئی تبدیلی نہیں دیکھی۔ تبدیلی کی بات تو تب ہوتی ہے جب شادی سے پہلے لمبے چوڑے تعلقات رہے ہوں۔ چونکہ ایسا کچھ ہوا نہیں' اس لیے جو کچھ دیکھا' شادی کے بعد ہی دیکھا۔"

"کوئی اچھی بری عادت بتائیں۔۔۔ اور اپنے مزاج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں بھی بتائیں؟"

"اچھی عادتیں تو بہت ہیں۔ لیکن بُری عادت یہ ہے کہ غصے کے بہت تیز ہیں اور جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو پھر بات کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جہاں تک میرے مزاج کی بات ہے تو میرا غصہ بھی تیز ہے۔ مگر لڑائی جھگڑے والا نہیں، بلکہ بہت معصوم سا غصہ ہے۔ مثلاً جھوٹ برداشت نہیں ہے۔ گھر میں گندگی برداشت نہیں ہے۔ بس بولتی ہوں یا پھر بس نہیں چلتا تو رونے لگتی ہوں۔"

"ایک دوسرے کو کس طرح بلاتے ہیں؟"

"میں تو پرانی ہوں۔ اس لیے آپ جناب۔۔۔ سنیے وغیرہ کہہ دیتی ہوں۔ یہ جب موڈ میں ہوتے ہیں تو بہت محبت سے بلاتے ہیں اور ہنستے ہنساتے بھی ہیں، لیکن جب غصے میں ہوتے ہیں تو پھر "آپ، جناب" کہہ کر بلاتے ہیں اور بچوں کے لیے بھی ان کی باتوں میں طنز اور ادب والا لہجہ ہو جاتا ہے۔"

"بچوں کی تربیت میں کس کا ہاتھ ہے؟"

"ہم دونوں کا ہی ہے۔ لیکن پھر بھی ماں کا ہاتھ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ماں بچوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی ہے۔ بیٹی ہو یا بیٹا اس کو سب کی فکر ہوتی ہے اور جس طرح میں نے ایک روایتی بیوی بن کر اپنے شوہر کے اور گھر کے سارے کاموں میں حصہ لیا۔ اسی طرح میں نے اپنی بیٹی کی تربیت کی ہے۔ ہر کام میں اسے ماہر کر دیا ہے۔ کیونکہ پتا نہیں کہ اس کو کیسا سسرال ملے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری ساس مجھے کام کرتے ہوئے دیکھتی تھیں تو حیران ہوتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم کس چیز سے بنی ہوئی ہو کہ تھکتی نہیں۔ گھر بھی سنبھالا ہوا ہے اور باہر بھی کام کرتی ہو اور بچوں کی تربیت بھی۔۔۔ بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔"

"اور میاں صاحب؟"

"وہ خوش نہیں ہوں گے تو کون خوش ہوگا۔ جب گھر سے نکلتی ہوں تو ان کی ہر چیز ریڈی کر کے نکلتی ہوں، حتیٰ کہ آج انہوں نے کون سا پرفیوم لگانا ہے، وہ تک ٹیبل پہ رکھ کر جاتی ہوں اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں گھر سے نکلنے کے لیے تیار ہوں اور میاں صاحب نے کوئی کام کہہ دیا تو میں کبھی منہ نہیں بناتی، بلکہ پہلے ان کے کام کو ترجیح دیتی ہوں۔ کیونکہ گھر کو بنانے سنوارنے میں اور اپنا بنانے میں بہت ٹائم لگتا ہے۔ لیکن بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے مجھے اپنا گھر پہلے عزیز ہے اور شوبز کا کام بعد میں۔"

"بالکل۔۔۔ اپنا گھر ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں اور جس کی آپ جیسی بیگم ہو، وہ تو بہت ہی خوش قسمت انسان ہے۔۔۔ میرے خیال میں تو آپ کی کبھی لڑائی بھی نہیں ہوتی ہوگی؟"

"لڑائی جھگڑا کس کے درمیان نہیں ہوتا۔ ہم میاں، بیوی کے درمیان بھی لڑائی ہوتی ہے۔ لیکن سچ بتاؤں! اتنے برسوں میں، میں نے کبھی لڑائی میں پہل نہیں کی۔ پہل ان کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور بات چیت بھی وہی بند کر دیتے ہیں۔ پھر کچھ دن کے بعد میں ہی منا لیتی ہوں کہ کیوں ناراض ہیں، اب ناراضی ختم کریں۔"

"اتنے لاڈ اٹھاتی ہیں آپ اپنے میاں کے؟"

قہقہہ۔۔۔ "اللہ تعالیٰ نے میرا دل بہت نرم رکھا ہے۔ میں لڑائی جھگڑے سے بہت گھبراتی ہوں۔ مجھے ہر حال میں اپنا گھر عزیز ہے۔"

"فضول خرچ کون ہے؟"

"ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔ انہیں بھی گھر کی چیزیں بنانے کا شوق ہے اور بچت کا بھی شوق ہے اور مجھے بھی۔۔۔ تو ہم دونوں بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں، اس مہنگائی کے دور میں۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے نعیمہ گرج سے اجازت چاہی۔

عید الاضحیٰ کی پُر مسرت ساعتیں دستک دینے کو ہیں۔ خواتین کی عید چوڑی، مہندی اور سنگھار کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ تاہم عید قربان کا اصل حسن لذتِ کام و دہن سے وابستہ ہے۔ حنائی ہاتھوں سے تیار ہونے والے پکوان کا ذائقہ عام دنوں سے کچھ زیادہ مزے دار ہوتا ہے۔

حسبِ روایت ہم نے اس سال بھی آپ کے لیے ایک سروے کا اہتمام کیا ہے۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔

1۔ آپ کو کون سی عید پر زیادہ لطف آتا ہے، عید الفطر یا عید الاضحیٰ؟
2۔ عید الاضحیٰ یا قربانی کے جانور کے حوالے سے کوئی یادگار واقعہ؟
3۔ کوئی خاص ڈش جو آپ نے عید الاضحیٰ کے موقع پر بنائی ہو اور گھر والوں اور مہمانوں کو بے حد پسند آئی ہو؟

عید قرباں اور ہم

تبصیر نشاط

پروفیسر سحر انصاری۔ کراچی (شاعر، نقاد، ماہر تعلیم)

1 ۔ ویسے تو دونوں ہی تہوار اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔ تاہم اگر پسندیدگی کی بات کی جائے تو مجھے ذاتی طور پر عید الفطر زیادہ اچھی لگتی ہے۔ عید الاضحیٰ کے حوالے سے شہر میں آج کل ایک فقرہ گردش کر رہا ہے کہ۔

"محبوب کے نخرے اور قربانی کے بکرے دونوں ہمیشہ مہنگے ہوتے ہیں۔"

تو عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے جانوروں کی آمد کے ساتھ ہی شہر بھر میں گندگی کا تناسب بھی بڑھ جاتا ہے۔ قربانی سے پہلے جانوروں کے چارے اور غلاظتیں بکھری نظر آتی ہیں۔ پھر سارا دن اور رات رات بھر جانوروں کی آوازیں آرام و سکون اور مطالعے میں خلل ڈالتی ہیں۔ قربانی کے بعد بھی کچھ دنوں تک شہر میں صفائی کا فقدان رہتا ہے۔ جگہ جگہ جانوروں کی آلائشیں نظر آتی ہیں، جس سے طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔

2 ۔ اس حوالے سے کوئی خاص واقعہ تو ذہن میں محفوظ نہیں۔ البتہ بچپن میں قربانی کے جانوروں کی خدمت کرنا، انہیں گھمانا پھرانا، چارہ کھلانا اور پھر قربانی کے بعد اداس ہو کر بیٹھ جانا اکثر یاد آتا ہے۔ اب وہ بچپن کی عیدوں کا لطف کہاں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

3 ۔ بچپن میں ہم نے اسکاؤٹ کی ٹریننگ حاصل کی ہے تو اس تربیت کے دوران ہمیں کھانا پکانا بھی سکھایا گیا تھا۔ اب بھی کبھی بقرعید کے موقع پر کلیجی فرائی کر لیتے ہیں، جو سب کو بے حد پسند آتی ہے۔

عالمگیر۔ امریکا (گلوکار)

1 ۔ دونوں ہی تہوار ہمارے لیے محترم ہیں لیکن مجھے عیدالفطر زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ وہ رمضان کے بعد آتی ہے تو اس دوران ایک خاص ماحول بنا ہوا ہوتا ہے۔ روزوں کے بعد عید منانا بہت اچھا لگتا ہے۔ پھر عیدالفطر میں دوست احباب اور رشتے داروں سے میل ملاقات کا سلسلہ بھی عیدالاضحیٰ کی نسبت زیادہ رہتا ہے تو اس کی بھی خوشی ہوتی ہے۔ عیدالاضحیٰ میں تو سب لوگ قربانی اور پھر گوشت کی تقسیم میں مصروف رہتے ہیں، لہٰذا میل ملاقات کی طرف رجحان کم ہی ہوتا ہے۔ عیدالفطر کو پسند کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی خوشی اچانک حاصل ہوتی ہے یعنی چاند نظر آتے ہی اگلے دن عید ہو جاتی ہے، جبکہ عیدالاضحیٰ کا چاند دس دن پہلے نظر آجاتا ہے تو عیدالاضحیٰ آنے

تک وہ چارم باقی نہیں رہتا۔

2 ۔ ہاں! ایک واقعہ مجھے یاد ہے۔ عیدالاضحیٰ سے دو دن پہلے میں قربانی کے لیے بکرا خرید کے لایا۔ اسے گھر کے ایک کونے میں باندھ دیا۔ قربانی سے ایک دن پہلے جب میں سو کر اٹھا تو پتا چلا کہ بکرا غائب ہے۔ سب گھر والے حیران و پریشان ہو گئے کہ بکرا کہاں گیا، کیونکہ اگر کوئی چوری کرنے آتا تو بکرا کچھ تو آوازیں نکالتا ہی..... خیر! فوراً ”بکرے“ کی تلاش میں دوڑ گئے۔ محلے والوں کو پتا چلا تو کچھ لوگ تلاش میں مدد کرنے لگے۔ خاصی دوڑ دھوپ کے بعد بکرا چند گلیاں چھوڑ کر ایک جگہ بیٹھا نظر آگیا۔ صبح کسی وقت دروازہ کھلا ہو گا تو بکرا نکل گیا ہو گا۔ شاید وہ مارننگ واک کا عادی ہو۔ جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو یہ سوچ کر ہنسی آجاتی ہے کہ ہم ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرتے رہے اور بکرے صاحب مارننگ واک کے بعد مزے سے آرام کرتے رہے۔

3 ۔ میں کبھی کبھار شوقیہ کوکنگ کر لیتا ہوں۔ میرے ہاتھ کا آملیٹ، مٹر پلاؤ اور آلو گوشت سب کو بے حد پسند ہے اور سب مجھ سے ان ہی کی فرمائشیں کرتے ہیں۔

عائشہ گل۔ کراچی (اداکارہ)

1 ۔ مجھے دونوں عیدیں پسند ہیں۔ دونوں کو میں مذہبی فریضہ سمجھ کر مناتی ہوں۔ مسائل کے اس دور میں خوشیوں کے مختصر لمحات بھی غنیمت لگتے ہیں۔ میں خوشیوں کی بہت قدر کرتی ہوں۔ اپنی خوشیوں کا خیال رکھنا چاہیے اور دوسروں کی خوشیوں کا تو ہر لمحہ خیال رکھنا چاہیے۔ میں ان دونوں تہواروں پر اپنے اردگرد کے ان لوگوں کا لازمی خیال رکھتی ہوں، جو کم استطاعت رکھتے ہیں۔ عیدالاضحیٰ تو ہمیں دیتی ہی قربانی کا درس ہے۔ قربانی کا مقصد صرف خود گوشت کھانا نہیں بلکہ اس موقع پر غریب غرباء کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ وہ سارا سال گوشت کھانے سے محروم رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کا بھی بہت خیال رکھتی ہوں۔

2 ۔ بقرعید کے دن یا جانور کے حوالے سے تو نہیں لیکن ایک بہت خاص واقعہ بقرعید کی شاپنگ کے دوران پیش آیا تھا۔ جسے میں بقرعید والے دن بھی یاد کر کے اداس رہی تھی۔ یہ پانچ، چھ سال پرانی بات ہے۔ اس وقت ہم دبئی میں رہتے تھے۔ میں عید کی شاپنگ کے لیے اکیلی کار میں جا رہی تھی۔ ہائی وے پر پہنچی تو میری گاڑی اچانک خراب ہو گئی۔ میں بہت پریشان ہوئی۔ پہلے گھر فون کر کے مطلع کیا۔ پھر شوروم فون کیا تاکہ وہ آ کے گاڑی لے جائیں۔ جب وہ گاڑی لینے آئے اور میں باہر سڑک پر نکلی تو میں بہت گھبرا گئی۔ دبئی میں بے تحاشا گرمی ہوتی ہے۔ گرمی میں وہاں سڑک پر کھڑے ہونا اپنی موت کو دعوت دینا ہے اور میں چونکہ بہت نازوں کی پلی ہوں تو اتنی گرمی مجھ سے کہاں برداشت ہونی تھی۔

ابھی میں گرمی سے گھبرا ہی رہی تھی کہ اچانک میری نظر اس طرف گئی، جہاں اس سڑک پر تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ وہاں میں نے ان مزدوروں کو اتنی شدید گرمی میں سخت جانفشانی کا کام کرتے دیکھا تو مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔ میں نے اپنے آپ کو بہت ڈانٹا کہ انہیں دیکھو! تم سے ذرا سی دیر گرمی برداشت نہیں ہو رہی اور ایک وہ ہیں، جو پیٹ کا ایندھن بھرنے کی خاطر اتنی گرمی میں اس قدر محنت کر رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ عید والے دن بھی مجھے وہ مزدور اور ان کی مشقت یاد آتی رہی۔ میں سمجھتی ہوں اللہ تعالیٰ نے وہ منظر شاید میری اصلاح کے لیے مجھے دکھایا تھا۔

3 ۔ بہت ساری ڈشز ہیں جو میں بناتی ہوں اور لوگ پسند بھی کرتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو دو آسان سی ڈشز بتاتی ہوں، جو جھٹ پٹ تیار ہو جاتی ہیں اور بے حد لذیذ بھی ہوتی ہیں۔

تھوڑی سی املی، سارا ہرا مسالا، لیموں کا رس اور دہی ملا کر پھینٹیں اور بکرے کے گوشت میں لگا کر رکھ دیں۔ ایک گھنٹہ بعد زیتون کا تیل گرم کر کے اس میں یہ مسالا ملا گوشت ڈال کر بھون لیں اور پھر دم پر رکھ دیں۔ نہایت لذیذ ہو گا۔

اسی طرح ایک اور آسان سی ترکیب ہے۔ ثابت دھنیا، زیرہ پیاز، لہسن اور ثابت لال مرچ توے پر بھون لیں۔ اسے دہی میں ملا کر بکرے کے گوشت پر لگا دیں۔ آدھ، ایک گھنٹہ بعد زیتون کا تیل گرم کر کے اس میں مسالا ملا یہ گوشت ڈال کر بھون لیں، پھر دم پر رکھ دیں۔ آپ چاہیں تو کوئی سا بھی تیل استعمال کر سکتی ہیں۔ میں چونکہ تمام کھانوں میں زیتون کا تیل استعمال کرنا پسند کرتی ہوں۔ لہٰذا وہی استعمال کرتی ہوں۔

عامر سلیم۔ کراچی (گلوکار)

1 ۔ مجھے دونوں عیدیں اچھی لگتی ہیں۔ کیونکہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ، دونوں ہی ہمارے مذہبی تہوار ہیں۔ عیدالفطر روزوں کے بعد انعام ہے، شکرانے کا دن ہے تو عیدالاضحیٰ ہم عظیم قربانی کی یادگار کے طور پر مناتے ہیں۔ دونوں ہی کا اپنا الگ مزا ہے اور میں دونوں ہی عیدیں بہت انجوائے کرتا ہوں۔

2 ۔ یہ چند سال پرانی بات ہے، میں عید کی نماز پڑھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھر واپس آیا۔ قصائی کے آنے میں ابھی وقت تھا تو میں نے سوچا تھوڑی دیر سو جاؤں۔ کیونکہ ہمیں اپنی مصروف زندگی میں سونے کا وقت کم ہی ملتا ہے تو ایسے موقع ہمیں بہت غنیمت لگتے ہیں جب ہمیں اپنی نیند پوری کرنے کا وقت مل جائے۔ میں نے عید کا لباس تبدیل کیا اور ہلکی پھلکی ٹی شرٹ اور پاجامہ پہن لیا۔ مجھے رف سے حلیے میں نیند ذرا پرسکون آتی ہے۔ ابھی مجھے سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ گھر میں ہونے والے شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سنا' سب شور مچا رہے تھے کہ "بکرا بھاگ گیا' بکرا بھاگ گیا۔" میں فوراً" تیزی سے اٹھا اور باہر کی طرف لپکا۔ گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ بکرا گلی کے کونے تک پہنچ چکا تھا۔ میں اس کے پیچھے بھاگا۔

اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا تو بھاگتا ہوا دوسری گلی میں مڑ گیا۔ بکرا چونکہ محلے میں نیا آیا تھا' سو راستوں سے ناواقف تھا۔ اسے اس بات کا پتا نہیں تھا کہ وہ ایک "بند گلی" تھی۔ مجھے اس بات کا علم تھا تو میں بکرے کو ادھر مڑتے دیکھ کر خوش ہوا کہ اب بکرے کو پکڑنا آسان ہوگا۔ میں تیزی سے اس گلی میں پہنچا تو اس وقت تک بکرا گلی کے بند سرے کی طرف پہنچ چکا تھا۔ آگے راستہ بند نظر آنے پر اسے غصہ آگیا۔ میں اس کے قریب پہنچا تو وہ سر جھکا کر میری طرف ایسے بڑھا' جیسے بل فائٹنگ میں بیل اپنے مخالف فائٹر کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں رک کر واپس پلٹا اور گلی سے باہر کی طرف بھاگنے لگا۔ اس دوران محلے کے کچھ لوگ بھی پہنچ چکے تھے۔ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر بکرا گھبرا گیا۔ سب سے مل کر اس پر بڑی مشکلوں سے قابو پایا اور میرے حوالے کیا۔ جب میرے حواس بحال ہوئے تو مجھے فوراً" اپنے نامناسب حلیے کا خیال آیا۔ میں شرمندہ ہو گیا اور سب کا جلدی سے شکریہ ادا کر کے گھر کے اندر چلا گیا۔ آج بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو بہت ہنسی آتی ہے۔

3 ۔ بقر عید کے موقع پر میں سب کے ساتھ مل کر باربی کیو بہت اہتمام سے تیار کرتا ہوں۔ میرے ملائے ہوئے مسالے سب کو بے حد پسند آتے ہیں۔

عظمیٰ افتخار' کراچی (مصنفہ)

1 ۔ اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ آپ کو سال کے کون سے دو دن پسند ہیں۔ تو میرا جواب ہوگا' عیدین کے دن۔ کیونکہ ہر سال جہاں عید الفطر روزداروں کے لیے' اللہ کا انعام ہوتی ہے' وہیں عید الاضحیٰ بھی ہر سال ایک ایسی عظیم قربانی کی یاد دلاتی ہے' جس کی امت مسلمہ ہر سال پیروی کرتی ہے اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک کرتی رہے گی۔

خواتین کی زندگی میں انجوائے کا لفظ تب داخل ہوتا ہے' جب انہیں فرصت کے لمحات میسر ہوں اور کام کے لحاظ سے عید الاضحیٰ زیادہ مصروف گزرتی ہے بہ نسبت عید الفطر کے' اس لیے میں عید الفطر پر زیادہ انجوائے کرتی ہوں۔ دوست احباب سے ملنا ملانا' فون پر عید وش کرنا' کوئی اچھی سی ڈش بنانا' چوڑی' مہندی اور کپڑوں کی ڈیزائننگ پر باتیں کرنا.... کیونکہ عید الاضحیٰ تو چاند سے زیادہ قصائی پر انحصار کرتی ہے۔ قصائی اگر وقت پر آجائے تو عید واقعی عید کہلاتی ہے' ورنہ ہماری حالت بھی اس مثل کے مصداق ہو جاتی ہے کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی' کبھی تو چھری تلے آئے گی۔ یوں پورا دن چھری تلے گزر جاتا ہے۔

2 ۔ 2008ء کا سال اس لحاظ سے میرے لیے ہمیشہ یادگار رہے گا کہ میں اس سال حج بیت اللہ کے لیے گئی تھی۔ حاجی کے لیے تو گویا ہر دن عید کا دن ہوتا ہے' مگر یوم الحر (دس ذی الحجہ) کا دن اس لحاظ سے میرے لیے بہت خوب صورت اور یادگار رہا کہ اس دن میں قربانی کے بعد قصر یا حلق کروا کر احرام کی پابندی سے باہر آچکی تھی۔ منیٰ سے مکہ تک کا سفر کچھ پیدل اور کچھ بس کے ذریعے کیا تھا۔ دن کے بارہ بجے اپنے ہوٹل پہنچ کر نیا لباس زیب تن کیا اور پھر خانہ خدا کی طرف گامزن ہوئے۔ بس ایک لمحے کے لیے سوچیے! عید کا دن ہو' آپ مسجد الحرام میں موجود ہوں' طواف زیارت کر رہے ہوں' خدا سے قربت کا احساس دوچند ہو تو کیا کیفیت ہوگی۔ بس! وہی میری کیفیت تھی جو لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

3 ۔ عید الاضحیٰ کا موقع ہو اور لذت کام و دہن کی بات نہ ہو' یہ تو ہو نہیں سکتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ شوہر کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے' مگر جس رفتار سے ہمارے ٹی وی پر کوکنگ شوز آرہے ہیں' مجھے لگتا ہے دل تک براہ راست آنے والی سڑک ہی جام ہو چکی ہے۔

میں "گولہ کباب ہانڈی" بہت مزے دار بناتی ہوں۔ میرے اہل خانہ اور مہمانوں نے تو اسے پسندیدگی کی سند دے دی ہے۔

زیب منہاس۔ کراچی (شاعرہ' تحقیق نگار' ماہر تعلیم)

1 ۔ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ' دونوں کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے۔ رمضان کی عبادتوں کے بعد عید کی رونق' مٹھاس بھری ہوتی ہے اور عید الاضحیٰ میں

قربانی سے قبل کی رونق' مجھے بہت پسند ہے۔ قربانی کے جانوروں سے' بچوں اور بڑوں کی دلچسپی کو میں بہت انجوائے کرتی ہوں اور عید سے پہلے کے یہ ہنگامے مجھے بہت دلفریب لگتے ہیں۔ قربانی کے بعد مختلف کھانوں کی تیاری کا خصوصی اہتمام بھی اس عید کی رونق میں اضافہ کرتے ہیں۔

2 ۔ میں اپنے بچپن سے دیکھتی آئی ہوں کہ ہماری فیملی میں قربانی کا جانور گھر کے مرد حضرات خود ہی مل کر ذبح کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے بھی عید کی رونق دوبالا ہو جاتی تھی۔ ایک عید پر میرے والد نے بیل کو ذبح کیا تو ذبح کیا ہوا بیل ایک دم ڈکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی ٹھوکر سے میرے ابو جی کا چھری والا ہاتھ ایک دم ان کے پیٹ کی طرف مڑ گیا۔ یہ دیکھ کر ہم سب کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ تاہم ابو نے اپنے حواس قابو میں رکھے۔ انہوں نے فوراً" چھری ہاتھ سے نیچے گرا دی اور خود اچھل کر تھوڑا پیچھے ہٹ گئے تاکہ چھری ان کے پیروں پر گر کر ان کے پیر نہ زخمی کر دے۔

بعد میں بیل کو کسی طرح قابو پا کر ذبح کر دیا گیا مگر وہ چند لمحوں کا خوف میرے دل پر ہمیشہ محیط رہا۔ آج بھی یہ واقعہ یاد کرتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

3 - میں ہر سال عید پر مسالے دار بریانی بڑے اہتمام سے تیار کرتی ہوں۔ کیونکہ سب لوگوں کو میرے ہاتھ کی بنی ہوئی بریانی بے حد پسند ہے۔ وہ بقر عید سے پہلے ہی مجھ سے فرمائشیں کرتے ہیں کہ بھئی! کچھ اور ہو یا نہ ہو' مسالے دار بریانی ضرور ہونی چاہیے..... تو آپ اسے میری خاص ڈش کہہ سکتے ہیں۔

منیرہ عادل۔ کراچی (مصنفہ' ماہر پکوان و آرائش خانہ)

1 - دونوں ہی عیدوں کی اپنی اہمیت اور خوشی ہوتی ہے' لیکن عیدالاضحیٰ پر گہما گہمی کچھ زیادہ ہی رہتی ہے۔ پہلے سے جانور آجاتے ہیں تو سب ان کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر جانوروں کی قربانی' گوشت کے پیکٹس بنانا' نئی نئی ریسپیز پکانا۔ باربی کیو میں بھی بڑا مزا آتا ہے۔ سارا خاندان اکٹھا ہوتا ہے۔ بہت اچھی گیدرنگ رہتی ہے۔ حالانکہ ویسے بھی ملتے رہتے ہیں' لیکن باربی کیو کا مزا ہی الگ ہے نا..... ! مطلب اس عید کی تو انجوائے منٹ ہی الگ ہے۔

2 - ہمارے محلے میں ایک فیملی اپنی گائے اپنی چھت کی بلڈنگ پر باندھا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ حسب معمول اپنی گائے کو چھت پر لے جا رہے تھے' تاہم گائے صاحبہ چھت پر جانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ سب نے زبردستی کی تو گائے رسی چھڑا کر بھاگ نکلی۔ راستے میں کچھ دکانوں کے باہر دکان داروں نے اپنا سامان سجایا ہوا تھا۔ گائے وہ سب توڑتی پھوڑتی' برباد کرتی اور اپنے سامنے آنے والے لوگوں کو زخمی کرتی بہت دور تک بھاگتی رہی۔ سب اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ خیر! بڑی مشکلوں سے گائے پر قابو پالیا گیا۔ کئی سال گزر گئے' مگر یہ واقعہ مجھے آج بھی یاد ہے۔

3 - ویسے! اس سوال کا جواب تو فیملی یا مہمانوں سے پوچھنا چاہیے۔ بلکہ آپ کو خود آکر' کھا کر پھر خود اس سوال کا جواب لکھنا چاہیے۔

خدا کے فضل و کرم سے میرے کھانے سب کو پسند آتے ہیں' تاہم خاص طور پر بات کی جائے تو مسلم ران اور پائے بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔

ران کو دہی اور مسالا لگا کر میرینیٹ کرنے رکھ دیتی ہوں۔ پھر اسے پکا کر کبھی مسالا بھون لیتی ہوں۔ کبھی فرائی کر لیتی ہوں تو کبھی بیک بھی کر لیتی ہوں۔ اس کے ساتھ سلاد' فرنچ فرائز' ابلے ہوئے انڈوں کے قتلے سجا کر پیش کرتی ہوں۔ مسلم ران کے ساتھ رائتہ' بھنا ہوا مسالا' نان' کلیجے اور کولڈ ڈرنک بھی ہوتی ہے۔ یقین مانیے! مزا آجاتا ہے۔

مسلم ران اور پائے کے ساتھ اور ڈشز بھی بناتی ہوں' مگر تعریفوں کا زیادہ حصہ یہ دونوں ڈشز سمیٹ لیتی ہیں اور یہی سب کی اولین پسند ہوتی ہیں۔

نسیم سحر کراچی۔ (مصنفہ)

1 - مجھے تو عید پسند ہے چاہے کوئی سی بھی ہو۔ بقول شاعر ہر دن عید' ہر شب شب برات ہو..... ہر چند کہ شاعر کی یہ دعا مجھے لگی تو نہیں تاہم کوشش یہی ہوتی ہے کہ میرا ہر دن عید کی طرح خوشگوار گزرے۔ میٹھی عید چونکہ رمضان کے بعد آتی ہے اور رمضان بے شک بابرکت مہینہ سہی مگر خاتون خانہ کے لیے ڈبل مشقت لے کر آتا ہے۔ اس لیے مزا تو بہرحال عیدالفطر کا ہی ہے۔

2 - بقرعید کے حوالے سے یادگار واقعہ..... اگرچہ میں خود بھی قربانی کے حوالے سے باسعادت ہوں مگر عزیزوں کے گھر سے گوشت آنے کا بھی الگ مزا ہے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں۔ ان کے گھر سے بہت سارا گوشت آتا ہے۔ ایک دفعہ میں ان کے گوشت کا انتظار کر رہی تھی مگر شام ڈھلنے لگی اور ان کے گھر سے کوئی نہ آیا تو میں نے امی کے گھر جانے کا رخت سفر باندھا۔ میں پہلے دن قربانی کرتی ہوں۔ عزیز کے گھر سے دوسرے دن گوشت آتا ہے اور تیسرے دن میں امی کے گھر جاتی ہوں مگر ان عزیز کے گھر سے گوشت نہ آنے کا اتنا قلق ہوا کہ ساری پلاننگ پر خود ہی پانی پھیرا

اور مختصر سی تیاری کر کے آف موڈ کے ساتھ گھر سے نکل پڑے مگر..... سیڑھیاں اترے ہی تھے کہ سامنے سے وہی رشتے دار آرہے تھے۔ خوشی بھی ہوئی اور شرمندگی بھی۔ دوبارہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے۔ لاک کھولنے کے لیے پرس میں ہاتھ ڈالا' پھر سارا پرس کھنگال لیا۔ چابی نہیں ملی۔ جھکے سر کے ساتھ یاد آیا کہ چابی ڈائننگ ٹیبل پر رہ گئی۔ میاں صاحب کی خشمگیں نگاہوں کے خوف سے چابی ڈھونڈنے کا عمل جاری رکھا۔ میاں صاحب نے مایوس کر سامنے والوں کی بیل بجا کر کہا۔ ہمارا گوشت رکھ لیں۔ انہوں نے ڈیپ فریزر بھرے ہونے کا عذر پیش کر کے معذرت کرلی۔ ہمارے عزیز گوشت لیے کھڑے ہیں' ہم چابی ڈھونڈ رہے ہیں..... عجیب صورت حال تھی۔ مہمان کو دروازے پہ کھڑے رکھنے کی شرمندگی' گوشت آجانے کی خوشی' میاں صاحب کی گھورتی نظریں..... آپ سوچ بھی نہیں سکتے' میں نے اس وقت کیا کیا برداشت کیا۔ ہمارے عزیز نے جب اپنی ایسی ناقدری دیکھی تو انہوں نے ایسا شرمندہ کیا کہ ہم آج تک نہیں بھول سکے۔ انہوں نے کہا کچھ نہیں بس..... اپنا گوشت واپس لے گئے۔

3 - میری چھوٹی بہن کو میرے ہاتھ کے شامی کباب بہت پسند ہیں۔ میری بیٹی کو تقریباً" ہر کھانا اور میاں صاحب کو ہمارے سب ہی کھانے ناپسند ہیں مگر میرا ذاتی خیال ہے کہ میں قورمہ بہت اچھا بناتی ہوں۔ میرے اس خیال کو تقویت یوں ملتی ہے کہ جب بھی میں قورمہ بناتی ہوں۔ بے شک میرے میاں تعریف نہیں کرتے مگر اس دن دو روٹی زیادہ کھاتے ہیں۔

صدف آصف کراچی (مصنفہ)

1 - عام طور پر خواتین عیدالفطر کو زیادہ انجوائے کرتی ہیں' کیوں کہ اس میں کام کا بکھیڑا عید قرباں کے مقابلے میں کم ہوتا ہے' تاہم مجھے شروع ہی سے عیدالاضحیٰ پسند ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں سب سے پہلی اور بڑی وجہ سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اللہ کی راہ میں دی جانے والی قربانی ہے۔ قربانی کا فریضہ ادا کرنے کے بعد دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ اس سال بھی اللہ نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اس کی راہ میں قربانی کر سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے اس دن جب گوشت کی وافر مقدار غریبوں میں تقسیم ہو رہی ہوتی ہے، تو میں رات کو یہ بات سوچتی ہوں کہ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس مہنگائی کے دور میں، جبکہ گوشت خریدنا ایک عام آدمی کے لیے ضرورت کی جگہ عیاشی بن گیا ہے تو اس دن کی برکت سے ہر غریب گھر میں گوشت کی رسائی آسان ہو گئی ہو گی۔

میں بچپن سے ہی عید قرباں کو بہت انجوائے کرتی ہوں۔ اب میری بیٹی ثانیہ آصف اس چیز سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ عید سے قبل ہی گائے بکریوں کا شور شروع ہو جاتا ہے۔ گلیوں میں رونق لگ جاتی ہے۔ بچے اپنے جانوروں کی رسیاں تھامے سڑکوں پر چہل قدمی کر رہے ہوتے ہیں۔ جانوروں کی باں باں، میں میں، گھنگھروؤں کی چھن چھن، گلے میں پڑی گھنٹیوں کا شور۔ مجھے یہ سب آوازیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ آخر! یہ ہم مسلمانوں کا تہوار ہے۔ ہمیں اس سے مکمل طور پر لطف اندوز ہونا چاہیے۔

2 - عید قرباں کے حوالے سے میرے بچپن کا ایک واقعہ ہے۔ میں شروع سے ہی بہت ڈرپوک واقع ہوئی ہوں۔ جب عید سے قبل پورے محلے میں قربانی کے جانور آجاتے تو ان کو دیکھنے جاتی تھی، مگر ان کا دیدار دور دور سے ہی کرتی تھی۔ قریب جانے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ ایک دفعہ ہمارے محلے میں بڑا مرکھنا بیل آیا۔ سارے بچوں میں بڑا شور مچ گیا کہ ارشاد بھائی کا بیل بڑا زوردار ہے۔ سوزوکی سے نیچے نہیں اتر رہا ہے، جو بھی اس کے قریب جاتا ہے، وہ سینگیں مارنے لگتا ہے۔ میں بھی اپنی دوستوں کے ساتھ ڈرتے ڈرتے اس کو دیکھنے پہنچی۔ ہم سوزوکی سے تھوڑی دور سامنے سے کھڑے ہو کر اس کے اترنے کا نظارہ کر رہے تھے۔ بیل بہت خرانٹ لگ رہا تھا کافی فوں فاں کر رہا تھا۔ مجھے تو اس کے بڑے بڑے سینگوں سے خوف آ رہا تھا۔ سوزوکی والے اسے چمکار کر اتارنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنے میں بیل تیزی سے اپنی رسی تڑا کر سوزوکی سے اترا اور سیدھ میں بھاگنے لگا، جہاں میں کھڑی تھی۔ بس پھر کیا تھا میں اتنا ڈر گئی کہ مت پوچھیں۔ اپنی ہم جولیوں کا ہاتھ چھڑا کر پلٹ کر جو سرپٹ دوڑی تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ زندگی میں کبھی اتنا تیز نہیں بھاگی ہوں گی۔ پورے راستے مجھے لگتا رہا کہ بیل اب مجھے مارے کہ تب مارے، مگر کچھ نہ ہوا تو کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رک کر دیکھا، میری ساری سہیلیاں دور کھڑی خوب قہقہہ مار کر ہنس رہی تھیں اور بیل تو ارشاد بھائی کے گھر کے اندر جا چکا تھا۔ پتا چلا کہ اس نے ایک رسی تڑائی تھی مگر دوسری ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی، اس لیے دور نہیں جا سکا اور ان لوگوں نے اس پر قابو پالیا۔ بچپن بھی کتنا معصوم ہوتا ہے۔ مجھے یہ واقعہ آج بھی یاد آتا ہے تو ہنس پڑتی ہوں۔

3 - ویسے تو یہ "اپنے منہ میاں مٹھو" والی بات ہو جائے گی مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ میرے پکائے ہوئے کھانوں کو لوگ عموماً پسند کرتے ہیں۔

بقر عید پر میری کوشش ہوتی ہے، جھٹ پٹ کھانے پکا لوں تاکہ عید کے خوشگوار لمحات کم سے کم باورچی خانے کی نذر ہوں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/250 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آمنہ ریاض

ستارہ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کا دن رات نوکری کی چکی میں تپے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت شیزوفرینہ کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبی خاتون ہیں۔ ولی' چولید اور اینیا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں اینیا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبعتا "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ 'تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمرہ تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ 'تنوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے ہتک آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد 'جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی۔

ثروت' دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آکر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن 'ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس 'ماوی کے رشتے دار ہیں اور یہ کہ ماوی کے باپ' رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں' لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً" ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ 'ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں' بس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے.... ماوی' ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان' ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ 'ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر' نمرہ اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے' وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد' بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو' رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوپاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے ہتک آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد 'جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت' دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آکر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن 'ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس 'ماوی کے رشتے دار ہیں اور یہ کہ ماوی کے باپ' رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس 'ماوی کے رشتے دار ہیں اور یہ کہ ماوی کے باپ' رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سرپرستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اٹھارہ برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ماوی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی معذور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی آئرش نیشنل ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایمبیسی حرکت میں آجائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا' وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہو گا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہروز سے شادی کر سکے۔ شہروز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماوی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

ماوی بالآخر ثمینہ کی بات مان کر حویلی چلی گئی۔ جنت بیگم گاؤں سے باہر گئی ہوئی تھی۔ مستقیم بھٹی اور دیگر لوگوں نے ماوی کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ وہ سب رجب اور ثمینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رجب کی جائیداد ماوی کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم شبیہہ العباس کو یہ منظور نہیں۔ وہ جنت بیگم کے آنے تک کوئی فیصلہ کرنے کے خلاف ہے۔ وہ ماوی کا دشمن ہو گیا اور اس نے اپنی تمام کزنز کو ماوی سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ ماوی کو یہ پتا چلا تو اس نے مستقیم بھٹی سے اس کی شکایت کر دی۔ انہوں نے ماوی کے سامنے شبیہہ العباس کو ڈانٹا۔

فیضان ملک میں واپس آگئے۔ وہ سیدھے ثمینہ کی انیکسی پہنچے۔ انیبا نے انیکسی کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ مگر ثمینہ کے انیکسی چھوڑ کر چلے جانے کا نہیں بتایا۔

ماوی کو حویلی کے ایک حصے اور ملازمین کے رویے میں عجیب پر سراریت کا احساس ہوا تو اس نے تمام حالات جاننے کے لیے ایک خاص ملازمہ تسنیم سے دوستی کر لی۔

وہ جنت بیگم کی حویلی میں واپسی کی شدت سے منتظر تھی' جب ہی ایک صبح اسے شبیہہ کے ساتھ جنت بیگم نظر آئی۔

جنت بیگم کے ساتھ جلال بھی تھا۔ وہ ماوی کو حویلی میں دیکھ کر حیران رہ گیا تاہم اس نے اپنے تاثرات ظاہر نہ ہونے دیے۔ جنت بیگم نے ماوی کو یہاں دیکھ کر مستقیم بھٹی پر بے حد غصہ کیا۔ جنت بیگم نے تنہائی میں ماوی سے حویلی آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگانے اور جائیداد میں سے اپنا حصہ لینے آئی ہے۔ جنت بیگم نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے حریم کی شادی کے بعد حویلی سے باہر نکال دے گی۔

فیضان 'ماوی کی پراسرار گمشدگی سے پریشان ہیں۔ ثمینہ ان سے کہتی ہیں کہ ماوی پاکستان میں ہی ہے لیکن انیبا انہیں بتاتی ہے کہ ثمینہ نے اسے بتایا ہے وہ آئرلینڈ واپس چلی گئی۔

رات کے وقت جلال 'ماوی سے ملنے اس کے کمرے میں گیا تو شبیہہ نے اسے وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔

شبیہہ نے جلال سے باز پرس کی تو جلال نے اسے بتا دیا کہ وہ ماوی سے نکاح کر چکا ہے۔ جب وہ شبیہہ کو یہ بات بتا رہا تھا تو تنوی نے سب کچھ سن لیا۔ اس نے حرم اور نمل کو بھی بتایا مگر انہیں یقین نہیں آیا۔ فیضان کو پتا چل گیا کہ ماوی حویلی میں ہے۔ فیضان 'ثمینہ پر بے حد ناراض ہوئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماوی نے حویلی کی خاص ملازمہ تسنیم کو آمادہ کرلیا کہ وہ اسے حویلی کے تمام رازوں سے آگاہ کرے گی۔ حرم کی مہندی کی تقریب ہورہی تھی۔ سب لوگ اس میں مصروف تھے جب تسنیم نے ماوی کو ملنے کا اشارہ کیا۔ ماوی حویلی کے عقبی حصے میں گئی تو وہاں اسے تسنیم کے بجائے ایک لاغر سا دھانچہ نما شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ خوف زدہ ہوگئی۔

وہ تسنیم کا باپ ہوتا ہے۔ تسنیم بتاتی ہے کہ جنت بی بی نے کئی سالوں سے اسے اس کال کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے برابر والے گاؤں کے چوہدری فیاض نے جنت بی بی کی زمینوں کا پانی بند کردیا۔ یہ قضیہ نمٹانے کے لیے جنت بی بی رجب علی اور رب نواز کو بھیجتی ہے۔ وہاں طیش میں آکر رب نواز پستول نکال لیتا ہے۔ رجب علی منع کرتا ہے اور اس سے پستول چھینتا ہے۔ اس چھینا جھپٹی میں گولی چل جاتی ہے اور چوہدری فیاض کا آدمی ہلاک ہوجاتا ہے۔ رب نواز یہ الزام رجب علی پر لگاتا ہے مگر ثمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر جنت بی بی کے سامنے اقرار جرم کرلیتا ہے۔ جنت بی بی اسے زبان بند رکھنے کا حکم دیتی ہے اور دونوں کو بچالیتی ہے' تاہم رجب کے سر پر احسان ڈال دیتی ہے۔

انیبا دانیال حسن سے ماں کو واپس لانے کو کہتی ہے۔ وہ سختی سے منع کردیتے ہیں۔ دوسری طرف ثروت بھی مصالحت

قسط نمبر 27

ماوی کو اپنے پیروں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ ثبوت تک پہنچنے کا یہ موقع بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ یہ بے کار چیز تم پھر کسی وقت پڑھ سکتی ہو۔" جنت بیگم نے نخوت سے کہا۔

"آپ کسی اور وقت بھی بات کرسکتی ہیں۔" ماوی نے سرعت سے خط ان کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے کہا۔ "اور یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کسی کے کمرے میں آنے کا۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا' مجھے طور طریقے سکھانے کی کوشش نہ کرو۔ ایسی باتیں انہیں زیب دیتی ہیں جنہوں نے خود کسی اصول کی پاس داری کی ہو۔" جنت بیگم کا انداز ابھی بھی سابقہ تھا۔

"میں تم سے صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ مجھے انجان نہ سمجھو۔ بے شک میں حرم کی شادی کے سلسلے میں مصروف ہوں لیکن آنکھ اور کان کھلے ہیں میرے اور تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میری حویلی میں تم اپنی من مانیاں کرتی پھروگی اور مجھے کان و کان خبر نہ ہوگی۔"

"اچھا ہوگا جو آپ کہنا چاہتی ہیں ذرا واضح الفاظ میں کہیں۔"

"اگلی بار تم مجھے تسنیم کے آس پاس بھی نظر آئیں تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" جنت بیگم نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ....." ماوی استہزائیہ ہنسی۔ ثبوت اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب بھلا مصلحت اختیار کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ "تو آپ تک خبر پہنچ ہی گئی۔ چلیں! اچھی بات ہے۔ اب آپ ذرا تیاری کرلیں کیونکہ آپ کے خلاف ثبوت مجھے مل ہی چکا ہے۔ حرم کی شادی ختم ہوتے ہی میں پولیس سے رابطہ کرنے والی ہوں۔"

جنت بیگم بری طرح چونکی۔

"اچھا ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ ایسا کون سا ثبوت فراہم کردیا تسنیم نے کہ تم مجھے دھمکا رہی ہو۔"

اس سے قبل کہ ماوی کوئی جواب دیتی۔ دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ ان دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"اماں! آپ یہاں ہیں؟" مستقیم نے اندر جھانکا۔ ان کے پیچھے منصور' شبیہہ اور جلال بھی تھے۔

"ہم نے آپ کو ساری حویلی میں ڈھونڈ لیا اور آپ یہاں بیٹھی ہیں۔ بارات آنے والی ہے اماں۔۔۔!"

جنت بیگم نے ہاتھ اٹھا کر بیٹے کو بولنے سے روک دیا۔

"مجھے ذرا اس لڑکی کی بکواس سن لینے دو' جو مستقل مجھ پر انگلی اٹھا رہی ہے اور میری اولاد میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس کی زبان روک سکے۔"

جنت بیگم بری طرح تلملائی ہوئی تھی۔ جملہ افراد اپنی اپنی جگہ چونکے تھے۔

"آخر بات کیا ہے اماں!"

"اسی سے پوچھو۔"

"ٹھیک ہے' میں ہی ان لوگوں کو حقیقت بتادیتی ہوں۔" ماوی نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ میرے بابا کا قتل ہوا تھا۔ مستقیم چچا! میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ میں یہاں محض آپ لوگوں سے ملنے آئی ہوں۔ میں دراصل یہاں اپنے بابا کے قاتل کی تلاش میں آئی تھی۔ بلکہ قاتل کی تلاش کہنا غلط ہوگا۔ قاتل کا نام تو میں پہلے سے جانتی تھی' میں تو یہاں ثبوت لینے آئی تھی اور وہ مجھے مل چکا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ میرا شک درست تھا۔ جنت بیگم ہی میرے بابا کی قاتل ہیں۔"

ان سب کے دماغ گویا بھک سے اڑ گئے تھے۔

"کیا بکواس کررہی ہو تم۔" شبیہہ بری طرح غرایا۔

"میں بکواس نہیں کررہی' یہ ہی حقیقت ہے۔"

ماوی نے اطمینان سے کہا۔ اس دوران وہ حی المقدور جلال کی طرف دیکھنے سے گریز کررہی تھی۔

"اب اگر تم نے ایک بھی لفظ اور کہا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" وہ غراتا ہوا اس کی طرف لپکا تھا۔ اگر مستقیم اور منصور بھٹی نے اسے روک نہ رکھا ہوتا تو اب تک یقیناً" وہ دو تین تھپڑ تو ماوی کو جڑ ہی چکا ہوتا۔

"میری باتوں پر اس طرح سے ری ایکٹ کرکے تم لوگ خود کو سچا اور مجھے جھوٹا ثابت نہیں کرسکتے۔ میں نے کہا نا! میرے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"اچھا..... ذرا ہم بھی تو دیکھیں وہ ثبوت۔"

مستقیم بھٹی نے جیسے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ انہیں اس وقت ماوی کو حویلی میں ٹھہرانے پر ازحد افسوس ہورہا تھا۔

"ضرور! کیوں نہیں....." ماوی نے بغیر کسی تامل کے وہ خط ان کی طرف بڑھا دیا تھا۔ "لیکن یاد رہے! اس کی ایک کاپی میں آل ریڈی آئی جی پولیس کو بھجوا چکی ہوں....."

اس نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔ وہ بھی محض اس لیے تاکہ اس خط کو ان لوگوں کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچا سکے۔

مستقیم بھٹی نے اس کے ہاتھ سے خط لیا اور ماتھے پر تیوریاں ڈالے اسے پڑھنا شروع کیا۔ سب ازحد تجسس بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ سوائے ماوی کے سب کے چہروں پر پریشانی تھی۔ وہ تو کمال خوبی سے اپنے تاثرات چھپائے ہوئے تھی۔

"کیا لکھا ہے مستقیم!" جوں ہی مستقیم بھٹی نے نظریں اٹھائیں۔ جنت بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔

وہ خشمگیں نگاہوں سے ماوی کو گھورتے رہے۔ خط تیزی سے ان کے ہاتھ سے شبیہہ پھر جلال اور آخر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منصور بھٹی کے ہاتھ میں منتقل ہوا تھا۔

شبیہہ کا تو بس نہ چلتا تھا' ماوی کی گردن ہی توڑ ڈالے۔

"یہ لڑکی مجھ پر بے بنیاد الزام لگا رہی ہے..... اگر اس کے پاس کوئی ثبوت ہے بھی تو اس کا خود کا تیار کیا ہوا ہے..... میں سچ کہہ رہی ہوں یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" جنت بیگم نے تقریباً" گھگھیاتے ہوئے اپنی صفائی دینا چاہی۔

"آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے اماں!" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"بالکل بی جان! آپ باہر چلیں۔ اس لڑکی سے ہم خود نمٹ لیں گے۔" شبیہہ نے خوں خوار لہجے میں کہا۔

"یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ حرم کی رخصتی کا انتظار کرنا چاہیے ہمیں۔" جلال نے آہستگی سے کہا۔

"جلال بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"چلیے اماں! بارات پہنچ گئی ہوگی۔"

ماوی حیران تھی۔ ان سب کا ردعمل ماوی کی توقعات کے برعکس تھا۔

"تم سے تو بعد میں نمٹتے ہیں۔ کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے کم سے کم ہوم ورک ضرور مکمل کر لینا چاہیے۔" شبیہہ نے خط ماوی کے چہرے کی طرف اچھالتے ہوئے نفرت سے کہا۔ پھر وہ سب جنت بیگم کو لیے باہر نکل گئے۔

ماوی ایک بھی پل ضائع کیے بغیر خط کی طرف لپکی تھی۔

"ثمینہ!

جب تک تمہیں یہ خط ملے گا' میں بہت دور جا چکا ہوں گا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے' مجھے اب اس زندگی سے رابطہ ختم کر لینا چاہیے گو کہ میں مانتا ہوں کہ میں بہت بڑی خود غرضی کا مرتکب ہو رہا ہوں' لیکن یہ میری مجبوری ہے اور تم میری اس مجبوری سے واقف ہو۔ مجھ سے اب یہ الزامات اور طعنوں سے بھری زندگی نہیں گزاری جاتی اس لیے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر رہا ہوں۔ میں حرام موت کو گلے لگا رہا ہوں۔ وہ بھی صرف اس امید پر کہ اللہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو معاف کر سکتا ہے' انسان نہیں۔ مجھے اس گناہ کی سزا دی جا رہی تھی جو میں نے کیا ہی نہیں ہے اور بغیر غلطی کے سزا بھگتنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ جنت بی بی کے طعنے اب میری برداشت سے باہر ہو چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ عورت مجھے زہر دے دیتی' نہ کہ اپنے طعنوں سے میری زندگی عذاب بناتی۔ اپنا اور ماوی کا خیال رکھنا اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ تمہیں اس مصائب بھری زندگی کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ کر جانے کا بوجھ ہمیشہ میرے روح پر رہے گا.....

فقط..... رجب"

ماوی کے ہاتھ میں وہ کاغذ کا ٹکڑا پھڑپھڑا رہا تھا اور وہ گم صم تھی' جیسے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ سہنے کے بعد کوئی بھی انسان ہو سکتا ہے۔ بے یقین' دم بخود اور مایوس.....

☆ ☆ ☆

انیہا ہکا بکا فیضان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"آ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

اس نے حیرانی سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ بے چاری تو کسی کام سے باہر نکلی تھی' گیٹ پر فیضان سے مڈبھیڑ ہو گئی اور فیضان اتنے غصے میں تھے کہ ولید کا کارنامہ اس تک پہنچانے میں ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔

"یہ تم مجھ سے نہ پوچھو۔ جا کر اپنے بھائی سے پوچھو کہ اس نے یہ گھٹیا بکواس کس بنیاد پر کی ہے؟" فیضان بری

طرح خار کھائے ہوئے تھے۔

"میں تو اسے سینس ایبل سمجھتا تھا لیکن وہ..... اور تمہیں کتنی بار منع کیا میں نے کہ اپنی فضول حرکتوں سے باز آجاؤ لیکن تم....."

"فضول حرکتیں..... کون سی فضول حرکتیں؟" انیہا کی رگوں میں جیسے شرارے سے دوڑنے لگے تھے۔

"آپ سے پسندیدگی کا اظہار کر دینے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آپ میری فیلنگز کو اس طرح کے الفاظ دیں۔ میں مانتی ہوں کہ ولید نے غلط کیا ہے' لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"سارا قصور تمہارا ہی ہے۔" فیضان کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ "نہ تم بھاگ بھاگ کر انیکسی کی طرف آتیں' نہ ولید کو بات بنانے کا موقع ملتا۔"

"میں بھاگ بھاگ کر صرف اس لیے آتی تھی' کیونکہ مجھے آپ کی پروا تھی۔ آپ کو میرا آنا اتنا برا لگتا تھا تو منع کر دیا ہوتا۔" اس نے بھی دوبدو کہا۔

"تم اور تمہارا بھائی دونوں پاگل ہو۔ پتا نہیں میں تم لوگوں کے درمیان کس طرح پھنس گیا۔" فیضان جیسے غصے سے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

"ہاں! ہیں ہم پاگل۔ لیکن شکر ہے' آپ کی طرح خود غرض نہیں ہیں۔ جنہیں صرف اپنی نیک نامی اور کاروبار کی فکر ہے۔" انیہا نے توہین سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ کہا۔

"آپ اپنے کاروبار کی فکر میں ہلکان نہ ہوں۔ ڈیڈی کی غلط فہمی میں دور کر دوں گی۔ آپ کو کسی قسم کا نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا..... اور ولید اور میری وجہ سے آپ کو جو پریشانی برداشت کرنا پڑی میں اس کے لیے معذرت چاہتی ہوں اور....."

اس نے لحظہ بھر کو توقف کیا۔

"اور ماوی ٹھیک کہتی تھی' آپ سے محبت کرنے سے بہتر تھا' میں کسی پتھر سے سر پھوڑ لیتی۔ مجھے افسوس ہے میں نے ایک پتھر کو چنا اور یہ افسوس مجھے ساری زندگی رہے گا..... اب تو مجھے اس بات پر بھی حیرانی نہیں ہے کہ آپ اب تک تنہا کیوں ہیں۔ جنہیں دوسروں کی فیلنگز کی قدر کرنے کی عادت نہ ہو' وہ ساری زندگی تنہا ہی رہتے ہیں۔ آپ اس قابل ہی نہیں تھے کہ کوئی آپ کی زندگی کا ساتھی بنتا۔"

انیہا نے غم و غصے کے ساتھ کہا اور واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر فیضان کے تاثرات دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ہاں! یہ الگ بات تھی کہ مرکزی دروازے تک پہنچنے تک اس کی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے لبالب بھر چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس رات دانیال حسن کی واپسی رات گئے ہوئی تھی۔ انیہا ان کے انتظار میں جانے کب سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"ڈیڈی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ فوراً" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

دانیال حسن جلدی میں تھے اور سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔ انیہا کی بات سن کر انہوں نے پل بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ابھی کوئی بات نہیں ہو سکتی..... جو بات کرنی ہے' صبح کرنا۔"

"ڈیڈی.....!" انیہا نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ اسے یہ سمجھنے میں ذرا بھی وقت نہیں لگا تھا کہ فیضان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتیں درست ہیں۔ولید نے ضرور ان کے کان بھرے تھے۔

"ڈیڈی! میں ابھی بات کرنا چاہتی ہوں پلیز۔"

"میں تھکا ہوا ہوں انیبا! ابھی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔" دانیال حسن نے سخت لہجے میں کہا۔

"آپ کے پاس ولید کی باتیں سننے اور ان پر یقین کرنے کے لیے وقت ہے' صرف میرے لیے وقت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ دانیال حسن ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"کہو! کیا کہنا چاہتی ہو؟" انہوں نے سرد مہری سے کہا۔

"ڈیڈی! یوں کھڑے ہو کر بات کرنا ضروری ہے' کیا ہم بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے؟"

"تمہیں جو کہنا ہے' یہیں کہو۔ میں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔"

"ولید نے آپ سے کیا کہا ہے..... میں یہی جاننا چاہتی ہوں۔" انیبا نے کسی قدر بددل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"اور یہ بھی کہ آپ کو اس کی بات پر کتنا بھروسا ہے؟"

"تمہیں کس نے بتایا کہ ولید نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟"

"ڈیڈی! ولید جھوٹ بول رہا ہے۔" انیبا نے ان کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

دانیال حسن کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔ ان کی ساری سخت مزاجی ایک طرف' لیکن بیٹی کی آنکھوں میں آنسو برداشت کرنا مشکل تھا۔

"آپ کو اس کی باتوں پر یقین کرنے سے پہلے کم سے کم ایک بار مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔ کیا میں اتنی ناقابل بھروسا ہوں ڈیڈی؟" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے تھے۔

"زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے انیبا!" ان کا لہجہ ابھی بھی سخت تھا۔ "ولید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے' کتنی نہیں' اس بات کا اندازہ لگانا تو یوں بھی مشکل نہیں ہے کہ تم تک خبر پہنچ چکی ہے۔"

"ڈیڈی.....!" انیبا نے روہانسی ہوتے ہوئے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا' لیکن دانیال حسن نے ہاتھ اٹھا کر فوراً اسے ٹوک دیا۔

"مجھے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنی۔ بہتر ہو گا تم اب اس بارے میں کوئی بات نہ کرو۔ ولید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے' کتنی نہیں' میں اس کا خود پتا لگا لوں گا۔"

دانیال حسن نے سرد مہری سے کہا اور تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ انیبا جو یہ سمجھ رہی تھی کہ باپ کو قائل کر لے گی۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"دانیال! بہتر ہو گا' تم ایک بار فیضان کی بات سن لو۔ وہ اس وجہ سے بہت پریشان ہے۔" توقیر صاحب نے فون پر کہا تھا۔

"میں خود کو اس کی بات سننے پر آمادہ نہیں کر پا رہا توقیر! میرے اعتماد کو بہت ٹھیس پہنچائی ہے اس نے۔ دل چاہتا ہے اب تو اس کی شکل بھی نہ دیکھوں۔" دانیال حسن نے ناراضی سے کہا۔

"یار! فیضان ایسا لڑکا نہیں ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے' ولید نے جھوٹ بولا ہے؟ وہ اپنی بہن کے بارے میں ایسی گھٹیا بات کیوں کرے گا؟"

"تم ایک بار انیبا کو اعتماد میں لے کر بات کرو۔ ممکن ہے وہ واقعی فیضان کے لیے کوئی فیلنگز رکھتی ہو اور اگر

ایسی بات ہوئی تو فیضان سے اس کی شادی میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ فیضان اچھا لڑکا ہے۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئے؟ میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کیوں' اس میں آخر برائی کیا ہے؟ میں نے کہا ناں! فیضان اچھا لڑکا ہے انیبا کو خوش رکھے گا۔ جہاں تک ولید کی باتوں کی سچائی کا تعلق ہے' تم اسے اعتماد میں لے کر بات کرو۔ مجھے یقین ہے اسے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے..... لیکن اس سے بھی پہلے تم انیبا سے پوچھو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو توقیر! بھلا میں بیٹی سے ایسی باتیں کیسے کر سکتا ہوں۔ فرینک نیس اپنی جگہ' لیکن باپ بیٹی میں کوئی لحاظ بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے' تم اتفاق نہ کرو' لیکن میرا ماننا ہے' اس لحاظ کو ختم نہیں ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے! پھر تم ثروت..... بھابھی سے کہو کہ انیبا سے پوچھیں۔"

توقیر صاحب نے ایک اور راہ دکھائی۔ دانیال حسن چپ سے رہ گئے۔ اس سارے سلسلے میں ثروت کا خیال انہیں ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

"توقیر! وہ میں....." اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کر پاتے' باہر سے کسی غیر معمولی کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی۔ دانیال حسن چونک کر متوجہ ہوئے۔

"توقیر! میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" انہوں نے فون بند کیا اور باہر کی جانب لپکے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو.....!" ولید نے انیبا کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تو وہیں چلا آیا۔ انیبا نے اس کی آمد کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ ولید پر ایک خاموش نظر ڈالنے کے بعد وہ دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ولید اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر وہ انیبا کے ہاتھ میں پکڑے اخبار پر نظریں دوڑاتا رہا' پھر اس نے اخبار چھین لیا۔

"اخبار واپس کرو ولید!" اس کا انداز بے حد سرد مہر تھا۔

"کیوں؟" ولید نے اس کے موڈ پر دھیان دیے بنا کہا۔

"کیونکہ مجھے ایسی بدتمیزیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔" انیبا نے یکدم اس کے ہاتھ سے اخبار جھپٹتے ہوئے غرا کر کہا۔

"ارے! اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟" ولید نے حیرانی سے پوچھا۔

"جیسے تم تو نہیں جانتے۔"

ولید نے کندھے اچکا دیے۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے ڈیڈی سے؟"

"بھئی! کس بارے میں بات کر رہی ہو؟"

"اتنے انجان مت بنو ولید! جیسے تمہیں تو کچھ پتا ہی نہیں۔" انیبا کا غصے سے برا حال تھا۔ "میرے اور فیضان کے بارے میں تم نے ڈیڈی سے کیا کہا ہے؟"

"تم یہ بتاؤ! کیا میں نے کچھ غلط کہا؟" ولید نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے مزے سے پوچھا۔

"تم کس قدر گھٹیا انسان ہو ولید! اپنی سگی بہن کے بارے میں اتنی فضول باتیں کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لو اور سنو۔ ایک تو میں نے تمہاری مدد کی۔ اوپر سے تم مجھے ہی باتیں سنا رہی ہو۔" ولید نے ناراضی سے کہا۔

"ایسا گھٹیا الزام لگا کر تم نے کیا مدد کی ہے میری؟" انیہا نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا اور فیضان بھائی کا معاملہ ڈیڈی تک پہنچا دیا' کیا یہ کم ہے؟" اس نے اطمینان سے کہا۔ "ورنہ تم تو کبھی یہ نہ کر سکتیں۔ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔"

"ہاں! مجھے تمہارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تم نے ایک ذرا سی بات کو انتہائی فضول انداز اور الفاظ میں ڈیڈی تک پہنچا کر مجھے ان کی نظروں سے گرا دیا۔"

"اپنے امپریشن کی بڑی فکر ہے تمہیں۔ یہ بات میرے معاملے میں سوچی ہوتی تو ایسی نوبت ہی نہ آتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ہے' میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ میرے معاملات سے دور رہو' ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی' لیکن تم نے میری بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور ممی کو میری ایکٹویٹیز کے بارے میں بتا دیا۔ اب جب تم نے اچھی بہن ہونے کا ثبوت دیا تو مجھے بھی تو خود کو اچھا بھائی ثابت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا' اسی لیے میں نے تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں ڈیڈی کو بتا دیا۔"

"میں نے ممی کو تمہارے بارے میں اس لیے بتایا تھا' کیونکہ مجھے تمہاری فکر ہے۔" انیہا نے صدمے کی کیفیت میں کہا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے' مجھے تمہاری فکر نہیں ہے؟" ولید نے کمینگی کی حد کر دی تھی۔

"لیکن تم نے جھوٹ بولا ہے۔" انیہا تڑخی۔

"ہاں! اس میں تو کوئی شک نہیں۔" وہ مکاری سے ہنسا۔ "جھوٹ بولنا میری مجبوری تھی۔ اسی لیے میں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے ایڈ کر کے ڈیڈی کو بتا دیں..... تمہارے اور فیضان بھائی کے قصے میں خوب مرچ مسالا لگانا پڑا مجھے..... یار! دراصل مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں تو ممی کو اتنی مشکلوں سے مطمئن کروں اور تم اتنی آسانی سے چھوٹ جاؤ۔"

"تو تم نے یہ سب مجھ سے بدلہ لینے کے لیے کیا؟"

"بالکل....." ولید نے ایک لفظ میں بات ختم کی تھی' لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑے دانیال حسن ان دونوں کی باتیں سن رہے ہوں گے۔

"تم نے جھوٹ بولا تھا؟" دانیال حسن کی غصے اور صدمے سے چور آواز نے جہاں ان دونوں کو چونکایا تھا' وہیں ولید کو بوکھلاہٹ میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر پلٹا تھا۔

"ڈ..... ڈیڈی! وہ..... میں۔" اس نے کہنا چاہا' لیکن اس کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اس کے جھوٹ کا پردہ فاش کرنے کے لیے کافی تھی۔ دانیال حسن نے اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی ایک زوردار تھپڑ اسے دے مارا۔

☼ ☼ ☼

صبح کا وقت تھا۔ دھوپ مٹی مٹی سی تھی اور موسم بے حد خوشگوار۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے اڑتے پھر رہے تھے اور ہوا بھی تر و تازہ تھی۔

ماوی ایک کونے میں نصب لکڑی کے بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لباس ملگجا تھا اور کھلے ہوئے سیدھے بال کندھوں

پر دونوں طرف آگے آ رہے تھے۔ وہ بڑی دیر سے وہاں بیٹھی تھی۔ ایسا لگتا تھا' جیسے اسے دوسرا کوئی کام ہی نہ ہو۔ وہ کبھی سر جھکا کر اپنے گھاس پر رکھے پیروں کو دیکھنے لگتی اور کبھی سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگتی۔ اس کا ذہن جیسے ہر سوچ سے خالی ہو چکا تھا۔

دوسری جانب حویلی کے در و دیوار پر بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔

معاً ماوی کا موبائل فون بجنے لگا۔ اس نے ناپسندیدگی سے اس بیپ کو سنا۔ وہ اس وقت کسی کی مداخلت نہیں چاہتی تھی۔

اس نے بے زاری سے فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ماوی....." دوسری طرف ثمینہ تھیں اور ان کی آواز میں بے قراری تھی۔

"جی ممی.....!"

"وہ خط جھوٹا ہے ماوی..... جنت بیگم کی سازش ہے یہ..... تم اس عورت کو نہیں جانتیں۔ وہ بہت شاطر ہے۔ ہو نہ ہو' وہ خط اس نے تمہیں مس گائیڈ کرنے کے لیے خود تیار کروایا ہو گا۔" ثمینہ کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ ماوی بے زار ہوئی۔

"ممی پلیز..... اس طرح کی باتیں مت کریں اب۔ جنت بیگم لاکھ شاطر دماغ ہی سہی' لیکن وہ خط انہوں نے تیار نہیں کروایا میں بابا کی رائٹنگ پہچانتی ہوں۔"

"لیکن ماوی.....!"

"فار گاڈ سیک ممی! ایک ہی بات پر اصرار کرنا بند کر دیں۔" اس نے مزید بے زاری سے کہا۔

"میں کل لاہور واپس چلی جاؤں گی اور جو بھی پہلی فلائٹ ملے گی' اس سے ڈبلن آ جاؤں گی۔ بہت رہ لیا پاکستان میں۔" اس کی آواز میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔

"نہیں' ایسا مت کرو ماوی! اس طرح ہمت ہار کر واپس نہ آؤ۔ تمہیں ابھی وہیں ہی رکنا چاہیے..... مجھے یقین ہے تمہیں اس عورت کے خلاف کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور مل جائے گا۔"

"فیضان ماما کو بتا دیجیے گا میں واپس آ رہی ہوں۔ وہ حویلی آنے کی زحمت نہ کریں۔" اس نے ثمینہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"تم سنتی کیوں نہیں ہو میری بات۔" یکدم ثمینہ حلق کے بل چیخی تھیں۔

"میں اس بار آپ کی بات سننا نہیں چاہتی۔ آپ کی باتیں سن سن کر ہی اتنی شرمندگی اٹھانا پڑی ہے مجھے۔" ماوی نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"اگر تمہارے بابا نے خودکشی کی ہوتی تو جنت بیگم نے میرے سامنے انہیں قتل کرنے کا اعتراف کیوں کیا تھا؟ ایک بار یہ بھی تو سوچو۔" ثمینہ اب باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

ماوی چڑ کر کچھ کہنا چاہتی تھی' لیکن اس بات پر لحظہ بھر کے لیے الجھ سی گئی۔ پھر اس نے اپنا سر جھٹک کر ہر بے زار کن خیال سے پیچھا چھڑانا چاہا۔

"میں فون بند کر رہی ہوں ممی! مجھے ابھی پیکنگ بھی کرنی ہے۔"

"ماوی..... میری بات سنو۔"

لیکن ماوی نے ان کی بات سنے بغیر فون نہ صرف بند کر دیا' بلکہ سوئچ آف ہی کر دیا تھا۔

اس پر مایوسی طاری تھی' لیکن اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔ اسی الجھن سے پیچھا چھڑوانے کے لیے وہ اٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑی ہوئی۔ اٹھتے ہی اس کی نظر دور برآمدے کے ستون کے قریب کھڑے جلال پر پڑی۔ وہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز سے لگتا تھا کافی دیر سے کھڑا ہے۔ ماوی اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر خفیف سی ہو گئی۔

جلال چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مخالف سمت میں مڑ گیا۔

ماوی جز بز سی ہو گئی۔ تب ہی اس نے اپنے پیچھے تسنیم کی آواز سنی۔

"ماوی بی بی! آپ میرے ساتھ چلیں۔" وہ عجلت میں تھی۔

"کیا بات ہے تسنیم.....!"

"آپ میرے ساتھ آئیں بی بی..... آپ کو ایک بات بتانی ہے۔"

"تسنیم..... میں ابھی نہیں اٹھ سکتی..... مجھے پیکنگ کرنی ہے۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں! میں کل واپس جا رہی ہوں۔"

"لیکن ثبوت....."

"اب کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" ماوی نے کہا۔ "تمہارا شکریہ۔ تم نے میری اتنی مدد کی۔"

"ٹھیک ہے بی بی! لیکن آپ آخری بار میرے ساتھ آئیں۔ بابا آج باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بار بار آپ کا پوچھ رہے تھے۔ یقیناً" وہ آپ کو کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ سے کہہ رہی ہوں ایک بار میرے ساتھ آئیں۔ ابھی بہت صبح ہے، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" اس نے اصرار سے کہا تھا۔

"تسنیم! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پھر ابھی مجھے پیکنگ بھی کرنی ہے..... فرصت ملے گی تو تمہارے بابا سے ملنے آؤں گی۔" اس نے ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن ماوی بی بی....." تسنیم نے کہنا چاہا، مگر ماوی اسے نظر انداز کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم گھٹیا انسان.....!"

"پلیز ڈیڈی! میری بات سنیں۔" ولید نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنا چاہا، لیکن دانیال حسن نے ایک کے بعد ایک اسے کئی تھپڑ رسید کیے تھے۔ ان کا بس نہ چلتا تھا اسے قتل ہی کر ڈالیں۔

"بات سنوں..... وہ بھی تمہاری..... پہلے ہی تمہاری بات سن کر میں نے نقصان اٹھایا ہے۔ اپنی بیٹی کے کردار پر شک کیا۔ فیضان جیسے شریف النفس شخص پر شک کیا..... یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔"

"ڈیڈی..... ڈیڈی پلیز..... ولید کو چھوڑ دیں۔" انیبا روتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم دور رہو انو! میں اس کا حشر برا کر دوں گا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ اس طرح کا الزام لگائے....."

وہ غصے سے بے حال ولید کو بری طرح پیٹ رہے تھے اور اس پر چلا رہے تھے۔ ولید نے دوبارہ ان کو نہیں روکا تھا۔

"ڈیڈی! پلیز ولید کو مت ماریں۔ وہ مر جائے گا۔"

"مر جانے دو۔ اس کا مر جانا ہی ٹھیک ہے۔" دانیال حسن نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔

"ظاہر ہے! میرے مرنے سے آپ کو کوئی فرق بھی تو نہیں پڑے گا۔" معاً ولید نے ان کا خود کو پیٹتا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"میں تمہیں قتل کر دوں گا ولید!"

"آپ کر سکتے ہیں۔" ولید نے ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ اس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا اور اس کے ہونٹ سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ دانیال حسن نے اسے بہت بری طرح پیٹا تھا۔

"بلکہ اچھا ہو گا آپ مجھے قتل کر ہی دیں..... اور صرف مجھے ہی نہیں اپنے دونوں بچوں کو بھی۔ جنہیں اپنی ذات سے بہت زیادہ محبت ہو، انہیں اولاد کے جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہیے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" دانیال حسن بری طرح غرائے۔

"اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تم نے بہن پر الزام لگایا اور اب آنکھیں بھی دکھا رہے ہو۔"

"ہاں! تو میں کیوں نہ کرتا یہ۔ آپ نے اور ممی نے بھی تو اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہم لوگوں کو نظر انداز کیا۔"

ولید یکدم حلق کے بل چلایا تھا۔ دانیال حسن جیسے ایک دم ہی خاموش ہو گئے۔ لاؤنج میں سناٹا سا پھیل گیا۔ وہاں تین افراد موجود تھے لیکن جیسے کوئی بھی نہیں تھا۔

"تم پوچھ رہی تھیں نا انیبا! میں سگریٹ کیوں پیتا ہوں۔ میں تمہیں بتاؤں۔ مجھے سکون ملتا ہے۔ کم سے کم نشہ آور سگریٹ پی کر مجھے یہ خیال نہیں آتا کہ میرے ماں باپ میں ہر وقت ناچاقی کیوں رہتی ہے..... جب سب کے ماں باپ ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکتے ہیں تو ہمارے کیوں نہیں۔ ہمارے ماں باپ کو صرف اپنی پروا کیوں ہے..... اور جب انہیں ہماری پروا نہیں ہے تو ہم ان کی عزت کی پروا کیوں کریں۔"

"ولید....." دانیال حسن نے صدمے سے کہا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ولید ان سے اتنا بدگمان ہو گا۔

"بس کریں ڈیڈی! مجھے اب آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔ اب جب سب آپ کو پتا چل ہی چکا ہے تو میں بھی کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ میں سگریٹ پیتا ہوں، ڈرگز بھی لیتا ہوں لیکن اس پر مجھے کوئی شرمندگی..... نہیں ہے۔ یہ میری زندگی ہے۔ میں اس کے ساتھ جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اگر آپ اور ممی ہمارے لیے اپنے اختلافات ختم نہیں کر سکتے تو مجھ سے بھی امید نہ رکھیں کہ میں آپ لوگوں کے لیے کچھ کروں گا۔" وہ باہر کی طرف جاتے ہوئے رکا تھا۔

"سوری انیبا! تم سے میں سچ مچ شرمندہ ہوں۔ لیکن میں یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم فیضان بھائی کو پسند کرتی ہو۔ میرا مشورہ مانو، تم بھی وہ کرو، جس سے تمہارا دل خوش ہو۔ ممی ڈیڈی کے لیے اپنے دل کی خوشی سے دست بردار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"رکو ولید! تم کہاں جا رہے ہو؟" انیبا نے اس کے مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا تھا مگر ولید تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

"ولید کو روکیں ڈیڈی! اتنی رات کو کہاں جائے گا وہ۔" اس نے دانیال حسن سے کہا، لیکن وہ ابھی تک اس کی باتوں کے اثر سے ہی نہ نکل سکے تھے۔

چند منٹ بعد چونک کر سرعت سے باہر کی جانب لپکے، لیکن اتنی دیر میں ولید جا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اگر اس لڑکی کو حویلی میں رہنے کی اجازت دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، لیکن اس وقت تو سب کو اپنی عقل ثابت کرنے کا جنون چڑھا تھا۔" جنت بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مستقیم اور شبیہہ اس وقت جنت بیگم کے کمرے میں موجود تھے۔ خرم کی شادی کا ہنگامہ سر پڑ چکا تھا اور اس ہنگامے کے سر پڑتے ہی یہ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں اماں! مجھے واقعی آپ سے پوچھے بغیر ماوی کو نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"یہی بات پہلے سوچ لیتے تو آج یوں شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔" جنت بیگم نے نخوت سے کہا۔

"میں آپ کو الزام نہیں دے رہا۔" منصور بھٹی نے بھی زبان کھولی۔ "لیکن کوئی وجہ تو ہوگی جو ثمینہ بھابھی آپ کے متعلق اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئیں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں نے سچ مچ رجب کا قتل کیا ہے؟" جنت بیگم نے اچنبھے سے کہا۔ "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے منصور!"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا اماں!"

جنت بیگم نے ناگواری سے سر جھٹکا لیکن ساتھ ہی اسے وہ دن بھی یاد آیا تھا جب وہ اپنے ذہنی طور پر معذور بیٹے کا رشتہ لے کر ثمینہ کے پاس گئی تھی۔ اس میں خود پسندی اتنی زیادہ تھی کہ اسے یقین تھا، ثمینہ اس کی بات ہرگز رد نہ کرے گی۔ تب ہی جب ثمینہ نے انکار کیا تو اس کی انا کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی۔ محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لیے اس نے کہہ دیا کہ رجب کو اس نے قتل کیا ہے۔ مقصد صرف یہی تھا کہ ثمینہ کو ذہنی اذیت پہنچا سکے اور ہوا بھی یہی۔ لیکن بات اتنی بڑھ جائے گی ایسا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"اب اس لڑکی کے حویلی میں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں، یہاں سے چلی جائے۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"نہیں... اتنے آرام سے تو میں اسے ہرگز نہیں جانے دوں گی۔" جنت بیگم نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شبیہہ چونکا۔

"اس لڑکی نے جو ذہنی اذیت مجھے پہنچائی ہے، جب تک اس کی سزا نہ دے لوں، مجھے سکون نہیں آئے گا۔" جنت بیگم کے تاثرات کچھ عجیب سے تھے۔

وہ تینوں بری طرح چونک گئے۔

"بات بڑھانے کی کیا ضرورت ہے بی جان!" شبیہہ نے کہا تھا۔ "جو ہونا تھا، ہو چکا، اب اس بات کو بھول جائیں اور ماوی کو جانے دیں۔"

"تم لوگوں میں غیرت ختم ہو چکی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ اتنا تو ہو نہ سکا، مجھ پر انگلی اٹھانے والے کی انگلی ہی توڑ دو۔ جو میں کرنا چاہتی ہوں، مجھے کر لینے دو۔ میں ایسے انسان کو معاف نہیں کر سکتی جو مجھ پر الزام تراشی کرے۔" جنت بیگم نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

اب کچھ بھی کہنا فضول تھا سو شبیہہ نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے، منہ کیوں لٹکا رکھا ہے؟" شبیہہ اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ جلال کسی کام سے اس کے پاس آیا تھا، پھر اسی کے پلنگ پر لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا تو شبیہہ نے پوچھا۔

جلال نے چونک کر اس کو دیکھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہ بتانا چاہو تو دوسری بات ہے، ورنہ تو جو بات ہے، وہ تمہارے چہرے پر لکھی ہے۔" شبیہہ نے جتا کر کہا، جلال چڑ گیا۔

"جب پتا ہے تو پوچھنے کی وجہ؟" وہ جل کر بولا۔

"ہاہاہا... اب اس طرح چڑنے کا کیا فائدہ... میں نے تو پہلے ہی تمہیں وارن کر دیا تھا کہ اس لڑکی پر بھروسا نہ کرو۔ لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی۔"

"یار! یہ بات نہیں ہے۔" جلال نے کہا۔ "ماوی نے کون سا میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اب بی جان میری بات بالکل ہی نہیں مانیں گی۔ وہ پہلے ہی ماوی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھیں۔ اس بات کے بعد تو ان کی ناراضی اور بڑھ گئی ہے۔" اس نے پریشانی کی اصل وجہ اگلی۔

"تیری غلط فہمی ہے میرے بھائی! بی جان، ماوی کو "کچھ" نہیں "بالکل بھی" پسند نہیں کرتیں... اور یہ غلط فہمی بھی دور کر لو کہ وہ پہلے تمہاری بات سنتیں۔ ماوی کے معاملے میں وہ کبھی تمہاری بات نہ سنتیں۔" وہ صاف اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

"یار! میں مانتا ہوں ماوی، بی جان کے متعلق غلط فہمی کا شکار تھی، لیکن اس بات سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بری تو نہیں ہے کہ اسے اتنا ناپسند کیا جائے۔ بلکہ اچھی ہے وہ۔"

"ہاں! تمہاری نظر سے دیکھا جائے تو اچھی ہی ہے۔" شبیہہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ جلال چڑ گیا۔

"کیوں بھئی کیا برائی ہے اس میں؟" شبیہہ ہنس پڑا۔

"ہاں! واقعی کوئی برائی نہیں ہے۔ بس کافی زیادہ بدتمیز اور بہت جھگڑالو ہے۔ بدزبان ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ تم اپنی آنے والی زندگی اس کے ساتھ گزارو گے تو مجھے تم پر ترس آتا ہے۔ لیکن خیر! یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" اس کا انداز خاصا شرارتی تھا۔

جلال اور جل بھن گیا۔ اس کی شکل دیکھ کر شبیہہ نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں صرف سچائی بیان کر رہا ہوں۔"

"اللہ خیر کرے! ہمیشہ جلے بھنے رہنے والے شبیہہ العباس صاحب کا موڈ بہت خوش گوار رہنے لگا ہے آج کل۔"

"جی ہاں! جلنے بھننے کی ڈیوٹی آپ نے جو لے لی ہے۔" وہ پھر خوش گواری سے بولا۔ جلال اور بھی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"بڑی مشکوک ادائیں ہیں جناب آپ کی۔ ذرا روشنی ڈالیے کہ وجہ کیا ہے؟"

شبیہہ نے مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ چند لمحے سوچتا رہا، پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تم اپنے اور ماوی کے بارے میں بی جان سے کب بات کرو گے؟" جلال بری طرح چونکا۔

"کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"جنرل نالج میں اضافے کے لیے۔"

"بڑا گھسا پٹا لطیفہ ہے۔" جلال بدمزا ہوا۔

"ہاہاہا..." شبیہہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

"کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔" جلال نے وثوق بھرے انداز میں کہا۔

"میں سوچ رہا تھا، کیوں نہ تم اور میں ایک ہی دن شادی کریں۔ کیا کہتے ہو۔" شبیہہ پوری طرح اس کی طرف گھوما۔

"اچھا... تو یہ بات ہے۔" جلال نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شبیہہ کھسیانا سا ہو کر ہنس دیا۔
"اب اس میں کیا ہے؟ تم شادی کر سکتے ہو تو کیا میں شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا؟"
"سوچیے۔ سوچنے بھلا ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔" جلال پھر سے لیٹ گیا۔
"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے' لیکن..." اس نے مدطلب نظروں سے شبیہہ کو دیکھا۔
"کیا لیکن؟"
"تم میرے بی ہاف پر بی جان سے بات کرو گے؟"
"ہرگز نہیں۔" شبیہہ نے ایک پل کا تامل کیے بنا کہا۔
"پلیز شبیہہ! میرا بھائی نہیں ہے۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ بی جان سے بات کر سکوں۔"
"جب بات کرنے کی ہمت نہیں تھی تو محبت جیسی بہادری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" شبیہہ نے آرام سے اس کے لتے لے ڈالے۔
"اب ہو گئی غلطی... کیا کروں۔" وہ مسکینی سے بولا تھا۔ شبیہہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا' پھر لیپ ٹاپ کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولا۔
"میری طرف سے اس سلسلے میں بالکل معذرت۔ اپنے معاملات خود نمٹاؤ۔ بی جان کا پتا نہیں ہے...؟ ایک منٹ میں مجھے بھی ڈانٹ کر رکھ دیں گی۔"
"اب مدد نہ کرنا چاہو تو اور بات ہے۔ ورنہ کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ تمہی جان کے کتنے لاڈلے ہو اور وہ تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتیں۔ اس لیے یہ بہانے بازیاں کسی اور کے سامنے کرنا۔"
"میں بہانے نہیں بنا رہا۔ میں لاکھ بی جان کا لاڈلا سہی' لیکن اس وقت وہ اتنے غصے میں ہیں کہ میری بھی کوئی بات نہیں سنیں گی۔" شبیہہ نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ماوی سے ناراضی چھوڑ دیں' مگر وہ بضد ہیں کہ جب تک اسے سزا نہیں دے لیتیں' آرام سے نہیں بیٹھیں گی اور تم ان کی ضدی طبیعت سے واقف ہی ہو' پھر تم نے لڑکی بھی تو ایسی پسند کی ہے جو بذات خود بہت بڑی مصیبت ہے۔ اب بتاؤ! میں ایسی سچویشن میں کیا کروں؟"
"تم صرف میرا مذاق اڑاؤ اور اپنی شادی کی تیاریاں کرو۔" جلال نے جل کر کہا اور کمرے سے ہی باہر جانے لگا۔
"جیسے تمہاری خوشی... ویسے میں آج کسی کام سے لاہور جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا ہو تو بتا دینا۔" شبیہہ نے چڑانے والے انداز میں کہا اور مسکراتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز شام تک ماوی اپنی پیکنگ مکمل کر چکی تھی۔ وہ بار بار دروازے تک جا کر پلٹ آتی تھی۔ یہ طے کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا کہ اسے جانے سے قبل کسی کو آگاہ کرنا چاہیے یا چپ چاپ نکل جانا چاہیے۔ گو کہ ایسا کرنا بھی ناممکن تھا' کیونکہ اتنے ملازمین کی نظروں سے بچ کر نکلنا محال تھا۔
بڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ جانے سے قبل کسی اور سے نہیں تو اسے جنت بیگم سے ضرور معذرت کر لینا چاہیے۔ حالانکہ یہ بھی ایک وقت طلب کام تھا' مگر اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنی ذات سے پہنچنے والی پریشانیوں پر معذرت کر لے۔ لیکن وہ کیوں معذرت کرے؟ بلاواسطہ ہی سہی' لیکن جنت بیگم اس کے بابا کے قتل کی ذمہ دار تو ضرور تھی۔
گومگوں کی کیفیت میں وہ جنت بیگم کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازے پر دستک دینے سے قبل بھی وہ تذبذب

کا شکار تھی۔ پھر اس نے ابھی دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔ باہر آنے والی تسنیم تھی۔
"بی بی آپ!"
"ہاں! مجھے جنت بیگم سے کچھ بات کرنی ہے۔" ماوی نے کہا۔
"آپ نے کہا تھا' آپ آئیں گی۔" تسنیم نے اسے یاد دلایا۔
"میں آج ہی واپس جا رہی ہوں تسنیم! ویسے بھی تمہارے بابا کے پاس اب ایسا کچھ نہیں ہے' جو میرے کام آ سکے۔"
"آپ ایک بار آ جائیں بی بی! یہ آپ کے لیے بہتر ہو گا۔" تسنیم بہت اصرار کر رہی تھی۔ ماوی کو ماننا ہی پڑا۔
"اچھا! ٹھیک ہے۔ میں جنت بیگم سے مل کر تمہارے پاس آؤں گی۔"
تسنیم اس کے وعدے پر بھروسا کر کے چلی گئی۔ تب ماوی اندر جانے کے بجائے لڑکیوں کے کمرے کی طرف چل دی۔ بہت کوشش کے باوجود وہ خود کو جنت بیگم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں کر پا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟" ماوی نے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔
"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے... آؤ ناں!" نمل نے کہا۔
ماوی اندر آ گئی۔
"اچھے وقت پر آئی ہو۔ میں اور تنوی چائے پینے کا سوچ رہے تھے۔ تم پیو گی؟" نمل نے پوچھا۔ ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہاں! ضرور... لیکن صرف آدھا کپ۔"
"اچھا! میں کہہ کر آتی ہوں۔" نمل باہر نکل گئی۔
"کیا کر رہی ہو تنوی؟"
"کچھ نہیں! بس یہ میگزین دیکھ رہی تھی۔" وہ میگزین پہلے ہی بند کر چکی تھی۔
"تم کالج کیوں نہیں جاتیں؟" ماوی کو اتنے دن بعد خیال آیا تھا۔
"پہلے جاتی تھی' پھر شبیہہ.... نے منع کر دیا۔"
"کیوں؟ اس نے کیوں منع کیا؟"
"بس! وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں مزید پڑھوں۔" وہ اصل بات گول کر گئی۔ "تو بی جان نے کہا' جیسا شبیہہ کہتا ہے' ویسا ہی کرو۔ زندگی بھی تو اسی کے ساتھ گزارنی ہے۔"
"ہوں..." ماوی نے کوئی خاص تبصرہ نہیں کیا کہ یہاں کے قوانین سمجھ ہی چکی تھی۔
"میں آج واپس جا رہی ہوں تنوی! تم لوگوں کو اللہ حافظ کہنے آئی تھی۔"
"ارے! اس طرح اچانک...؟"
ہاں! بس بہت رہ لیا... میں نے سوچا' اب واپس جانا چاہیے۔"
"جلال بھائی سے پوچھ لیا؟" تنوی نے قدرے شرارت سے پوچھا۔
"اس سے کیوں پوچھوں؟" وہ حیران ہوئی پھر اس کی شرارت فوراً سمجھ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں! میں نے تمہیں پوچھا۔ نہ ہی اسے بتایا ہے۔ جاتے ہوئے بتاؤں گی۔" پھر کچھ خیال آنے پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں تنوی!"

"ارے! بیٹھو ناں۔ کمل دیر لگا رہی ہے تو وہ خود چائے بنا رہی ہوگی اور وہ بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

"اب چائے کا موڈ نہیں رہا۔ تم لوگوں سے ملنا تھا، مل لیا۔ اب ذرا تسنیم سے بھی مل لوں۔ اسے کوئی کام تھا مجھ سے۔"

وہ بڑھ کر تنوی کے گلے لگی۔

"میں تمہیں مس کروں گی۔"

"میں بھی۔" تنوی مسکرائی۔ "جلال بھائی تو تمہارے جانے سے بہت خوش ہوں گے۔ کیونکہ تم جتنی جلدی جاؤ گی اتنی جلدی ہی تو وہ تمہیں واپس لانے تمہارے پیچھے آئیں گے۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔"

مادی اس کی بات پر بے ساختہ ہنس دی۔

"خدا حافظ تنوی!" وہ کمرے سے باہر آگئی۔ اب وہ تسنیم کی تلاش میں تھی۔

☆ ☆ ☆

رات سے صبح ہو گئی، لیکن ولید کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ دانیال حسن اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ انہوں نے ہر اس جگہ اسے تلاش کیا، جہاں اس کی موجودگی متوقع ہو سکتی تھی، لیکن سب بے سود رہا۔

دانیال حسن گھر واپس آئے تو ان کے کندھے تھکن اور مایوسی سے جھکے ہوئے تھے۔

"ڈیڈی! ولید کا کچھ پتا چلا؟" انیبا انہیں دیکھ کر لپک کر آئی تھی، لیکن ان کا چہرہ اور جھکے ہوئے کندھے اس کے ہر سوال کا جواب تھے۔ انیبا صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"تم نے اس کے فرینڈز سے پتا کیا؟" دانیال حسن نے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جنید کو فون کیا تھا۔ اسی نے باقی سب دوستوں سے پتا کیا ہے، لیکن ولید کے بارے میں کسی کو بھی نہیں پتا۔" وہ کارپٹ پر ان کے پیروں کے قریب بیٹھ گئی۔

"ولی کہاں ہے؟"

"زبردستی کھانا کھلا کر تھوڑی دیر پہلے سلایا ہے۔ بہت رو رہا تھا۔۔۔ آپ کے لیے کھانا لاؤں؟"

دانیال حسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تھکن ان کے سارے وجود سے مترشح تھی۔ انیبا کا دل بھر آیا۔ آنسوؤں کو اس نے مہارت سے چھپا لیا تھا۔

"تم نے کھانا کھایا؟"۔۔۔ اب کی بار انیبا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم تو کھا لیتیں بیٹا! ولید کا پتا چل جائے گا۔" انہوں نے انیبا کا سر آہستگی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اتنی سی بات کرتے ہوئے ان کی آواز بری طرح بھرا گئی۔

"ڈیڈی! پلیز۔۔۔" انیبا تڑپ کر ان کی طرف پلٹی۔

"ولید جہاں بھی ہوگا، خیریت سے ہوگا۔ وہ گھر آجائے گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔"

"تم جاؤ! کھانا لگاؤ۔۔۔ بلکہ ایسا کرو، یہیں لے آؤ۔۔۔ ہم دونوں مل کر کھائیں گے۔" گو کہ ان کا ہرگز دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن محض انیبا کی خاطر انہوں نے کہا۔ انیبا بھی ان کے خیال سے اٹھ گئی۔

"ڈیڈی!" معاً انیبا کو خیال آیا۔ "ولی نے ممی کو بھی کال کر کے ولید کے بارے میں بتا دیا ہے۔" وہ ڈری ڈری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سی بول رہی تھی، مبادا وہ برا مان جائیں۔
دانیال حسن نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"میں کیسے تمہارا سامنا کروں گا ثروت!" انہیں کئی خیالات نے ایک ساتھ گھیرا تھا۔
ولید کی ہر بات جیسے ان کا دل چیر کر نکلی تھی۔ آج تک انہوں نے ہر معاملے میں ثروت کی غلطی نکالی تھی۔ اپنی کوتاہیاں بھی اسی کے کھاتے میں ڈالی تھیں۔ پہلی بار احساس ہوا تھا کہ بہت ساری غلطیاں تو ان کی اپنی ہی تھیں۔ ثروت نے تو ہر بار اپنا اور ان کا رشتہ سنبھالا ہی تھا، بلکہ یہ رشتہ اگر اب تک قائم تھا تو اس کا کریڈٹ ثروت کو ہی جاتا تھا، ورنہ انہوں نے تو کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ تو ہمیشہ ثروت کو قصوروار ہی ٹھہراتے رہے تھے۔
انہیں لگتا تھا، ثروت کی محبت اور وفا اب تک مستقیم کے لیے ہے اور وہ ان کے ساتھ خوش ہی نہیں ہیں یا شاید در پردہ وہ ثروت کی توجہ اپنی طرف رکھنے کے لیے اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ ہوا کہ ثروت کی توجہ تو ان کی طرف ہی رہی تھی لیکن اس سارے چکر میں وہ بھول ہی گئے کہ ان کے بچوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔
ولید نے ان کے سامنے جو کچھ کہا، اس سے صاف پتا چلتا تھا وہ ان سے کتنا متنفر ہو چکا ہے، پھر جس ذہنی کیفیت میں وہ گھر سے نکلا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ خود کو کوئی نقصان پہنچا لیتا۔ انیبا اگر سچ مچ فیضان میں دلچسپی لینے لگی تھی تو یہ بھی بلاشبہ ان کی ہی کوتاہی تھی۔ ثروت اگر اسلام آباد نہ گئی ہوتیں تو وہ انیبا کو اعتماد میں لے سکتی تھیں۔ وہ اس پر نظر رکھتیں تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔ اندیشے انہیں ہراساں کر رہے تھے اور پچھتاوے پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ وہ بری طرح غم زدہ تھے۔

☼ ☼ ☼

شبیہہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے میں شہر آیا تھا۔ ایک آدمی سے ملنا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ لنک روڈ آ گیا۔ جلال نے کچھ چیزیں منگوائی تھیں۔ خریداری کرتے ہوئے وہ ایک لیڈیز بوتیک کے سامنے ٹھٹک کر رک گیا۔
شوکیس میں ایک بہت خوبصورت سوٹ ڈسپلے کیا ہوا تھا۔ اس سوٹ کو دیکھتے ہوئے اسے بے ساختہ تنوی کا خیال آیا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس نے تنوی کے لیے کوئی چیز لینے کا سوچا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اپنے اندر آنے والی یہ تبدیلی اسے خود بھی اچھی لگ رہی تھی۔
بہرحال اس نے وہ سوٹ سیلزمین سے پیک کرنے کے لیے کہہ دیا اور دوسرے شوکیس کے پاس کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگا۔ تب ہی اس کی نظر کچھ فاصلے پر کھڑے چند لڑکوں پر پڑی۔ ان میں سے ایک ولید تھا۔ وہ اپنے حلیے سے کچھ بیمار سا دکھائی دیتا تھا اور اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات ضرور تھی جو محسوس تو ہوتی تھی، لیکن اسے کوئی نام دینا مشکل تھا۔
شبیہہ نے حسب توقع اسے نظر انداز کیا اور بے سبب ادھر ادھر کی چیزوں میں دلچسپی لینے لگا، لیکن یکایک اسے احساس ہوا، ایسا کرنا مشکل تھا، کیونکہ ولید کے ساتھ موجود باقی تین لڑکے اپنے حلیوں سے کچھ مشکوک سے دکھائی دیتے تھے۔ شبیہہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
وہ لوگ اس سے اتنے فاصلے پر تھے کہ ان کی آوازیں اس تک نہیں پہنچ رہی تھیں لیکن ان کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ تھا کہ وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔

چند منٹ کے بعد وہ سب باہر نکل گئے۔ شبیہہ نے بہت چاہا کہ ان سب کو نظر انداز کر دے، لیکن اس معاملے میں وہ کچھ لاچاری سی محسوس کر رہا تھا۔
بے منٹ کر کے وہ ان کے پیچھے ہی باہر نکل آیا، لیکن جب تک وہ پارکنگ میں پہنچا، وہ لوگ غائب ہو چکے تھے۔ شبیہہ کو مایوسی ہوئی، لیکن تھوڑی دور جا کر وہ چاروں اسے نظر آ گئے۔ ان کے پاس دو اسپورٹس موٹر سائیکلیں تھیں، جنہیں اتنی بھیڑ میں وہ بہت بے ڈھنگے پن سے چلا رہے تھے۔
شبیہہ نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا، کیونکہ اپنی حرکات سے وہ اسے مشکوک نظر آتے تھے۔ اور اس کے شکوک کی کچھ ہی دیر بعد تصدیق ہو گئی۔ مین روڈ سے ہوتے ہوئے وہ لوگ یکدم موٹروے کی طرف مڑ گئے تھے۔ تھوڑا آگے جا کر ایک بار پھر وہ شبیہہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
گو کہ یہ کوئی نامناسب بات نہ تھی، لیکن اس نے گاڑی ایک مناسب جگہ کھڑی کر دی اور خود انہیں تلاش کرنے لگا۔ حالانکہ اسے ولید سے ایسی کوئی انسیت نہ تھی، لیکن اس کی چھٹی حس اسے مسلسل کوئی اشارہ دے رہی تھی۔
یہ علاقہ قدرے ویران تھا اور یہاں درختوں کی بھرمار تھی۔ ایک طرف جھاڑیوں میں اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف آیا۔
اور اس کے تمام اندیشے درست ثابت ہو گئے۔ ولید جھاڑیوں میں اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔
اسے بری طرح زدوکوب کیا گیا تھا اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نوکیلی چیز سے اس کے سر پر وار کیا گیا ہو۔
شبیہہ نے پھرتی سے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور خاصی تیز ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسپتال لے آیا۔

☼ ☼ ☼

فیضان نے کرائے پر ایک اپارٹمنٹ لے لیا تھا۔ وہاں شفٹ ہونے کے بعد اس نے توقیر صاحب کو فون کیا۔
"میں نے انیکسی فارغ کر دی ہے اور چابی چوکیدار کے حوالے کر آیا ہوں۔ اب آپ دانیال بھائی کو میری طرف سے آگاہ کر دیں کہ انیکسی کی جانچ پڑتال کر لیں۔ کوئی نقصان ہوا تو میں پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"تمہیں وہیں رکنا چاہیے تھا فیضان! میں نے کہا تو تھا، دانیال کو تھوڑا وقت دو۔ وہ ساری صورت حال کو سمجھ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے گا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"معاف کیجئے گا توقیر بھائی! لیکن میں اب وہاں رک کر اپنی مزید بے عزتی نہیں کروا سکتا۔" فیضان نے دوٹوک کہا۔

"تم جذباتی ہو رہے ہو۔ جس طرح دانیال نے اصل حقائق کا علم ہوئے بغیر محض جذباتیت سے کام لیا تھا۔"

"آپ بھی مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں؟"

"نہیں! میں تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرا رہا۔ میں صرف تم دونوں کا موازنہ کر رہا ہوں' جو خود کو بڑا عقل کل سمجھتے ہو' لیکن حقیقتاً" جذباتیت کے مارے ہوئے ہو۔ دانیال کو ایک بات پتا چلی تو اس نے بنا سوچے سمجھے ری ایکٹ کرنا شروع کر دیا۔ تم نے تھوڑی بہت مصالحت کی کوشش کی۔ جب کوئی حل نہ نکلا تو بچوں کی طرح جذباتی ہو گئے۔۔۔ میں مانتا ہوں تم دونوں حق پر تھے' لیکن کبھی کبھار حق پر ہونے کے باوجود انسان کو دوسروں کی مجبوریوں کے متعلق سوچ لینا چاہیے۔۔۔ اور پتا نہیں! میں تمہیں یہ سب کیوں سمجھا رہا ہوں۔ تم کون سا دانیال سے کچھ کم ہو کہ عقل والی کوئی بات سمجھ سکو۔ بہرحال ولید اسپتال میں ہے اور دانیال اسی سلسلے میں مصروف ہے۔۔۔ جیسے ہی وہ فارغ ہو گا۔ میں اسے تمہارا پیغام دے دوں گا۔ میں نے تو عہد کر لیا ہے کہ اگلی بار کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کروں گا۔ تم دونوں کو بزنس پارٹنر بنانے کی بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔" توقیر صاحب نے رکھائی سے کہا۔ فیضان کو زبردست جھٹکا لگا۔

"ولید اسپتال میں ہے؟"

"ہاں! میری ابھی کچھ دیر پہلے انیبا سے بات ہوئی ہے۔ اسی نے بتایا ہے۔" توقیر صاحب نے اتنا بتا کر فون بند کر دیا۔

فیضان شش و پنج میں پڑ گیا۔ جس وقت وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لیے نکل رہے تھے' انہوں نے انیبا کو برآمدے کی سیڑھیوں پر روتے دیکھا تھا اور دانیال حسن پھرتی سے گاڑی نکال رہے تھے' لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی ایسا خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اسپتال جا رہے ہوں گے۔ فیضان کو یکدم اپنی جذباتیت پر غصہ آیا۔ کاش! وہ رک کر ایک بار انیبا سے اس کے رونے کی وجہ پوچھ لیتے تو کچھ نہ کچھ ضرور ان کی مدد کر پاتے' لیکن جب انہیں انیبا کے رونے کی وجہ معلوم تھی' تب انہوں نے کیا کر لیا تھا' جواب ایسا سوچ رہے تھے۔ انہیں شرمساری نے گھیر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بظاہر چھوٹے چوہدری کی موت میں بڑی چوہدرائن کا کوئی ہاتھ نہیں تھا لیکن اگر میں یہ کہوں کہ وہی چوہدری کی موت کی ذمہ دار ہیں تو ہرگز غلط نہ ہو گا۔"

تسنیم کا باپ بہت ٹھہر ٹھہر کر اور دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔ اس کا بیمار وجود گو کہ اسے اتنا بولنے کی اجازت نہیں دیتا تھا' مگر پھر بھی وہ اپنی ساری ہمت صرف کر کے بول رہا تھا۔ ماوی کو اس کی بات سمجھنے میں خاصی وقت کا سامنا تھا۔

"مجھے تو چوہدرائن نے اس سارے معاملے سے بچانے کا لالچ دے کر خاموش کروا دیا تھا' لیکن چھوٹے چوہدری کو وہ اٹھتے بیٹھتے طعنے دیا کرتی تھیں۔ پھر جب میں نے ضمیر کی آوازوں سے پریشان ہو کر سچائی ظاہر کرنے کی ٹھانی تو چوہدرائن نے تسنیم کو اپنے پاس رکھ کر مجھے اس کوٹھڑی میں ڈلوا دیا۔ میرے پاس ایسا کوئی راستہ نہیں تھا کہ

کسی طرح یہاں سے باہر نکل سکوں۔ ہاں! کبھی کبھار کسی ملازم کے ساتھ باہر نکلنے کا موقع مل جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک بار میری ملاقات چھوٹے چوہدری سے ہو گئی۔ اس وقت اتفاق سے ملازم بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے ہمت کر کے ساری حقیقت چھوٹے چوہدری کو بتا دی۔ لیکن سارے حقائق سے واقف ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ انہیں خون کا رشتہ نہ ہونے کے باوجود تسنیم کی فکر تھی۔۔۔ مجھے اعتراف ہے' وہ بہت عظیم انسان تھے اور میں نے اپنی خود غرضی کے ہاتھوں انہیں پھنسا دیا۔۔۔ پھر چوہدرائن تو ہمیشہ سے ان کے خلاف تھیں۔ چوہدری صاحب خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ کئی مہینوں کے بعد ایسے ہی میری ملاقات چوہدری جی سے ہوئی' تب انہوں نے مجھے وہ خط دیا جو تسنیم نے پہلے آپ کی والدہ کو دینے کی کوشش کی تھی اور پھر آپ تک پہنچا۔۔۔ مجھے معاف کر دیں۔ چھوٹی بی بی! میں صرف چوہدری جی کا ہی نہیں' آپ کا بھی گنہگار ہوں۔"

ماوی کیا کہہ سکتی تھی۔ اس کے پاس تو اب کچھ بھی نہ بچا تھا۔

تسنیم کا باپ یکدم ہچکیاں لے کر رونے لگا۔

ماوی اب تک کھڑی ہوئی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھی اور بوڑھے آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ مت روئیں۔ ان کی قسمت میں یہی تھا۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں چلتی ہوں۔"

"تسنیم نے بتایا' آپ واپس جا رہی ہیں۔ بیٹی! مجھے اس قید سے چھٹکارا دلوا دو۔ قانون کی سزا خدا کے عذاب سے تو کم ہو گی۔"

وہ بوڑھا شخص آس بھری نظروں سے ماوی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں! واپس جا کر کوشش کروں گی کہ پولیس کو آپ کی اس جبری قید کے بارے میں اطلاع دے سکوں۔"

اس نے دھیمی آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدموں میں تھکن ہی تھکن محسوس ہوتی تھی۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنت بیگم اس کے باپ کی موت کی ذمہ دار ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس شخص کو قید کر کے سچ کو چھپا کر قانون کی مجرم بھی بن رہی ہے۔ وہ اس کے خلاف کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ یہ خیال ہر دوسرے خیال سے زیادہ مایوس کن تھا۔

اسی مایوسی کے زیر سایہ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دو تین بار دروازے کو دھکیلا اور یکدم اس پر انکشاف ہوا کہ دروازہ باہر سے مقفل کیا جا چکا تھا۔

ماوی نے ہراساں ہو کر دروازہ پیٹ ڈالا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سعدیہ رئیس

وہ مگن سے انداز میں گھر کے اندر داخل ہوا تو کشمالہ کے مترنم سے جان دار قہقہے کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ وہ اسے کچن کی دہلیز پر اپنے تمام تر جلوے بکھیرتی دکھائی دی۔ وہ بھابھی سے باتوں میں مصروف تھی۔ اس کے سنہری بالوں کی گھنگھریالی لٹیں اس کے شانوں پر سرسرا رہی تھیں اور سرخ رنگ کی لمبی قمیص پر پھول دار بارڈر تلے چوڑی دار پاجاما تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اپنی نرالی چھب دکھلا کر اسے بے چین کر گئی۔

"پھر آگئی یہ پٹاخہ۔"

خاور نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک پھسلتی نظر اس کے ایمان ڈگمگاتے سراپے پر ڈالی۔ پھر ایک حسرت بھرا سانس بھر کر کچھ مایوسی سے اسے دیکھا۔

اب تک ان گزرے برسوں میں بہت سی لڑکیاں اس کی مردانہ وجاہت پر مرمٹی تھیں، مگر یہ تو چکنا گھڑا نکلی۔ پچھلے تین، چار ماہ میں خاور نے اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے جتنے پاپڑ بیلے تھے، یہ وہی جانتا تھا، مگر کشمالہ پھر بھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوئی تھی۔ شاید اس کو اپنے حسن کا بھرپور ادراک اور خود پر بہت زیادہ گھمنڈ بھی تھا کہ اسے رجھانے کا خاور کا ہر حربہ ناکام رہا تھا۔ ہر بار وہ منہ کی کھا کر پیچھے ہٹتا تھا۔ وہ تھی بھی تو آفت کی پرکالہ۔ مجال ہے، جو کبھی پروں پر پانی پڑنے دیا ہو۔ ذرا جو وہ بے تکلف ہونے کی یا دوستی بگھارنے کی کوشش کرتا تو اپنی کٹار آنکھوں سے یوں گھورتی کہ خاور کے دل میں خنجر سا گھپ جاتا۔

اس سے قبل مہ جبینوں، نازنینوں کی قطار لگی ہوئی تھی، اس جیسے ہینڈسم، شوخ اور جی دار لڑکے پر مرنے میں اور اس نے بھی وہ مواقع ضائع نہ کیے تھے۔ خوب فائدہ اٹھایا تھا اپنی خوب صورتی کا۔

الماس تو ہمہ وقت اس کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ اس کی نظر میں اپنے نمبر بڑھانے کا وہ کوئی بھی موقع نہیں گنواتی تھی۔ ہر وقت اپنی کوکنگ کے شان دار تجربات سے اسے مستفید کرتی رہتی تھی۔ چونکہ شکل و صورت میں ثانوی سی تھی، اس لیے اپنی مہارتیں اور گن اس پر ثابت کرنے پر تلی رہتی تھی۔ کبھی کسٹرڈ، کبھی کیک اور کبھی پزا، نہ جانے کیا کیا بنا کر لاتی تھی صرف اس کے دل پر راج کرنے کے لیے۔ وہ بھی سخاوت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کا دل توڑنا گناہ سمجھا کرتا تھا۔ دل کھول کر اس کی ڈشز کی تعریف کرتا تھا اور تعریفیں کر کر کے اگلی بار کا مینو پکا کر لیتا تھا۔ وہ بے وقوف بھی ہر نئی ڈش بنا کر بھاگی بھاگی اسے کھلانے چلی آتی تھی۔ وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا، اسے بہت جلد اپنانے کا وعدہ کرتا رہا اور وہ یقین کر لیتی۔ مشرقیت تو جیسے اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نہ جانے کب تک یہ کھیل چلتا رہتا۔ ایک روز یہ کھیل بھی اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کے وعدے پورے ہونے کی آس لے کر ایک روز پیا دیس سدھار گئی کہ گھر والوں نے اس کی شادی کر دی تھی۔ عرصہ تک اس کے ہاتھ کے کھانوں کو وہ یاد کرتا رہا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ پھر اس کے بعد اسے کبھی اتنے مزے دار اور مفت کے کھانے کبھی نہ ملے تھے۔ تنہائی میں کبھی کبھار وہ اس کی محبت کو خراج تحسین پیش کر کے ہنس پڑتا تھا۔

"کیا سکتہ ہو گیا ہے یا اس سے پہلے کبھی اتنی خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی؟" وہ اپنے خیالات کی رو میں جانے کہاں تک بھٹکتا چلا جاتا کہ کشمالہ کی تیز آواز نے اسے چونکا دیا۔

وہ دشمن جان عین اس کے مقابل کھڑی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے طنز پر اسے اشتعال تو آیا، مگر مصلحتاً پی گیا، البتہ غصہ ضبط کرنے سے چہرے کے رنگ تیزی سے بدلے۔

"کیا بات ہے، طبیعت تو صحیح ہے نا۔ یا پھر نشہ وشہ کیا ہے۔" وہ تمسخر سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگی۔

یہ ایک اور وار تھا جس پر وہ بلبلا گیا۔ پہلے ہی اس کے بے نیاز حسن سے گھائل تھا اور اب اس کے یہ تیکھے وار۔ کچھ اسے بھی خود پر بہت ناز تھا اور بہت اعتماد تھا۔ اس نے چنگاریاں بھری آنکھوں سے اس کے پارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صفت روپ کو دیکھا۔ اس کا یہی اعتماد تو اسے توڑنا تھا۔
"میرے سامنے ذرا تمیز سے رہا کرو... ورنہ مجھے بگڑے ہوؤں کو ٹھیک کرنا اچھی طرح آتا ہے۔"

اس نے خبردار کرنے والے انداز میں اسے جتایا اور پلٹ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

خاور نے تلملا کر اس کے لچکیلے، بل کھاتے سراپے کو دیکھا۔ اسے غصہ تو بہت آیا، مگر یہ سوچ کے لحاظ کر گیا کہ بھابھی کی بھانجی ہے۔ کہیں اونچ نیچ ہو گئی تو خوامخواہ طوق اس کی گردن میں آجائے گا۔ ویسے بھی وہ بھیا کے غصے سے ڈرتا تھا۔ وہ پہلے ہی اس کی سرگرمیوں سے نالاں تھے۔ اس کی بے کاری پر تنقید کرتے رہتے۔ بلاوجہ بات بڑھ جاتی۔ اس نے دل میں ٹھان لی کہ اسے پیار محبت ہی سے رام کرے گا۔

☼ ☼ ☼

وہ نہا دھو کر تازہ دم ہو کر کمرے سے باہر آیا تو ماں جی صوفے پر ہشاش بشاش سی براجمان تھیں۔ انہوں نے تیل ڈال کر بہت کس کر چوٹی گوندھی ہوئی تھی۔ اس سے ان کا چہرہ کچھ اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ ابھی صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ کمرے کے دروازے سے باہر نظر پڑ گئی۔ وہ وہیں دیوار تلے رکھے گملوں میں کھلے پھولوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح اس کے انداز میں بے نیازی سی تھی۔

"مالا... مالا! یہاں آؤ۔" بھابھی نے اسے آواز دی تو وہ اس طرف چلی گئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ گود میں ڈیڑھ سالہ توحید کو اٹھائے وہیں پودوں کے پاس آگئی اور اسے زمین پر کھڑا کر کے کچھ فاصلے سے اپنے پاس بلانے لگی۔ توحید لڑکھڑاتا قدم جمانے کی کوشش کرتا دو چار قدم چلا، لیکن اسے گرنے سے پہلے ہی اس نے سنبھال لیا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ توحید بھی کھل اٹھا۔

"مالا... مالا..." اسی وقت پڑوس سے حنیفہ اسے آواز دیتے ہوئے داخلی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

دونوں بڑھ کر گلے ملیں اور وہیں پتھریلی بینچ پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ ننھا توحید اس کے پاس ہی اس کے گھٹنے پکڑ کر کھڑا تھا۔ دو، تین مہینوں میں ہی اس نے حنیفہ سے ایسی دوستی گانٹھ لی تھی، جیسے برسوں پرانی دوستی ہو۔

خاور کو اس وقت حنیفہ سے بے حد جلن محسوس ہوئی۔ یہ کوشش تو وہ بھی کب سے کر رہا تھا، مگر ابھی تک ناکام تھا۔ عید سے ایک ماہ پہلے سے اس نے یہاں ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ آئی تو وہ بھابھی کا خیال رکھنے کے لیے تھی کہ عید کے بعد ان کے ہاں ڈلیوری متوقع تھی، مگر اس مختصر عرصے میں سب کے حواسوں پر اور خاور کے دل پر چھا گئی تھی۔ اسے زیر کرنا خاور نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ ادھر ماں جی اس سے بہت بے زار سی نظر آرہی تھیں۔

"مالا... مالا... مالا... توبہ! ہر وقت ناہید اس کے نام کی مالا جپتی رہتی ہے۔ عجیب سی اور بہت چنٹر مٹروالی لڑکی ہے۔ فتنہ ہے فتنہ۔" ماں جی نے لب کشائی کر ہی لی۔

"خیریت ہے ماں جی! کیا ہوا؟" اس نے ناراض سی ماں جی کو دیکھ کر پوچھا۔

"ارے! ہونا کیا ہے سارے گھر میں پھرکی کی طرح ناچتی رہتی ہے۔ کبھی ادھر، تو کبھی ادھر، ذرا جو کچھ کام کہہ دو تو "جی اچھا!" کہہ کر چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتی ہے، پھر شکل ہی نہیں دکھاتی اپنی۔ کام چور کہیں کی۔" ماں جی تو ناک تک اس سے بے زار نظر آرہی تھیں۔

"کیا کام ہے، آپ مجھے بتا دیں، میں کر دیتا ہوں۔" ان کا خیال کر کے اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"نہ بھئی! بخشو مجھے۔ پہلے تم وہ کام کرو جو تمہارے کرنے کا ہے۔ وہ تمہارا بھیا یاور پہلے ہی تمہارے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اس کی جورو اس کے کان بھرتی رہتی ہے۔ ابھی کل بھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ خاور کوئی کام کیوں نہیں کرتا۔ کہیں جاب کیوں نہیں کرتا۔" وہ الٹی مجھ پر برس پڑیں۔

"تو آپ نے ان سے کہا نہیں کہ وہ کوششوں میں لگا تو ہوا ہے، ماں جی! دن رات ان ہی کوششوں میں لگا ہوں، آپ کو معلوم تو ہے۔" اس نے مظلومیت کا ڈھونگ رچا کر فوراً ان کی ہمدردیاں بٹورنے کی کوشش کی۔

"تو میرے بچے! وہ تو اپنی جورو کی زبان سمجھتا ہے نا۔ اب اوپر سے یہ فتنی آگئی میرے کلیجے پر مونگ دلنے کو... ارے! آج صبح ہی کی بات ہے میں نے یاور سے کہا کہ سارا سارا دن بے کار پھرتی رہتی ہے۔ کسی کام کی۔ نہ کاج کی، اڑوس پڑوس میں جھانک لے گی یا پھر زبان چلا لے گی۔ کبھی کوئی کام کہہ دوں تو اس کی جان نکل جاتی ہے۔ کچن کا سارا کام ناہید ہی کر رہی ہے، یہ کون سا ہاتھ بٹا رہی ہے اس کا۔ فالتو میں یہاں دندناتی پھر رہی ہے، تو پتا ہے اس نے کیا کہا؟" ماں جی نے دکھ بھری نظروں سے خاور کی طرف دیکھا۔

"کہنے لگا، ماں جی! وہ یہاں نوکرانی بن کر نہیں آئی۔ سارا دن وہ توحید کو سنبھالتی ہے، ناہید کے کپڑے دھوتی ہے، استری کرتی ہے، اے! میں نے صرف اتنا ہی تو کہا تھا کہ میری چوٹی بھی گوندھ دے، مگر یاور نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ میرے سامنے اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی حمایت کی، اس نے شاید ہماری باتیں سن لیں۔ ابھی تمہارے آنے سے پہلے زبردستی میرے منع کرنے کے باوجود میرے سر میں تیل لگا کر اس قدر کس کر چوٹی گوندھ کر گئی ہے کہ جڑیں کھنچتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔" کہتے کہتے ماں جی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اسی وقت وہ بلائے جان کی طرح پھر حاضر ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔

"لیجیے! گرم گرم چائے کے ساتھ مزے دار پکوڑے۔" اس نے اسٹائل سے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

خاور کو تو ویسے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے بے صبری سے ایک پکوڑا اٹھا لیا۔

"دیکھ کر، گرم ہیں... گرم گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ منہ تک لے جاتا، اس نے معنی خیزی سے ٹوک دیا۔

اس کی مسکراہٹ اس وقت جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی، مگر حسب پروگرام وہ کمال ڈھٹائی سے اس کا یہ طنز بھی پی گیا۔

"خوشی ہوئی کہ کسی بھی بہانے اپنا تو سمجھا۔" اس نے دبے انداز میں برجستہ جملہ چست کیا۔

"خوش فہمی ہے جناب کی... اور کچھ نہیں۔" اس نے تیکھی مسکراہٹ سے سخت لہجے میں کہا۔

"صرف خوش فہمی ہے، غلط فہمی تو نہیں ہے نا... کیوں؟" اس نے براہ راست اس کے دل کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

اس کے چہرے پر رقصاں مسکراہٹ ایک آن میں غائب ہو گئی۔ اس نے ماں جی کو چائے کی پیالی دی، پھر اس کی طرف مڑی۔

"پیدائشی پاگل پن کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔" اس نے حد درجہ غرور سے کہا۔ وہ یہ جملہ کہہ کر رکی نہیں۔ سیدھی کمرے سے باہر چلی گئی۔

ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

وہ زیر لب شعر کو بار بار دہرا کر اپنے دل کی جلن کو دور کرتا رہا۔

اسی طرح ہر بار وہ اس کو ٹھکرا دیا کرتی تھی۔ کبھی کسی وقت بھی اس نے اپنے کسی بھی عمل سے اس کی پذیرائی نہ کی تھی اور جوں جوں وہ اسے دھتکار رہی تھی وہ اتنا ہی اسے زیر کرنے کے لیے اس پر مائل بہ کرم ہو رہا تھا۔

پہلی بار کسی لڑکی نے اسے رَد کیا تھا۔ اس کی شخصیت کو نظر انداز کیا تھا۔ اسے بار بار کامنی سی ماریہ یاد آرہی تھی۔ اس قدر جاذب نظر اور پرکشش لڑکی تھی کہ اس پر پہلی نظر ڈالتے ہی اسے ماریہ سے محبت ہو گئی تھی۔ اسے ہر وقت اپنی ڈریسنگ اور گرومنگ کی فکر رہتی تھی۔ جب بھی نیا لباس پہنتی، بار بار اس سے پوچھتی رہتی کہ "کیسی لگ رہی ہوں۔" جب بالوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسٹائل بدلتی تو جب تک وہ تعریفوں کے پل نہ باندھ لیتا' وہ اس کی جان نہ چھوڑتی۔۔۔ لیکن پھر کچھ عرصہ اس کے ساتھ گزارا تو وہ اس کے دل سے اتر گئی' کیونکہ وہ ہر وقت خاور کو اپنا جادوئی آئینہ سمجھ کر اس سے اپنی تعریف وصول کرنا چاہتی تھی اور ایسی لڑکی کے ساتھ ساری عمر گزارنے کا تصور اس کے لیے سوہان روح تھا۔ وہ جورو کا غلام بن کر زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا' کیونکہ ابھی اسے ستاروں سے آگے اور جہاں بھی دیکھنے تھے۔

ویسے بھی وہ نئی نسل کا نمائندہ تھا اور نئی نسل کے اس خیال سے سو فیصد متفق تھا کہ۔

چاند کو بھی مل گئی چاندنی تاروں کا کیا ہوگا
محبت ایک سے کرلی تو ہزاروں کا کیا ہوگا

سو بڑی صعوبت کے بعد وہ ماریہ سے یہ کہہ کر جان چھڑا پایا تھا کہ ابھی اسے اپنا کیریر بنانے میں چھ' سات سال لگیں گے اور کیریر بنے بغیر ماں جی کہیں بھی اس کا رشتہ لے کر نہیں جائیں گی۔

وہ اتنے سال انتظار نہیں کرسکتی تھی' کیونکہ اس کے بہت رشتے آرہے تھے۔ یوں ماریہ کی محبت اپنے اختتام کو پہنچی۔

اور ماہ نور تو واقعی بے حد خوب صورت اور لاجواب لڑکی تھی۔ وہ محبت کے معاملے میں بھی بہت محتاط تھی۔ بہت ردّ و کد اور نخروں کے بعد اس نے خاور کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔ ان دنوں وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ ماہ نور ہی اس کی منزل ہے۔ مگر یہاں ماہ نور کی لالچ آڑے آگئی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ آئے روز اسے بیش قیمت تحائف دے جو وہ افورڈ نہیں کرسکتا تھا' سو بڑی مشکل سے اس نے ماہ نور سے جان چھڑائی۔

بے شمار ناموں کی فہرست اس کے دل میں محفوظ تھی۔ ستارہ' فریحہ اور رمشا بھی اسے اچھی طرح یاد تھیں۔ ان سب نے اس پر اپنی محبتیں نچھاور کی تھیں۔ وہ سب اس کی ایک نظر کے اشارے پر اس کے آگے بچھ جاتی تھیں۔ مگر یہ مالا تو بہت ہی محتاط اور تیز نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

اسے ایک نجی کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ یاور بھیا تو بے حد خوش ہوئے۔ اس خوشی کے موقع پر انہوں نے گھر میں ہی ایک چھوٹی سی پارٹی ترتیب دی۔ ان کی بیگم تو اپنی طبیعت کی وجہ سے ست سی تھیں۔ زیادہ تر انتظام مالا نے ہی سنبھالا۔

بڑے دنوں بعد بغیر کسی طنز و طعنے کے وہ سب اکٹھے بیٹھے۔ اس روز مالا کے چہرے پر بھی ایک چمکتی سی مسکراہٹ تھی۔۔۔ بے ریا مسکراہٹ۔۔۔ جو اس کا دل لوٹ رہی تھی۔

پارٹی کے اختتام پر اس نے بھیا' بھابھی' اماں کو تحائف دیے اور ایک خاص تحفہ مالا کو بھی دینا چاہا۔

"شکریہ۔۔۔ میں یہ نہیں لے سکتی۔" اس نے خشک انداز میں جواب دیا۔

"مگر کیوں۔۔۔" اسے سبکی سی محسوس ہوئی۔

"اس لیے کہ میرا اور آپ کا ایسا کوئی خاص رشتہ نہیں ہے۔" اس نے تکلف سے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر وہاں سے باہر چلی گئی۔ یاور بھیا اس کے پیچھے پیچھے ہی کمرے سے نکلے تھے۔ شاید اسے سمجھانے کے لیے۔

"لو بھلا' کیا فتنہ خیز معصومیت ہے۔ اسے کہتے ہیں ڈورے ڈالنا۔ زبردستی کی رشتہ داری جوڑنا۔۔۔ کس قدر چلتر ہے کہ اپنے منہ آپ ہی اپنا رشتہ جوڑ رہی ہے۔" ماں جی کو بے تحاشا غصہ آیا۔

"ارے! میں تو پہلے ہی سوچ رہی تھی کہ یہ کوئی نہ کوئی افسانہ ضرور بنائے گی۔ ایسی تتیا ہری مرچ لڑکی' توبہ توبہ۔۔۔"

ماں جی کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔ وہ بددلی سے وہاں سے اٹھ کر باہر آیا تو وہ وہیں چمپا کے درخت تلے کچھ خاموش اور سنجیدہ سی کھڑی تھی۔

"کسی کی دل شکنی کرنا بہت بری بات ہوتی ہے۔ میرا تحفہ لوٹا کر تم نے میرا دل توڑ دیا۔" اس کے پاس

جا کر اس نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" وہ کچھ جھنجھلا کر بولی۔

"تمہیں۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

اس لمحے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں قمقمے سے جل اٹھے۔ دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں تو پلکوں کی جھالر مرتعش سی ہوگئی۔ خاور کے دل کو بھی چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا' جیسے سچ مچ ہی دل پر وارادات ہوئی ہو۔ نہ جانے کب' کیسے اس نے اس کا تحفہ قبول کرلیا تھا۔ اس روز سے خاور ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اس نے اس ساحرہ کو بالآخر تسخیر کر ہی لیا تھا۔ اس کی لمبی فہرست میں اب "کشمالہ" کا بھی اضافہ ہوگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دن بڑے جادو بھرے تھے جیسے کسی جادو نگری میں دو محبت کرنے والے اڑن کھٹولے پر بیٹھے آسمانوں کی سیر کرتے پھر رہے ہوں۔ بلندیوں کو چھوتے پھر رہے ہوں۔ شامیں حسین اور رنگین ہوگئی تھیں۔ اب نہ وہ اس سے کتراتی تھی' نہ اسے گھورتی تھی اور نہ اس سے خار کھاتی تھی۔ وہ اکثر شام کو مل بیٹھ کر گپ شپ کرلیتے۔ اس نے اسے شاعری کی کتاب کا تحفہ بھی دیا' جسے اس نے خوش دلی سے قبول کرلیا۔ اکثر ان دونوں کا موضوع کسی بھی شعر کی رومانوی اور جذباتی کیفیت ہوتا اور اسی دوران وہ اس پر اپنے جذبات بھی عیاں کرتا جاتا۔

"یہ شعر تو میرے دل کی ترجمانی کر رہا ہے۔ تم ہی میرا آسمان ہو' میرا خواب ہو۔"

وہ بلا جھجک سراہتا اور اس لمحے اس کے چہرے پر بڑے خوب صورت سے رنگ بکھر جاتے۔ وہ اس کی مرضی اور منشا کے مطابق اس کی طرف نہ صرف مائل ہوگئی تھی' بلکہ اس نے اس کی محبت کو سچا سمجھ کر تسلیم بھی کرلیا تھا اور اب وہ وقت قریب آتا جا رہا تھا کہ وہ اسے آسمان سے زمین پر پٹختا۔ اپنے مجروح اور شکستہ جذبات کا انتقام لے کر اسے اس کی اوقات یاد دلاتا۔

"اونہہ! بہت اکڑتی تھی۔۔۔ مگر کیسے میرے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔" وہ دل ہی دل میں اپنے منصوبوں اور اس کی شکست پر ہنس رہا تھا۔

اپنی جیت اور اس کی ہار کا تماشا دیکھنے کے لیے فی الحال تو اس نے اسے نظر انداز کرنا شروع کردیا تھا۔ جب وہ تڑپتی' شکایت کرتی تو اس کے اندر کی جلن پر ٹھنڈے سے چھینٹے پڑتے' مگر وہ چند دن اور چوہے بلی کے اس کھیل کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اسی لیے بظاہر مخلص بنا اس کے آنسو بھی پونچھتا' اس کو لطیفے سنا کر ہنساتا بھی تھا۔

ماں جی سب دیکھ رہی تھیں۔ ان کی گھاگ نظروں نے محبت کے اس کھیل کو پہچان لیا تھا۔ وہ برملا کشمالہ کو برا بھلا کہتی تھیں' تاکہ وہ کشمالہ سے بددل ہوجائے۔ اسے یقین تھا کہ کشمالہ کا دل توڑنے پر ماں جی کی طرف سے کوئی سرزنش نہ ہوگی۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے کھیل کا ڈراپ سین کرتا' گھر میں ہلچل سی مچ گئی۔ ناہید بھابھی ڈلیوری کے لیے اسپتال پہنچ گئیں۔ گھر کا نظام مختصر دورانیہ کے لیے تتر بتر ہوگیا' مگر کشمالہ نے بخوبی گھر سنبھال لیا۔ ان دنوں اسے سر اٹھانے کی فرصت نہ تھی۔ وہ کچن میں مصروف ہوتی تو روتے دھوتے توحید کو خاور کی گود میں ڈال دیتی۔ کبھی بھابھی کے لیے سوپ بنا رہی ہوتی تھی' تو توحید کی فیڈر بھی اسے تھما دیتی اور وہ توحید کو سنبھالنے پر بلاوجہ اس سے الجھ بیٹھا۔ جان بوجھ کر اسے باتیں سناتیں۔ اس پر یہ ظاہر کیا کہ وہ ان باتوں کو اور ان کاموں کو ناپسند کرتا ہے' نیز یہ کہ کشمالہ نے اسے بہت مایوس بھی کیا ہے۔

اس وقت اس کے چہرے پر حیرت اور رنج کے تاثرات ابھر آئے۔ شاید وہ اس سے ناراض بھی ہوگئی تھی۔ وہ روئی بھی تھی۔ اس کا شبنم سے دھلا چہرہ اور پلکوں پر چمکتے موتی دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو پشیمان سا ہوگیا۔

ساری رات اسے نیند نہ آئی۔ نہ جانے اسے کیا بے سکونی تھی۔ بھابھی کا کیس سیریس تھا۔ انہیں وہیں روک لیا گیا تھا اور ڈاکٹرز نے آپریشن تجویز کیا تھا۔ صبح وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھا تو طبیعت میں گرانی تھی۔ اعصاب بوجھل سے تھے۔ کشمالہ کا دل دکھا کر اسے اپنے دل پر بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ شاید وہ بھی اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ اس خیال کو جھٹکنا اس کے لیے آسان نہ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیت سے پریشان ہو کر باہر آیا تو مزید جھٹکا لگا۔

میز صاف ستھری پڑی تھی۔ ناشتے کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ کچن میں گیا تو برتن دھلے ہوئے تھے۔ چائے کا پانی بھی نہیں پکا ہوا تھا۔

"ناشتا....." اسے سامنے دیکھ کر اس نے فوراً" کہا۔

"خود بنالو۔ میں توحید کے کپڑے بدل رہی ہوں اور ناشتے کے بعد اسپتال میں کچھ سامان دے آنا۔ یہ رکھی ہے باسکٹ۔" پھر توڑ انداز میں جواب آیا۔

اس نے پھر خود پر بے گانگی کا خول چڑھالیا تھا۔ خود کو مصروف ظاہر کرکے اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

"شٹ..... خوامخواہ میں اس کی محبت میں دبلا ہو رہا تھا۔ بھاڑ میں جائے ایسی محبت۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے محبت پر لعنت بھیجی۔

سچ تو یہ تھا کہ رات بھر کی پریشانی کے بعد اس وقت اسے کشمالہ کی محبت پر حرف آخر پڑھتے ہوئے کوئی دکھ نہ ہوا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بھی اس کے لیے تڑپ رہی ہوگی، مگر یہاں ایسا کچھ نہ تھا۔

بھابھی چار دن بعد ڈسچارج ہو کر گھر آئیں تو مصروفیت اور بھی بڑھ گئی اور مالا تو جیسے اسے بھول ہی گئی تھی۔ اسے تو سر اٹھانے تک کی فرصت نہ تھی۔ گھر میں مہمان داری بھی ہو رہی تھی۔ گھر بھی سنبھال رہی تھی اور نئے مہمان کو بھی اسے ہی دیکھنا پڑ رہا تھا کہ فی الحال بھابھی اس پوزیشن میں نہ تھیں کہ گھر بار اور بچے کو سنبھال سکیں۔

ماں جی کا بڑھاپا اور سو طرح کی بیماریاں تھیں۔ وہ بھی کسی قابل نہ تھیں، بس کچھ دیر نومولود کو گود میں لے کر پچکار لیتیں۔

ایک ہنگامہ ختم ہو رہا تھا تو ایک شروع ہو رہا تھا۔ ادھر بھابھی کے کیس سے فراغت ہوئی تو، ادھر بقرعید سر پر کھڑی تھی۔ اس کی الگ گہما گہمی تھی۔ اب بکرا کہاں سے آئے۔ بھابھی کے کیس پر پچاس ہزار خرچ ہو گئے تھے۔ یاور بھیا تو فی الحال قربانی کے موڈ میں نہ لگ رہے تھے اور خاور ابھی اس قابل نہ تھا۔ مگر ماں جی کو ایک ہی دھن سوار تھی کہ قربانی ہر حال میں کرنی ہے۔

"گلی، محلے میں سب کے ہاں بکرے آگئے، ایک ہمارے ہی گھر میں ویرانی ہے۔ مجھے نہیں معلوم، بس! بقرعید پر قربانی ضرور کرنی ہے۔"

"ناہید کے کیس پر پچاس ہزار خرچ ہو گئے ہیں۔ کہاں سے لاؤں رقم..... پہلے ہی قرض دار ہو گیا ہوں۔" وہ دہائی دینے لگے۔

"نوج.....! یہ آج کل کے نامراد ڈاکٹر، کسی کام کے نہیں..... کاٹ پیٹ کے بھی ڈال دیتے ہیں اور ڈھیر پیسے بھی اینٹھ لیتے ہیں۔ ارے! پہلے بھی تو بچے ہوتے تھے۔ اس طرح تو کوئی گلا نہیں کاٹتا تھا کسی کا..... دس، دس، بارہ، بارہ بچے ہوتے تھے۔ نہ کوئی حساب، نہ کتاب۔" ماں جی بولنا شروع ہوئیں تو بولتی چلی گئیں۔

"یعنی بے حساب بچے۔" خاور قہقہہ مار کر ہنسا۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی، مگر کشمالہ سپاٹ سا چہرہ لیے کھڑی رہی۔ وہ اس سے سخت ناراض تھی اور پہلے کی طرح کٹیلی نظروں سے اسے گھور رہی تھی، مگر اسے اب پروا نہ تھی کہ اپنا گیم تو وہ کھیل چکا تھا اور اسے نیچا دکھا چکا تھا۔

ماں جی اور یاور بھیا میں بکرے پر خاصی تکرار ہوئی، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ماں جی ناراض سی ہو گئیں۔ سب گھروں سے بکروں کے بولنے کی آوازیں اور پایل کی چھن چھن آرہی تھی۔ مگر ہمارے گھر میں ویرانی تھی۔ بقرعید میں بھی بس ایک دن رہ گیا تھا۔

اس روز وہ شام ڈھلے یار دوستوں کے سنگ گھوم پھر کر گھر میں داخل ہوا تو چونک گیا۔ سامنے ہی دیوار کے پاس موٹا تازہ بکرا بندھا چارہ کھا رہا تھا۔

"اوہ..... واٹ آ گریٹ سرپرائز..... یہ کہاں سے آیا؟" اس نے خوش ہو کر ماں جی سے پوچھا۔

"یہ سب ناہید کا کمال ہے۔ بہت اچھی ہے میری بہو۔" ماں جی نے محبت سے کہا۔

"واؤ..... تو بے چاری ناہید بھابھی نے اپنا زیور بیچ دیا۔" اسے بھابھی کے اخلاص پر رشک آیا۔

کچن میں اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ ناہید بھابھی بھی کشمالہ کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔

"ارے! عید سے پہلے عید..... گھر میں کوئی دعوت ہے کیا؟" اس نے ناہید بھابھی سے پوچھا۔

"باجی اور بھائی جان آرہے ہیں کشمالہ کو لینے..... اس بار وہ عید بھی یہیں کریں گے۔" بھابھی نے اطلاع دی، البتہ کشمالہ نے نظر اٹھا کر بھی اسے نہ دیکھا۔

وہ ایک شوخ سے گانے کی دھن زیر لب گنگناتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا کہ ابھی اسے اپنے بقرعید کے کپڑے بھی استری کرنے تھے اور بھی بہت سی تیاریاں کرنی تھیں۔ کشمالہ کے امی، ابا کب آئے۔ اسے معلوم نہ ہوا۔ وہ تھک ہار کر ایسا بے سدھ سویا کہ رات کا کھانا بھی نہ کھایا۔

اگلے روز بقرعید تھی۔ دیوار تلے بکرا بیٹھا جگالی کر رہا تھا۔ یاور بھیا عید کی نماز پڑھ کر قصائی کو لینے گئے ہوئے تھے۔ وہ ماں جی کے پاس چلا آیا، جہاں کشمالہ کے امی، ابو سے پہلی بار ملاقات کی۔ کشمالہ ہنوز سنجیدہ سی بیٹھی ہوئی تھی، مگر اس اداسی میں بھی اسے قیامت لگ رہی تھی۔ اس نے قصداً" اس سے نظر چرالی۔

"خاور بیٹا! یہ کشمالہ کی امی اور ابو ہیں اور آج تمہاری اور کشمالہ کی منگنی کا سرپرائز بھی ہے۔" ماں جی کا انکشاف کسی زلزلے سے کم نہ تھا۔

"آپ لوگ لاؤنج میں آجائیں۔ یاور بھی آگئے ہیں۔ وہیں پر رسم رکھ لیتے ہیں۔" بھابھی نے آکر اطلاع دی۔

سب لوگ اٹھ کر ادھر چل دیے۔ اس نے ماں جی کے دوپٹے کا کونا پکڑ کر روک لیا۔

"یہ سب کیا ہے ماں جی! وہ پٹاخہ..... وہ تو آپ کو بالکل پسند نہیں تھی۔" اس نے ناراضی سے کہا۔

"ارے! سمجھا کرو..... وقت کی چال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ [illegible] اتنی بھی بری نہیں ہے۔ خود میرے سامنے اس نے اتنی ذمہ داری سے سارا گھر سنبھالا ہے۔ ذرا سی مزاج کی تیز ہے وہ۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے تو ناہید نے ہی بتایا کہ اس کی باجی کے گھر میں یہ رواج ہے کہ منگنی اور شادی کے بعد بیٹی کی سسرال میں سالم بکرا بھیجا جاتا ہے۔ بس یہ آئیڈیا مجھے پسند آگیا۔ عزت بھی رہ گئی اور کام بھی ہو گیا۔" انہوں نے اصل بات بتائی، جسے سن کر وہ چکرا کر رہ گیا۔

یہ تو سیدھا سیدھا ایک سودا ہو گیا تھا اور کسی کے لیے یہ سودا برا نہیں تھا۔ اسی کی مرضی جاننے کی کسی نے کوشش ہی نہ کی۔

"کہاں رہ گئے بھئی! جلدی آؤ، پہلے رسم کرلیں، پھر بکرے کی قربانی بھی کرنی ہے۔"

یاور بھیا اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آگئے اور بازو سے پکڑ کر لاؤنج میں لے گئے۔ خوشیوں، محبتوں اور مبارکوں کے ساتھ اسے انگوٹھی پہنا کر مٹھائی کھلائی گئی اور ادھر ماں جی نے کشمالہ کو انگوٹھی پہنائی۔

یاور بھیا رسم کے فوراً" بعد بکرے کے گلے پر چھری پھیرنے چلے گئے کہ قصائی آچکا تھا۔ جس وقت وہ بکرے کے گلے پر چھری پھیر رہے تھے تو اسے لگ رہا تھا کہ چھری بکرے کے گلے پر نہیں، اس کی گردن پر چل رہی ہے۔ اس کی نظریں بے اختیار ہی کشمالہ سے ملیں تو کٹارا سی آنکھوں کا خنجر دل میں اترتا چلا گیا۔

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ خبطی سی دیوانی سی	500/- روپے
آرزو نکھر آئی	450/- روپے
تھوڑی دور ساتھ چلو	400/- روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سدرۃ المنتہیٰ

بے رُخی

"کچھ دروازے، کھڑکیاں ہمیشہ بند کیوں رہتی ہیں؟"

بند کھڑکی کو تکتے ہوئے اس نے سوچا۔ اس کے پاس لاتعداد "کیوں" تھے اور جواب کسی کا نہ تھا۔

"سنو عارفہ! وہ آیا ہے تم سے ملنے۔" ماہین کے لہجے میں کھنک تھی۔ "میں نے کہا تھا نا کہ وہ ضرور آئے گا۔ دیکھا! وہ آگیا ہے۔" وہ جتانا نہ بھولی تھی۔

"اتنے عرصے بعد، اتنی اچانک، کیوں، کس لیے؟"

اچانک امڈ آنے والے سوالات سے دامن بچا کر وہ اٹھی مگر کمرے کے دروازے پر ہی رک گئی۔ "کیوں اور کس لیے۔" تیکھے سوال چبھ رہے تھے، اس کے قدم روک رہے تھے۔

وہ سامنے سے آرہا تھا۔ ویسے ہی ہنستا مسکراتا، کھلا ہوا چہرہ، جیسے کل کی بات ہو۔ وہ اسے نظر انداز کر کے بالکونی کی طرف چلی گئی۔

"تمہیں میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟" وہ اس کے پیچھے ہی آگیا۔

"مجھے اب کسی چیز کی خوشی نہیں ہوتی۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔

"ہونی چاہیے تھی۔ میں اتنی دور سے آیا ہوں۔ میں نے سوچا، تم اتنے سالوں بعد مل کر خوش ہو جاؤ گی پہلے کی طرح۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بدل سکتی ہو۔ تمہارا انداز بدل سکتا ہے۔ محبت بدل سکتی ہے۔" لہجہ جتنا سخت تھا، شکوہ اس سے زیادہ۔

"محبت نہیں بدلتی فرید! ہم بدل جاتے ہیں۔"

"تو تم ہی بدل گئی ہو نا؟" پہلی دفعہ اس کے اپنی جانب دیکھنے پر آنکھوں میں جھانکا، جہاں کوئی نرم تاثر تھا نہ چمک، نہ کوئی احساس۔ دشت جیسی دھول اڑ رہی تھی ویران آنکھوں میں۔

"پہلے تمہارے خط بند ہوئے، پھر فون کالز، پھر ٹیکسٹ میسج، پھر سب کچھ۔ پہلے خط کا جواب نہ ملتا تھا، پھر کالز ریسیو نہ ہوتی تھیں، پھر ٹیکسٹ کی ڈیلیوری رپورٹ آنی بند ہو گئی اور میں چپ ہو گئی۔" اسے بھی شکوے تھے۔

"اور تم چپ ہو گئیں۔ یہی تو بات ہے۔ تم نے مجھ سے شکوہ نہ کیا، بات نہ کی، گلہ نہ کیا، مجھے اکسایا نہیں۔۔۔ پہلے بھی تو میں تمہارے خطوط کے جواب نہیں دیتا تھا۔ پہلے بھی پہلی کال پر ریسیو نہیں کرتا تھا۔ پہلے بھی کئی دنوں بعد ٹیکسٹ دیکھتا تھا۔ دس میسج کا ایک جواب دیتا تھا۔ مگر پہلے تو تم شکایت کرتی تھیں، گلے شکوے کرتی تھیں۔"

"پہلے جیسا اب کچھ بھی نہ رہا۔ وقت کے ساتھ تم بدل گئے تو میں کب تک اسی جگہ کھڑی رہ سکتی ہوں؟" پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا گیا۔

"کسی اور کو چاہنے لگی ہو، میری امانت میں خیانت؟" لہجہ تیز تھا۔

"چاہنے لگی ہوں تمہاری طرح۔ یہ رستہ تم نے ہی مجھے دکھایا ہے فرید حسین!"

"تم نے میرے نام کی انگوٹھی

امانت تھیں تم میری۔" وہ بھڑکا۔

"تم بھی میری امانت تھے۔ تم نے بھی میرے نام کی انگوٹھی پہن رکھی ہے۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"میں نے کچھ ایسا غلط تو نہیں کیا اور پھر میں لوٹ بھی تو آیا ہوں۔" اس کا لہجہ کمزور ہوا تھا۔

"میں اگر اتنی دور تک نکلتی اور واپس آتی تو کیا تم مجھے قبول کر لیتے؟" لہجے کی مضبوطی کم نہ ہوئی تھی۔

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا عارفہ! ایک لڑکی ہی پسند کی تھی۔ اس سے دوستی کر لی۔ مگر شادی تو بہرحال مجھے تم ہی سے کرنی تھی۔ جب ہی میں اسے چھوڑ کر لوٹ آیا ہوں۔"

"میں نے بھی کوئی گناہ نہیں کیا۔ ایک لڑکا ہی پسند کیا ہے، مگر اس سے دوستی نہیں کی۔ مجھے کسی نہ کسی سے شادی تو کرنا ہی تھی۔ تم شادی کر کے بیٹھ جاتے اور میں تاعمر آنسو بہاتی بیٹھ کر۔۔۔ صرف اپنی محبت اور سچائی ثابت کرنے کی خاطر میں اپنے والدین، اپنے بہن بھائی سب کو پریشان کیے رکھتی۔"

"مجھے نہیں پتا تھا کہ عارفہ بھی بدل سکتی ہے کبھی۔ جو میرا اتنا خیال رکھتی تھی، جو مجھے اتنا چاہتی تھی، جو میرے بغیر رہ ہی نہیں سکتی تھی۔"

"اسے اپنے بغیر رہنے کی عادت تم نے ڈالی ہے فرید! اسے بے وفائی کرنا بھی تم نے سکھائی اور بے رخی بھی۔" اس کی آنکھ میں نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو آگئے۔

"اسے محبت کرنا بھی تو میں نے ہی سکھائی تھی۔" پہلی بار لہجہ پگھلا تھا۔

"اس نے محبت کے نام پر بہلنا چھوڑ دیا فرید! محبت پر جب بے رخی کی گرد جمی تو محبت گرد آلود ہو گئی۔ ہر چیز کی شروعات تم سے ہوئی۔ محبت کی بھی، اظہار کی بھی اور پھر بے رخی کی بھی، بے وفائی کی بھی۔"

"اب تمہارے پاس لوٹ کر بھی میں ہی آیا ہوں۔ منانے میں پہل بھی تو میں ہی کر رہا ہوں عارفہ!"

"اب وہ محبت شاید میں آپ کو نہ دے سکوں، وہ توجہ۔۔۔ وہ احساس۔"

"میں نے تو تمہیں بہت کچھ دیا تھا عارفہ! بہت سارے خواب، محبت، پیار کا احساس۔" وہ اپنے احسانات جتا رہا تھا۔

"میں نے بھی تو اس سب کے جواب میں تمہاری پوجا کی تھی۔ تم نے سب کچھ دے کر واپس لے لیا تو مجھے صبر تو کرنا ہی تھا۔ عورت کو سراہا جائے تو وہ خوش ہو جاتی ہے اور مرد پوجا کروا کے بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ میں نے تو تم سے کوئی شکوہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ تم بہت دور چلے گئے۔ میں نے سوچا کہ شاید ہماری رفاقت کی عمر اتنی ہی تھی۔ جو چیز میری نہیں ہے، وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کسی سے زبردستی نہیں چھین سکتی۔ مجھ پر تمہارا اور تم پہ میرا صرف منگنی کا لیبل ہی تو لگا تھا۔ ہم کسی مضبوط تعلق میں کہاں بندھے تھے۔ میں تمہیں روک نہیں سکتی اور اب یہ لیبل بھی باقی رکھ کر کیا کرنا ہے۔" اس نے بڑے ٹھہراؤ سے اپنی بات مکمل کرکے اس نے انگوٹھی لوٹا دی۔

"تم مجھے چھوڑ رہی ہو' ٹھکرا رہی ہو مجھے؟" وہ حیرت زدہ تھا۔

"میں خود پر لگا فرید حسین کا لیبل اتار رہی ہوں۔ جب میرا دل ہی اس کا نہیں رہا تو نام کا کیا فائدہ۔ میں تمہاری طرح منافق نہیں ہوں۔" وہ رکی نہ تھی بات ختم کرکے۔

"تم بہت برا کررہی ہو عارفہ احمد! بہت برا۔ پچھتاؤ گی بری طرح۔" وہ انگوٹھی ہاتھ میں لیے بڑبڑاتا ہوا سیڑھیاں اتر گیا۔

ماہین پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

"تم نے بہت برا کیا۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر ایسا ہی کرنا تھا تو اس کا انتظار کیوں کیا۔ وہاں شادی کیوں نہ کی۔ جہاں ابا چاہ رہے تھے۔" ماہین کو اس سے شکوہ تھا۔

"وہ بھی تو ٹھکرائے جانے کی ذلت سے گزرے۔ اسے بھی تو پتا چلے کہ سراہے جانا میری کمزوری نہیں ہے' پوجے جانا اس کی کمزوری ہے۔ اسے بھی تو پتا چلے کہ بے رخی کیا ہوتی ہے اور بے وفائی کیا ہوتی ہے' جب اس نے مجھے ٹھکرایا تھا' تب اسے کسی نے نہ کہا کہ تم پچھتاؤ گے۔ تم برا کررہے ہو۔ جب اس نے مجھے چھوڑا تھا' میں نے صبر کرلیا تھا لیکن مجھے پتا ہے کہ وہ صبر نہیں کرے گا۔ اسے صرف ٹھکرائے جانے کا غصہ ہے' پوجے نہ جانے کا دکھ ہے۔ اسی لیے وہ مجھے دھمکی دے کر گیا ہے۔"

اس نے کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔

ماہین خاموش کھڑی بند دروازے کو گھورتی رہی۔

اسے پتا تھا وہ اندر بیٹھ کر بہت روئے گی۔ اسے یہ نہیں پتا تھا کہ اس نے اب رونا چھوڑ دیا ہے۔

اسے صرف یہ تعجب تھا کہ اس نے فرید کو کیسے چھوڑ دیا۔ وہ فرید کو منانا چاہ رہی تھی اور اسے بھی۔ اسے اندازہ تھا یہ اب خاصا مشکل کام ہے۔

☼ ☼ ☼

مرد کبھی بھی شکست کو آسانی سے تسلیم نہیں کرتا۔ اس نے بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ سامنے میز پر پڑی۔ وہ انگوٹھی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ عارفہ احمد... اسے بے پناہ چاہنے والی لڑکی' اس کی محتاج۔ اس کی تھوڑی سی توجہ پر خوش ہوجانے والی' مگر عارفہ احمد کا دوسرا روپ۔ بہت ہی محتاط' خود میں لپٹا ہوا' خاموش دل...

وہ بچپن سے اس کا گرویدہ تھا۔ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا اسے حاصل کرکے دم لیتا تھا۔ وہ اس کی پھپھو کی بیٹی تھی۔ اس نے بات کی اور خوشی خوشی ان کی نسبت طے ہوگئی۔

اسے عارفہ احمد کے آگے پیچھے گھومنا نہیں پڑا تھا' نہ ہی اسے اپنی محبت کا یقین دلانا پڑا تھا۔ مخالفت کا بھی سامنا نہ ہوا۔ وہ کتنی آسانی سے مل گئی تھی۔ شاید اسی لیے اس سے محبت تو کرتا تھا' پر اس کی قدر نہ کرپایا۔ اسے یقین تھا' وہ اس کی ہے' چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ چاہے وہ کہیں بھی بھٹکتا پھرے' لوٹ کر آئے گا تو وہ تہہ دل سے قبول کرے گی۔ اسے پتا تھا وہ اسے چاہتی نہیں اسے پوجتی ہے اور اپنی پوجا کرانا کسے اچھا نہیں لگتا۔ بس ایک بات تھی۔ اس نے اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھا تھا۔ وہ اس کی ہر بات مانتی تھی' اس سے بات بھی کرتی تھی مگر ایک حد میں رہ کر۔ وہ اس سے ڈرتا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی وہ سب نہ کہہ پاتا جو کہنا چاہتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس کی نظروں سے گر جائے۔ وہ اس کی شرافت اور اچھی سوچ کی تعریف جو کرتی تھی۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ مرد ہے فرشتہ نہیں۔ مگر وہ اسے فرشتہ سمجھتی تھی اور اب اس کے سامنے فرشتہ بن کر رہنا اس کی مجبوری تھی۔ مگر وہ بچی نہ تھی۔ وہ کب تک دھوکے میں رہتی۔ اسے سب کچھ پتا چل ہی گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے اسے چاہا نہیں تھا' پوجا تھا ماہین! اس نے جو کیا اس کے بعد میں کیسے اسے معاف کردیتی۔" اس نے تکیہ منہ پر رکھ لیا تھا۔ لائٹ بند تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے اس کی بات کے جواب میں بولی۔

"وہ اس معاشرے کا مرد ہے عافی! اس نے کچھ نیا نہیں کیا۔ مرد کا ایک عورت تک محدود رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر منہ مار ہی لیتا ہے۔ اس نے کچھ نیا نہیں کیا۔ اسے معاف کردو۔ شادی کرلو اس سے۔"

"ماہین! میری نظر میں اس کی عزت نہیں رہی اب۔ میں اسے کبھی اونچا مقام نہیں دے پاؤں گی۔ میں کبھی اس کی پوجا نہیں کرسکوں گی۔" اندھیرے میں اس کی آواز بہت بھاری اور گہری تھی۔

"انسان خطا کا پتلا ہے۔" ماہین اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں! مگر اسے میرے برابر ہونا چاہیے۔ سچائی میں محبت میں' وفا میں' خلوص میں۔" وہ جھنجلا گئی تھی۔ وہ اپنی بات ٹھیک طرح سے اسے کیوں نہیں سمجھا پارہی۔

"اس کی ان برائیوں پر تمہیں سمجھوتا کرنا ہوگا۔ اگر نہیں تو میں تمہیں بتادوں کہ اس دنیا میں شاید ہی تمہیں کوئی ایسا مرد مل سکے' جو تمہارے مطابق ہو' مگر پھر بھی تم اس سے اتنی محبت نہیں کرسکو گی' جتنی محبت تم فرید حسین سے کرتی ہو۔" ماہین نے جیسے بات ہی ختم کرلی تھی۔

"اگر کرسکتی ہو تو نواز سے شادی کرلو بس۔ مگر کوئی ایک فوری فیصلہ کرکے اپنے آپ کو اس مشکل سے نجات دلاؤ' جس مشکل میں تم نے خود کو' فرید کو اور سب کو ڈال رکھا ہے۔" ماہین نے کہہ کر کروٹ بدل لی۔

وہ سوگئی تھی۔ اور وہ پوری رات جاگتی رہی۔ اس کے سامنے ماضی تھا' حال تھا اور مستقبل کے لیے اسے قدم اٹھانا تھا۔ جس دکھ سے وہ گزر رہی تھی' اس دکھ میں فیصلہ کرنا مشکل تھا' مگر اس کے پاس وقت کم تھا۔

نواز ایک موہوم سی امید پر اس کا انتظار کررہا تھا۔ نواز اس کے باپ کا بھتیجا تھا۔ اس کے باپ کو وہ شروع سے ہی پسند تھا۔ لیکن سب کے ووٹ فرید کی طرف تھے اور پھر فرید کے گھر والوں کا اصرار۔ انہوں نے فرید کا رشتہ قبول کرلیا۔ فرید کے بارے میں انہیں کچھ عرصے بعد جو معلومات ملیں۔ پھر اس طرف سے شادی کی بات نظر انداز کرد... وہ کھٹک گئے تھے۔

اس نے نواز کو کبھی اس حیثیت سے نہ سوچا تھا' نہ سوچ سکتی تھی۔ بس فرید کو جتانا تھا' اسے بتانا تھا کہ وہ نواز سے بھی شادی کرسکتی ہے۔ اور یہ خبر اڑتی اڑتی فرید تک پہنچ گئی تھی' مگر اسے یقین نہ تھا۔ اسے پتا تھا یہ خبر اس کے گھر والوں نے اڑائی ہے۔ وہ مطمئن رہا۔

عائزہ بہت مختصر وقت میں اس کے بہت قریب آگئی تھی۔ عائزہ اس کے ساتھ ڈیٹ پر جاسکتی تھی۔ اس سے گھنٹوں فون پر بات کرسکتی تھی۔ وہ کسی پردے میں لپٹی نہ تھی۔ وہ اس کے ساتھ خوب مزے کرنا چاہتا تھا۔ عارفہ کے ٹیکسٹ' خط' فون اس کے لیے بے معنی اور فالتو سے ہوگئے تھے۔

اپنا خیال رکھنے کی تاکید کے سوا اس کے پاس کیا تھا۔ وہ اس کے لفظوں میں چھپی محبت کو کھوجنا نہیں چاہتا تھا ہر وقت۔ اس کے پاس اتنا وقت نہ تھا۔ اسے عائزہ کی باتیں اور زیادہ متاثر کرتی تھیں۔ مگر اس نے کبھی عائزہ کو شادی کے لیے پسند نہیں کیا تھا۔ اسے شادی کرنے کے لیے عارفہ جیسی عورت کی ضرورت تھی۔ اسے نہیں اندازہ تھا کہ یہ خبر عارفہ تک پہنچ جائے گی۔ ایک صوبے سے دوسرے صوبے تک اتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آسانی سے جس بات کو وہ اپنے گھر والوں سے بھی چھپاتا آیا تھا۔

عائزہ کی طرف سے شادی کا اصرار بڑھ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ عائزہ نے اسے نچا کر رکھا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے خوب سناتی۔ دو ٹکے کا کر دیتی، وہ ایسی ہی تھی۔ اسے ایسی بیوی نہیں چاہیے تھی، اسے پوجنے والی عارفہ چاہیے تھی۔

عائزہ کے ساتھ ساڑھے تین سال تک دھما کے دار افیئر چلانے کے بعد، اس نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اس کے ساتھ سنجیدہ نہیں تھا۔ وہ تو صرف انجوائے کر رہا تھا۔

ساڑھے تین سال بعد اسے عارفہ کی یاد آئی۔ اب اسے خیال آیا کہ اسے لوٹنا چاہیے۔ کوئی اس کی راہ تک رہا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ خود ناز کا حوالہ دے کر اسے خوب سنائے گا، اسے کچھ کہنے نہیں دے گا۔ اسے احساس دلائے گا کہ وہ اسی کی خاطر لوٹ آیا ہے۔

مگر اب وہ انگوٹھی مٹھی میں لیے بے یقینی سے بیٹھا رہ گیا تھا۔ اس کے نام کا لیبل اتر چکا تھا۔ جس لیبل کی بنیاد پر وہ اپنا سکہ چلاتا تھا۔ اس کے سارے سکے کھوٹے ہو گئے تھے۔ اپنے زعم میں اپنا وہ ناقابل تلافی نقصان کر بیٹھا تھا۔

وہ ساری رات بیٹھا گتھیاں سلجھاتا رہا۔ اسے کہہ آیا تھا اور خود پچھتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج شادی کی پہلی رات تھی اور اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ کھل کر بات کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ اس کی تعریف کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرنا تھا کہ اس نے اسے معاف جو کر دیا تھا۔

وہ پتھر کے بت کی طرح خاموش تھی۔ یہ سچ تھا کہ وہ اب کسی سے محبت نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے بھی نہیں، جس سے کبھی بے پناہ محبت کرتی تھی۔

جذبے بے رخی کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔

وہ کچھ دیر سر جھکائے اس کے کچھ کہنے کی منتظر رہی پھر خالی دل سے بھاری ملبوس سنبھالتے اٹھی۔ ایک آئینے میں خود پر پڑی تو خود سے نظریں چرا گئی۔ سراسر جانے کی خواہش نے سر اٹھایا تھا، جسے فوراً کچل دیا وہ اپنے سادہ کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گئی۔

اسے پتا تھا وہ اب ان معمولی باتوں پر خوش نہیں ہونے والی۔

اس کے پاس جگہ بنانے کے لیے اسے اب لمبے انتظار کا شکار ہونا تھا مگر اسے اب لمبے انتظار کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اس کے پاس تھی۔ وہ اس کی تھی جسے وہ چاہتا تھا۔ جو اسے کبھی پوجتی تھی۔ اس کے اندر کا مرد مرجھایا ہوا تھا۔ اسے اپنے کیے پر پچھتاوا نہیں تھا پچھتاوا یہ تھا کہ وہ یہ سب کیوں جان گئی تھی۔ وہ لاعلم ہی رہتی تو اچھا تھا۔

وہ محبت ضرور کرتا تھا۔ مگر دیانت دار نہیں تھا۔ اپنی خفت اور شرمندگی مٹانے کے لیے وہ بے معنی باتیں کرتا رہا۔

آج سے پہلے فرید حسین اسے کبھی اتنا غیر اہم اتنا معمولی نہ لگا تھا۔

وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے پاس کہنے کو تھا بھی کچھ نہیں۔

ایک سرد مہری نے ان کے درمیان سے محبت اور اپنائیت کا وہ احساس ختم کر دیا تھا، جو کبھی نہ کہتے نہ سنتے بھی پاس رہتا تھا۔ باتوں سے عیاں ہوتا تھا۔ آنکھوں سے چھلکتا تھا۔

اس احساس کو اس کی بے رخی نے سلا دیا تھا۔ بے وفائی نے جلا دیا تھا۔

اب جب تک فرید حسین کو اپنی غلطیوں کا احساس نہ ہو جاتا۔

جب تک اس کی مردانہ انا کا جھنڈا بلند رہتا۔

جب تک وہ محبت میں سچا اور ستھرا نہیں ہو جاتا۔

تب تک اس احساس کو باقی رہنا تھا۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہوش مغل

دل ہے کہ مانتا نہیں

رات ہونے والی بارش نے موسم کی سردی کو دو چند کر دیا تھا۔ پوری رات برسنے والی گھٹائیں فجر سے ذرا پہلے تھمی تھیں مگر ابھی بھی ہلکی ہلکی پھوار نے نئی گھول رکھی تھی۔

"اللہ اکبر" کی صدا نے اس کے جامد وجود میں حرکت پیدا کی۔ ساری رات ایک ہی جگہ پر منجمد بیٹھے جسم اکڑ چکا تھا۔ تھکن پور پور میں سما گئی تھی مگر رب کی پکار پر لبیک کہتا وہ اسپتال کے احاطے میں بنی مسجد کی طرف چل پڑا۔ اپنے تمام گناہوں، تمام خطاؤں کی معافی مانگنے کے لیے اسے اپنے رب کی ہی طرف جانا تھا اور کوئی جائے پناہ تھی بھی نہیں۔

سجدے میں سر نگوں ہوتے ہی اس کا چہرہ اور زمین بھیگنے لگے تھے۔ جانے کہاں کہاں کے آنسو تھے جنہیں وہ بہائے چلا جا رہا تھا۔ پورے خشوع و خضوع سے نماز کی ادائیگی کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو دل کی دعائیں آنسوؤں کی لڑی میں بدلنے لگیں۔

"اے میرے رب! میرے گناہوں کو میرے لیے سزا نہ بنا۔ میری کوتاہیوں کو میرے پچھتاوے نہ بنا۔ مجھے ایک موقع دے دے کہ میں اسے بتا سکوں کہ وہ میرے لیے کیا ہے... ایک موقع جو مجھے محبت کی عدالت میں معافی دلا دے... میری دعاؤں کو قبول کر دے۔ مجھے... مجھے معاف کر دے میرے پروردگار... اسے مجھے لوٹا دے میرے رب... لوٹا دے۔"

بچوں کی طرح زار و قطار روتا وہ دوبارہ سجدہ ریز

ناولٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگیا۔

☼ ☼ ☼

"میم! آپ کا فون ہے۔" ہنڈ بیگ میں سیل فون رکھتا اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس نے پلٹ کر دیوار گیر گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ ایک بج رہا تھا بہت تسلی سے اس نے بیگ میں اپنی باقی اشیا کی موجودگی کا یقین کیا' پھر آہستہ آہستہ چلتی فون اسٹینڈ کے پاس آئی۔ جہاں کھڑی ملازمہ روز دہرائی جانے والی بات کے انتظار میں تھی۔

"کہہ دو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔" فون کے بالکل قریب آکر اس نے غصے سے کہا اور فوراً" پلٹ گئی۔ اس کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ ملازمہ نے خاموشی سے فون کان سے لگالیا۔

"ٹھیک ہے اور سب خیریت ہے؟" اسے کچھ بولنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ صاحب نے خود ہی بات ختم کردی۔

"جی سر لیکن۔" وہ اٹکی۔

"لیکن کیا؟" وہ پریشان ہوا۔

"سر! میم دو دن سے کھانا نہیں کھارہیں اور غصہ بھی آیا ہوا ہے بہت۔"

"شام تک اور دیکھ لو ورنہ جھٹ کال کرکے انفارم کردینا۔ اوکے۔"

"اوکے سر!" ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ کچن کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

نماز اور تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ اندرونی حصے کی طرف جانے لگا تو سورج تمام دنیا کو اپنی روشنی میں نہلا چکا تھا۔ قرب الٰہی نے اس کے دل کو پرسکون کردیا تھا۔ ابھی وہ کوریڈور میں داخل ہی ہوا تھا کہ نرس نے اسے جالیا۔

"مبارک ہو سر! آپ کی پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔"

"واقعی؟"

"جی سر! بٹ شی از اسٹل ان آئی سی یو۔" نرس نے جواب دیا۔

"اوہ تھینک یو سو مچ سسٹر!" وہ آئی سی یو کی طرف بھاگا۔

آئی سی یو کے شیشے کے اس پار اب وہ ساکت وجود اتنا بھی ساکت نہ تھا بلکہ زندگی کی کرن نے اس کے وجود میں ارتعاش پیدا کردیا تھا۔ ڈاکٹرز مختلف طریقوں سے اس کا معائنہ کرنے میں مگن تھے۔ وہ دواؤں کے زیر اثر دوبارہ غنودگی میں جاچکی تھی مگر ایک حوصلہ افزا پیش رفت کے بعد ابھی بھی اسے اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ اسی وقت ڈاکٹر احمد باہر آئے۔ وہ اس کے بہت پرانے جاننے والے تھے۔

"مبارک ہو ینگ مین! شی از بیٹر ناؤ۔" ہنستے ہوئے انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تھینک یو انکل! اگر آپ نہ ہوتے تو۔"

"کم آن! میری جگہ کوئی بھی ڈاکٹر ہوتا وہ یہی کرتا۔" وہ شفقت سے کہنے لگے۔

"اینی وے! شام تک انہیں روم میں شفٹ کردیا جائے گا۔ تم وہیں مل سکو گے۔ بہتر ہے ابھی کچھ دیر آرام کرلو" وہ متفکر تھے۔ "کل سے اسی حالت میں دیکھ رہا ہوں تمہیں۔"

"اوکے انکل! بٹ تھینکس اگین۔" وہ مسکرا دیا۔

"ٹیک کیئر۔" اس کا شانہ تھپکتے وہ مصنوعی خفگی سے گھورے۔

☼ ☼ ☼

چار کنال پر محیط یہ وسیع و عریض حویلی آج پھر ماتم کدہ تھی۔ صبح سے ہی لوگوں کا تانتا بندھا تھا۔ اکیس سال پہلے اس حویلی پر جو قیامت گزری تھی' وہ داستان آج بھی گاؤں کے لوگوں کو ازبر تھی۔ رات کے اندھیرے میں پولیس سے بھاگتے ڈاکوؤں نے اس حویلی میں پناہ لی اور موقع اچھا جان کر نہ صرف حویلی کے مال پر ہاتھ صاف کیا بلکہ تین جوان نعشیں بھی چھوڑ گئے۔

محب شاہ اس گاؤں سمیت پانچ گاؤں کے سردار تھے۔ ایک نہایت ایمان دار' نیک اور خدا ترس بادشاہ کی طرح وہ گاؤں کے باسیوں کی فلاح کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ان کی شریک حیات مومنہ شاہ بھی ان کی طرح تھیں۔ اپنے دونوں بیٹوں سکندر شاہ اور عالم شاہ کو بھی انہوں نے ہمیشہ یہی سکھایا لیکن قسمت کی ستم ظریفی کہ کوئی بھی ماں باپ جیسا نہ بن سکا۔ محب شاہ کے وفات پاتے ہی دونوں بھائیوں کے مابین جائیداد کا بٹوارہ ہوگیا۔

سکندر شاہ بڑے بیٹے ہونے کی وجہ سے سردار بنے۔ ان کی بیگم' مومنہ بیگم کی سگی بھانجی تھیں۔ پیار کرنے والی اور ملنسار۔ سکندر شاہ جیسے ظالم اور اکھڑ انسان کے ساتھ گزارہ کرنا انہی کا صبر تھا مگر ازلان کی پیدائش کے بعد سکندر شاہ انہیں تھوڑی بہت اہمیت دینے پر مجبور ہوگئے۔

دوسری طرف عالم شاہ بھی غصے کے تیز' انتہائی جذباتی آدمی تھے لیکن چونکہ مریم ان کی من چاہی بیوی تھیں' سو اچھی گزر رہی تھی۔ مگر ان کے ساتھ ایک دوسرا ہی معاملہ تھا "شک"۔ انہیں دنیا کی ہر عورت مشکوک لگتی تھی۔ پھر بیوی تو کیا معنی! اور پھر بیوی بھی وہ جسے پہلے ان کے بڑے بھائی بیاہنا چاہتے تھے' مگر رقیہ بیگم کروڑوں کی جائیداد کی تنہا وارث تھیں سو انہوں نے مریم کے لیے پسندیدگی کو دل میں چھپا کر رقیہ کو چن لیا مگر عالم شاہ کے لیے اپنی محبت پہلے تھی۔ عالم اور مریم کی بیٹی نور العین صرف تین ماہ کی تھی' جب ایک رات وہ سانحہ ہوا۔

مومنہ بیگم اور رقیہ ازلان اور نور العین کو دم کرانے قریبی گاؤں گئی تھیں اور جب واپس آئیں تو سب ختم ہوچکا تھا۔ آج اس قیامت کو گزرے اکیس سال ہوچکے تھے۔ اس واقعے کے صرف دو سال بعد ہی رقیہ بیگم بھی انتقال کر گئیں تو ازلان اور نور العین کی ذمہ داری تنہا مومنہ بیگم کو سنبھالنا پڑی۔

حویلی میں بڑے پیمانے پر قرآن خوانی کا انتظام کیا گیا تھا۔ آس پاس کے گاؤں کے وڈیرے' ان کے اہل خانہ گاؤں کے رہائشی سب ہی جمع تھے۔

"بی جان! آپ کو چھوٹے سائیں نے بلایا ہے وہاں۔" اصغری بوا اس گھر کی پرانی خادمہ تھیں اور بی جان کے نہایت قریب بھی۔

"دعا ہوگئی ہے کیا۔" تسبیح کے دانے گراتے ہوئے بی جان نے پوچھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
ذرد موسم	راحت جبیں	600/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	500/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
عین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ -37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی اسی لیے آپ کو بلایا ہے کہ آپ آئیں تو لنگر تقسیم ہو۔" وہ مؤدب سی کہنے لگیں۔

"ٹھیک ہے تم یہیں رہنا اور یہ نور کہاں ہے۔"

"آپ کو پتا ہے اس وقت وہ کہاں ہوتی ہیں۔" اصغری بوا افسوس سے کہنے لگیں۔ بی جان آنکھوں کے گوشے صاف کرتے ہوئے اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"مسز آفریدی! یہ میری فرینڈ ہے عینا... اور عینا! یہ مسز آفریدی ہیں جن کے بارے میں میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔"

سعدیہ نے اس کا تعارف کرایا۔ وہ آج کل اپنا بوتیک کھولنے کے بارے میں سوچ رہی تھی مگر اس کے پاس سرمایہ تھا' تجربہ نہیں۔ مسز آفریدی اپنا بوتیک چلاتی تھیں اور اس کے ساتھ پارٹنر شپ کرنے کو تیار تھیں۔

"تو آپ عینا ہیں۔" وہ کافی متاثر لگ رہی تھیں۔

"کیا ایکٹویٹیز ہیں آپ کی۔"

"کچھ خاص نہیں' ہاؤس وائف سمجھ لیں۔"

"ارے نہیں! اچھی خاصی سوشل لڑکی ہے۔ دراصل اس کے ہزبینڈ ابروڈ ہوتے ہیں اسی لیے یہ کوئی بزنس پلان کر رہی ہے۔" سعدیہ کو اس کا ہاؤس وائف کہنا ایک آنکھ نہ بھایا۔

"پھر تو فرصت ہی فرصت ہوتی ہوگی۔" مسز آفریدی نے مذاقاً کہا۔ اسی لمحے اس کے سیل فون کی بیپ ہوئی۔ گھر کا نمبر دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایکسکیوز کرتی سائیڈ پر آگئی۔

"ہیلو۔"

"میم! آپ کب تک آجائیں گی' وہ سر آپ کو کال..."

"اپنے سر سے کہو' میری فکر کرنا چھوڑ دیں اور اب بار بار کال کر کے مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔ انڈر اسٹینڈ!"

"میم! وہ..." مگر اس نے کال کاٹ دی۔

☆ ☆ ☆

انکار جیسی لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے عشق غالب ان کی نہیں نہیں سے

وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے اذلان شاہ سے محبت کب ہوئی تھی۔ بس ایک سفر مسلسل تھا' جو اس کے بچپن سے شروع ہوا۔ لڑکپن میں پھلنے لگا اور جوانی کی دہلیز پر کھڑی وہ پور پور اس کی محبت میں بھیگ چکی تھی۔ اس بھری دنیا میں بی جان کے بعد اس کا واحد خونی رشتہ وہی تو تھا' جسے دیکھ کر اسے اپنے ہونے کا یقین ملتا تھا۔ جسے سامنے نہ پا کر اس کی سانسیں رکنے لگتی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ محبت کا یہ سفر وہ تنہا طے کر رہی ہے۔ وہ اس کا شریک نہیں ہے بلکہ ایک محبت کے سفر میں ہی کیا' زندگی کی کسی بھی راہ پر وہ اس کے ساتھ نہ تھا۔

اسے یاد نہ تھا کہ اذلان نے اسے کبھی خود سے مخاطب کیا ہو' بلکہ اگر وہ ایسا کر لیتی تو اس کا لہجہ اتنا سرد ہوتا کہ وہ آئندہ کئی مہینے اس سے کلام نہ کر پاتی۔ اول تو ملاقات ہی شاذ و نادر ہوتی۔ دونوں ہی چھوٹی عمر سے بورڈنگ اسکول رہے تھے۔ بی جان کو یہی آسان لگا تھا اور اگر آمنا سامنا ہو تا بھی تو بات کرنا تو دور' وہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا۔

وہ جس کی صورت کے بارے میں بی جان کہتی تھیں کہ نور کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے کسی پاکیزہ ہالے کو دیکھ رہے ہوں۔ اس کی بیسٹ فرینڈ کا کہنا تھا کہ اگر نور مقابلہ حسن میں چلی جائے تو کوئی اس کے مقابل نہیں ٹھہر سکے گا۔ ایسے حسن کی چکا چوند بھی اس پتھر کو نہ پگھلا سکی تھی۔

وہ جتنا اس سے دور بھاگتا محبت اتنا ہی اسے اذلان کے قریب دھکیلتی۔ وہ کم گو تھا۔ لیے دیے رہنے والا تھا۔ اس کی دوستیاں بہت زیادہ نہ تھیں مگر پھر بھی نور نے اسے اکثر ہنستے دیکھا تھا' مگر جیسے ہی وہ سامنے آتی اس کے لب بھنچ جاتے۔ چہرے پر نرمی کی جگہ سختی آجاتی اور وہ اس کی موجودگی سے یکسر انجان بن جاتا۔ ایسے میں ماں کی کمی اسے اور شدت سے محسوس ہونے لگتی تھی۔

ماں کی تصویر گود میں رکھے وہ خاموشی سے بس اس پر اپنی انگلیاں پھیر رہی تھی اور اس کا دکھ قطرہ قطرہ تصویر پر بکھر رہا تھا۔

"میں کیا کروں مما! کس سے کہوں؟ بی جان ــــ کو بتانا انہیں پریشان کرنے کے برابر ہے۔ وہ میری خواہش پوری نہیں کر سکیں گی تو ان کا دکھ بڑھ جائے گا۔ وہ آج تک اپنی اولاد کا غم نہیں بھولیں..."

سسک سسک کر روتے ہوئے وہ ایک ٹوٹی بکھری مورت لگ رہی تھی۔

مومنہ بیگم سمجھ نہ سکیں کہ وہ کس بات پہ شکوہ کناں ہے۔ اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر کے انہوں نے ملازمہ کو ٹرالی وہیں چھوڑ کر جانے کا اشارہ کیا۔

اس کے آنسوؤں میں روانی آچکی تھی۔ مومنہ بیگم یقین اور بے یقینی کے درمیان معلق تھیں۔

اپنا چہرہ مریم کی تصویر پر ٹکا کر وہ سسک رہی تھی۔ بنا آہٹ کیے وہ اس کے برابر آکر رک گئیں۔ وہ چونکی۔

"لگتا ہے میں اپنی بیٹی کو اتنا پیار نہیں دے سکی جتنا عالم اور مریم دیتے۔"

ایک سیکنڈ لگا تھا اسے سنبھلنے میں۔ جلدی جلدی آنسو پونچھے۔

"نہیں بی جان! آپ نے تو ان سے زیادہ پیار دیا ہے۔"

"پھر یہ آنسو؟"

"کچھ نہیں بی جان! بس ویسے ہی۔ میں آرہی تھی۔ چلیں! میں یہیں کھانا لے آتی ہوں۔" وہ گڑبڑائی۔ پتا نہیں بی جان کب سے اس کی باتیں سن رہی ہوں گی۔ مومنہ بیگم نے چپکے سے آنکھیں صاف کیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆

اب کی بار جب وہ کمرے میں آیا تو وہ مکمل ہوش میں تھی اور مسلسل چھت کو گھور رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو۔" وہ خاموش رہی۔

"کیسا فیل کر رہی ہو اب۔" لفظ اپنا مفہوم کھو چکے تھے۔

"پلیز مجھ سے بات کرو۔" اس نے التجا کی مگر بے سود۔

"دیکھو میں تم سے ایکسکیوز..." اس نے کروٹ بدل لی۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو لیکن..." نرس آچکی تھی۔ تین روز کا معمول آج پھر اختتام پذیر ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سمیہ! آج شام میری کچھ فرینڈز ڈنر کے لیے آرہی ہیں۔ کوئی اچھا سا مینو رکھ لینا اور ٹھیک آٹھ بجے تک سب ریڈی ہو۔ اوکے۔"

"اوکے میم!" وہ مؤدبانہ بولی۔ "میم! وہ سر کی کال آئی تھی دوپہر میں۔"

"یہ ڈیلی کا سبق ہے کیا' جو سنایا جائے۔" وہ تلخ ہوئی۔

"میم! سر کا آرڈر ہے کہ روزانہ آپ کو انفارم کیا جائے۔" وہ ڈرتے ڈرتے کہنے لگی۔

"آرڈر مائی فٹ!" وہ غصے میں آگئی۔

"آئندہ مجھے ایسی کوئی اطلاع نہیں دینا۔ یہ میرا آرڈر۔"

وہ پھر سے کمرے میں بند ہو گئی۔ موڈ درست کرنے کے لیے اس نے جھٹ کال ملا لی۔ اس کے بعد شام تک کا وقت کیسے گزرا پتا ہی نہ چلا۔ تقریباً چھ بجے مسز آفریدی' سعدیہ اور سنبل اس کے گھر پہ تھیں۔

"آپ کا گھر تو بہت خوبصورت ہے بلکہ کافی آرٹسٹک ہے۔"

"تھینکس۔" وہ مسکرائی۔

"آپ کی پسند ہے یا آپ کے ہزبینڈ کی؟" اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"نہیں' ان ہی کی پسند ہے۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"ونڈر فل!" انہوں نے دل سے تعریف کی۔

"سعدیہ! وہ کنٹریکٹ کی فائل عینا کو دکھاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شیور عینا! تم دیکھ لو اور پھر سائن کردو۔"

"اوکے۔" وہ فائل دیکھ رہی تھی جب لینڈ لائن فون کی بیل ہوئی۔ وہ قریب ہی تھی۔ ناچار اٹھانا پڑا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ کس کا فون ہے۔ یہ نمبر کسی نے صرف اپنے لیے ہی لگوایا تھا۔

"ہیلو۔"

"یہ تم ہی ہونا۔" وہ حیران ہوا۔

"جی فرمایئے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"شکر ہے تم نے مجھ سے بات تو کی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آج۔۔۔"

"سوری! رانگ نمبر۔" اس نے کھٹ سے فون بند کردیا۔ وہ ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا مگر وہ فون انگیج کرچکی تھی۔

سعدیہ حق دق اسے دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی حویلی پہنچا تھا۔ اتنی بڑی جاگیر تھی اس کے علاوہ شہر کی فیکٹریاں۔ سب کچھ اسے ہی دیکھنا پڑتا تھا اس لیے اس نے دوران تعلیم ہی سب چیزوں کی دیکھ ریکھ شروع کردی تھی۔ بہت کم عمری میں ہی اس نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا شروع کردیا تھا۔ وہ سیدھا بی جان کے کمرے میں گیا۔ یہ اس کا معمول تھا۔ وہ کہیں سے بھی آتا، سب سے پہلے بی جان کے پاس جاتا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ بیڈ پر نیم دراز تسبیح کرنے میں مصروف تھیں۔

"وعلیکم السلام۔" مسکراتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا اور ٹانگیں سمیٹ کر اس کے لیے اپنے ساتھ ہی جگہ بنائی۔

"طبیعت کیسی ہے آپ کی۔" اس نے ان کی ٹانگیں سیدھی کرکے دبانا شروع کردیں۔

"الحمدللہ بچے! جن کی تم جیسی اولاد ہو، وہ کبھی بیمار نہیں ہوتے۔" انہوں نے فخر سے اپنے خوبرو اور فرماں بردار پوتے کو دیکھا۔

"اچھا جی مکھن! لگتا ہے آج کی میڈیسن گول کی ہے۔ ابھی مجھے اصغری بوا نے بتا دینا ہے۔" وہ بھی مسکرایا۔

"نہیں نہیں اب تو جینے کی امنگ بڑھنے لگی ہے تو میڈیسن تو ضرور لیتی ہوں۔"

"اب" سے کیا مراد ہے آپ کی۔" وہ خفا ہوا۔

"ایک جوان پوتے اور ایک جوان پوتی کی ذمہ داری ہے۔ ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ بچے کھلانے ہیں تو جینا تو پڑے گا نا۔"

وہ شریر ہوئیں۔ پاؤں دباتا اذلان کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا تھا، مگر سنبھل گیا۔

"ہاں تو ایسا کریں پوتی کے لیے دیکھیں، میری فکر ابھی چھوڑ دیں۔ مجھے ابھی آپ کی خدمت کرنی ہے۔"

"کیا مطلب ہے شادی کے بعد خدمت نہیں کروگے کیا؟" انہوں نے مصنوعی ناراضی دکھائی۔

"اگر آگئی کوئی ایسی جو مجھے "جورو کا غلام" بنادے تو۔" وہ سوچتے ہوا بولا۔

"ایسے لگتے تو نہیں ہو۔" وہ پر یقین تھیں۔ "تو پھر یوں کرتے ہیں کوئی ایسی ڈھونڈتے ہیں جو تم سے بھی زیادہ میری خدمت کرے۔"

وہ اصل موضوع کی طرف آنے لگیں۔

"یہ تو پھر میری شادی نہ کرنے والی بات ہوئی نا۔"

"کیوں کوئی تو ہوگی ایسی دنیا میں۔" وہ ڈٹ گئیں۔

"ناممکن ہے۔"

"اگر میں ممکن کردکھاؤں تو؟" انہوں نے چیلنج کیا۔

"تو میں انکار نہیں کروں گا۔" اس نے قبول کرلیا۔

"وعدہ؟"

"پکا۔"

"تو پھر اب میں ایسی لڑکی ڈھونڈ کر ہی دم لوں گی۔"

"سوچ ہے آپ کی۔" وہ چڑانے لگا مگر وہ مسکرا دیں۔

☆ ☆ ☆

رات سے بی جان کی طبیعت خراب تھی اور وہ ایک ٹانگ پر کھڑی تھی۔ اذلان دو دن سے شہر گیا ہوا تھا۔ وہاں فیکٹری میں کچھ مسئلہ تھا۔ سو بی جان نے اسے سختی سے اذلان کو بتانے سے منع کردیا تھا۔ پوری رات وہ ان کے سرہانے سے لگی رہی۔ جیسے ہی ان کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی اس نے فوراً اذلان کو فون کیا۔ وہ منع ہی کرتی رہ گئیں۔

"ہیلو۔" اس کی مصروف سی آواز سنائی دی۔

"ہیلو میں۔۔۔ میں نور بات کررہی ہوں۔" وہ زندگی میں پہلی بار اسے فون کررہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ بولو کیا مسئلہ ہے۔" وہ بھی شاید اس کی توقع نہیں کررہا تھا۔

"وہ بی جان۔۔۔"

"کیا ہوا ہے بی جان کو۔" وہ پریشان ہوا۔

"نہیں اب وہ ٹھیک ہیں مگر رات میں ان کا بلڈ پریشر بہت ہائی ہوگیا تھا۔"

"یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو۔۔۔ پہنچ رہا ہوں ابھی۔" کھٹاک سے فون بند ہوگیا تھا۔ ننھا سا موتی اس کی پلکوں پر ٹھہر گیا۔ ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ دوبارہ ان کے پاس آگئی۔

"آرہے ہیں۔۔۔ میں ذرا آپ کے لیے کچھ بنا لوں۔" نظریں چراتی وہ کچن کی طرف چل دی۔

"کیا مجھے آپ سے ہمیشہ ذلت ہی ملے گی۔ محبت نہ سہی، کم از کم عزت ہی دے دیا کریں۔" وہ خود سے ہی ہمکلام تھی۔

جب وہ حویلی پہنچا تو سہ پہر ہو چکی تھی۔ وہ سیدھا بی جان کے کمرے میں گیا۔ وہ سو رہی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔ ابھی وہ ان کے ساتھ دراز ہونے کا سوچ ہی رہا تھا، جب اس کی نظر بیڈ کے ساتھ نماز پڑھتی نور پر پڑی۔ ایک بار پھر اسے نور پر غصہ آگیا۔

"السلام علیکم۔" نماز پڑھ کر وہ مخاطب ہوئی۔

سر کی جنبش سے جواب دیا گیا۔

"آپ کے لیے کھانا لگواؤں؟"

"نہیں اور اب جاؤ میں ہوں ان کے پاس۔" اس کی موجودگی اذلان کے لیے قابل قبول نہ تھی۔

"لیکن کھانا۔۔۔" وہ فکر مند ہوئی۔ جانے کیوں اس شخص کے ہاتھوں اتنی مرتبہ ذلیل ہونے کے باوجود بھی وہ تھکتی نہ تھی۔

"ایک بار کا کہا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟"

☆ ☆ ☆

فون کی گھنٹی مستقل بج رہی تھی مگر وہ ان سنی کرتی ٹی وی میں مگن رہی۔ سمیہ اپنے کمرے میں جاچکی تھی اور وہ جانتی تھی کہ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اسے اس وقت اسی لیے فون کررہا تھا کہ وہ ریسیو کرے گی۔

وہ اس شخص کی سزا کا دورانیہ گھٹانے کے حق میں نہیں تھی، جو وہ سوچ چکی تھی اور جو اسے سمجھایا گیا تھا۔ اسے اس ہی پر عمل پیرا رہنا تھا مگر آج جانے کیوں فون کی ہر گھنٹی اس کے دل میں پیوست ہورہی تھی۔ وہ دماغ کی انگلی تھامے اپنے عہد پر کاربند رہنے کی کوشش کرنے لگی مگر دل جیت گیا۔ فون ریسیو ہوچکا تھا لیکن اس کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہوا۔

"ہیلو۔" وہ بے قرار ہوا۔

"ہیلو۔۔۔ پلیز مجھ سے بات کرو۔" اس نے التجا کی۔

"میں جانتا ہوں یہ تم ہی ہو۔ تم بھی میری طرح اذیت میں ہو۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز ایک بار۔۔۔ بس ایک بار لوٹ آؤ۔" کریڈل پر رکھی اس کی انگلی اس کے لفظوں کا گلا گھونٹ گئی۔ ایک ننھا سا قطرہ اس کے گال پر پھیلا اور خود بخود جذب ہوگیا۔

☆ ☆ ☆

اذلان جب ان کے کمرے میں آیا تو وہ نماز سے فارغ ہوکر اپنے بیڈ پر لیٹ رہی تھیں۔ انہوں نے ابھی اسے مردانے سے بلوایا تھا اور وہ فوراً حاضر ہوگیا۔ ان کا بلاوا ہمیشہ اس کے لیے پہلی ترجیح رہا تھا۔

"ارے میں نے اصغری سے کہلوایا تھا کہ فارغ ہو کر آجانا۔" وہ نہال ہوئیں۔

"آپ بلائیں اور میں فارغ ہونے کا انتظار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروں... امپاسبل!"

"امپاسبل تو تم نے اور بھی ایک کام کو کہا تھا مگر میں نے وہ کر دکھایا۔" وہ پراسرار ہوئیں۔

"کیا کام؟" اسے یاد نہ آیا۔

"یہی کہ میں اپنے لیے ایسی بہو ڈھونڈوں جو تم سے زیادہ میرا خیال رکھے، میری خدمت کرے۔"

"تو کیا ڈھونڈلی آپ نے۔" وہ سراپا حیرت تھا۔

"ہاں بالکل اور وہ تم سے صرف "زیادہ" نہیں بلکہ "بہت زیادہ" خیال رکھے گی میرا۔" وہ پرجوش تھیں۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ..."

"میری چھوڑو بس اب اپنا وعدہ پورا کرو۔ اسی لیے تمہیں بلوایا ہے۔"

"وعدہ؟"

"یہی کہ تم انکار نہیں کرو گے۔"

"پر بی جان! پتا تو چلے ہے کون۔" وہ ابھی تک حیران تھا۔

"ہاں" ہے نا تمہاری طرف سے؟" وہ سوال ٹال گئیں۔

"بی جان! آپ نے نور کے لیے کوئی لڑکا دیکھا ہے۔" اس کی چھٹی حس الارم دینے لگی۔

"ضرورت ہی نہیں پڑی۔" وہ بھی غالباً" اس چھپن چھپائی سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

"مطلب؟"

"مطلب صاف ہے میں نے تمہارے لیے نور کو اور نور کے لیے تمہیں پسند کیا ہے۔"

اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ اسے لگا پوری حویلی اس کے اوپر آگری ہو۔

"کیوں بچے! کیسی لگی میری پسند۔" اب وہ فاتحانہ اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔

"بی جان! کیا یہ آپ کی محض سوچ ہے یا خواہش؟" وہ فوراً" انہیں انکار نہیں کر سکتا تھا مگر سوچ کو بدلا جا سکتا تھا اور خواہش کے معاملے میں اسے خود کو بدلنا پڑتا۔

"یہ کیسا سوال ہے اذلان!"

"میرا مطلب ہے اس کے علاوہ کوئی اور حل۔" وہ سنبھلا۔

"کیوں تمہیں نور پسند نہیں ہے؟"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے مگر میرے اور اس کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے جو..."

"انڈر اسٹینڈنگ کرنے سے ہوتی ہے مگر پھر بھی اگر تمہیں اعتراض ہے تو میں اپنی خواہش دبا سکتی ہوں ہزار چند کہ اسے بھلا نہیں سکتی۔" انہوں نے اس جذباتی کرنے کی کوشش کی۔

"تم نے ہمیشہ ہر حال میں میرے کیے کا مان رکھا ہے اذلان! یہ ایک آخری خواہش بھی پوری کر دو۔ نور کے معاملے میں تم سے زیادہ میں کسی پر اعتبار نہیں کر سکتی۔ میری نور بہت معصوم ہے، بہت سادہ، دنیا کی سختیوں سے ناواقف۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں کوئی اور لوگ..."

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بی جان!" اسے خود کی آواز کہیں پاتال سے آتی محسوس ہوئی۔ "ہاں افسوس رہے گا کہ مجھ سے بات منوانے کے لیے آپ کو اتنی وضاحت دینا پڑی۔"

"نہیں اذلان! یہ تو تمہارا حق ہے بچے!" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔

"بلکہ مجھے ہی تم پر اپنی خواہش مسلط نہیں کرنا چاہیے۔" اس کی اتنی فرمانبرداری انہیں سوچنے پر مجبور کر گئی۔

"آپ کی کسی بھی خواہش کو پورا کرنا میرا فرض ہی نہیں بلکہ میری سب سے بڑی خوشی ہے بی جان!" انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

☆ ☆ ☆

محبت کے ہزاروں رنگ، لاکھوں روپ اور کروڑوں نام ہیں مگر یہ محبت کا کون سا روپ تھا۔ حیرت سی حیرت تھی۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی دعائیں اتنی جلدی مقبول ہو جائیں گی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے بی جان نے اسے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری

دی تھی۔

"تو کیا وہ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں اور اسی محبت کو چھپانے کے لیے اتنا روڈلی بی ہیو کرتے تھے۔ جب ہی بی جان کو فوراً" ہاں کر دی۔"

مسکراہٹ اس کے چہرے سے جدا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

تعلق، محبت، جذبے سب ہی اتنی شدت سے اظہار مانگتے ہیں، جتنی شدت سے وہ کسی دوسرے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق اظہار نہ دیا جائے تو سب ختم ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے اس ان کہے تعلق کا اظہار چاہتی تھی، صاف اور واضح!

☆ ☆ ☆

آج مایوں کی رسم ہو گئی تھی۔ اس نے بی جان سے ایسی کسی بھی رسم میں شرکت سے معذرت کر لی تھی۔ انہوں نے بھی زیادہ زور دینا مناسب نہ سمجھا۔

جب تک باہر نور کے مایوں کی رسم ہوتی رہی، وہ باہر نہ نکلا۔ تقریب کے اختتام کا اندازہ کرتے ہوئے وہ باہر نکلا۔ تب ہی اس کی نظریں جیسے ٹھہر گئیں۔ زرد رنگ کے پاؤں تک آتے فراک اور سر پر دوپٹا سیٹ کیے وہ اپنی دوستوں کے گھیرے میں بیٹھی تھی اور مسلسل مسکرا رہی تھی۔

ایک عجیب سے احساس نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ وہ پلٹنا چاہتا تھا مگر پلٹ نہیں پا رہا تھا۔ نگاہیں ہٹانا چاہتا تھا مگر ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ اچانک نور نے غیر ارادی طور پر اوپر دیکھا۔ وہ جو کافی دیر سے جانا چاہ رہا تھا اب لوٹنے میں ایک لمحہ لگایا تھا۔

☆ ☆ ☆

جمعۃ المبارک خوشیوں کی بارات لے کر اترا تھا۔ ہر طرف ہلچل تھی۔ پھولوں سے سجی حویلی، ہنستے مسکراتے چہرے، ایک افراتفری کا عالم تھا۔ دور پرے کے سب رشتے دار دو دن پہلے ہی آ گئے تھے۔ نور کی دوستوں نے الگ اودھم مچا رکھا تھا۔

جمعہ کی ادائی کے بعد نکاح ہوا۔ پوری حویلی مبارک سلامت کے شور سے گونج اٹھی۔ ہر چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔ نکاح کے بعد اس کی دوستیں بی جان کی ہدایت کے مطابق کھانے کے بعد اسے اسٹیج پر لے آئیں۔

گہرے سرخ رنگ کے بھاری کام والے مدراسی لہنگے میں وہ الگ ہی اپسرا لگ رہی تھی۔ اذلان کے برابر بیٹھی وہ نروس تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔

بی جان تو ان کی بلائیں لیتی نہ تھک رہی تھیں۔ دونوں کی کتنی ہی بار نظر اتار چکی تھیں۔ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے ان پر پھونک رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں رخصتی کا شور اٹھا مگر یہاں رخصتی کا روایتی سین دیکھنے کو نہ ملا کیونکہ رخصت ہو کے بھی اسے اپنی پیاری بی جان کے ساتھ ہی رہنا تھا۔

☆ ☆ ☆

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ایک ہی جگہ بیٹھی تھی۔ کمرے میں اتنا مہیب سناٹا تھا کہ گھڑی کی ٹک ٹک بخوبی سنائی دے رہی تھی مگر اسے یہ سناٹا محسوس نہ ہو رہا تھا بلکہ اس کے ارد گرد تو ہلا کا شور تھا۔ نفرت کا، غصے کا اور اس کے لفظوں کا جو ابھی تک اس کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ آج اس کا مان ٹوٹا تھا۔ اعتماد ریزہ ریزہ ہوا تھا۔

"تم ایک انتہائی خود غرض لڑکی ہو۔ کوئی جیے یا زندہ درگور ہو جائے، تمہیں صرف اپنی خوشی سے مطلب ہے۔"

وہ الفاظ نہیں، چنگاریاں تھیں جو اسے راکھ کر رہی تھیں۔

"لیکن یاد رکھنا! یہ تمہاری آخری فتح اور میری آخری شکست ہے۔ اب زندگی کے ہر مقام پر تمہیں ہارنا ہے۔"

اس کا رویہ اسے لہولہان کر رہا تھا۔ اس کے الفاظ اسے اپنی ہی نظروں میں گرا رہے ہیں اس سے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیاز وہ اپنی ہی کہے جارہا تھا وہ اس سے کم از کم ایسے رویے کی امید نہیں کررہی تھی۔

"نفرت کرتا ہوں میں تم سے..... سمجھیں تم نفرت!" وہ اپنے حواس میں نہیں تھا۔ وہ توبت بن چکی تھی۔ بس چلتی سانسیں اس کے زندہ ہونے کی دلیل تھیں۔ وہ یوں بیٹھی تھی۔ گویا اگر حرکت کی تو وجود بھربھری ریت میں بدل جائے گا۔ وہ اس کی طرف پلٹا اور نہایت بے دردی سے اس کا بازو دبوچا۔

"اور تمہیں اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ اس کی وجہ بتاؤں۔" وہ غصے سے پھنکار رہا تھا۔

ایک جھٹکے سے اذلان نے اس کا بازو چھوڑا۔

"تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ اپنی خوشی کا ڈھونگ رچاتی رہنا' ورنہ تمہیں چھوڑنے میں مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوگی۔" اسے وارننگ دیتا وہ وہاں رکا نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

محبت تو انسان کو اندر تک سیراب کردیتی ہے مگر ابھی تو بارش کی پہلی بوند بھی اس تک نہ پہنچی تھی۔ ابھی تو وہ اس جذبے کو مکمل پا بھی نہ سکی تھی کہ پہلے ہی قدم پہ غم کا صحرا اس کے سفر میں حائل ہوگیا۔ وہ ہنستی کھیلتی نور العین بالکل خاموش تھی۔ یہ خاموشی نہ تو محبت کی ناکامی پر تھی' نہ ہی اپنی بے بسی پر۔ اسے تو بس اذلان شاہ کی نفرت کا غم تھا۔ دل جیسے درد کا ایک ٹکڑا بن گیا تھا۔ ایک اندھا کنواں یا جیسے ایک بند گلی!

گلشن کی بہاروں میں
رنگین نظاروں میں
جب تم مجھے ڈھونڈو گے
آنکھوں میں نمی ہوگی
محسوس تمہیں ہردم
پھر میری کمی ہوگی
ساون کی ہواؤں کا
جب شور سنو گے تم
بکھرے ہوئے ماضی کے
اوراق چنو گے تم
ماحول کے چہرے پر
جب دھول جمی ہوگی
محسوس تمہیں ہردم
پھر میری کمی ہوگی

وہ رومانٹک شاعری کی شوقین نازک سی لڑکی کچھ ہی دنوں میں اپنی پسند بدل گئی۔ جب زندگی میں ہر سو کانٹے بکھرے ہوں تو نرم و نازک پھولوں سے سجے لفظ بھی دل کو بے چینی کے سوا کچھ نہیں دیتے۔ یہ نظم اس کے دل کا حال عیاں کررہی تھی۔ کتنا خوبصورت شکوہ کررہی تھی اور وہ جو اپنی فائل ڈھونڈنے کمرے میں آیا تھا۔ رائٹنگ پیڈ پر لکھی نظم پڑھ کر کچھ کھو سا گیا مگر فائل کی عدم دستیابی اسے پھر سے تپا گئی۔

"نور..... نور!"

اس نے وہیں سے پکارا۔ وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔ اس کی ہر پکار پر وہ ایسے ہی بھاگی آتی تھی۔

"میری بلیو فائل رکھی تھی یہاں۔" اس کے غصے میں کمی نہ آئی۔

"وہ وہاں دراز میں ہے۔ میں دیتی ہوں۔" وہ جلدی سے بال سمیٹتی دراز کی طرف بڑھی مگر لمبے بال پوری کمر پر بکھرے گئے۔

"وہاں کیسے پہنچی۔ تمہیں ہزار بار کہا ہے' میری چیزیں مت چھیڑا کرو۔" جانے کیوں اس کا غصہ سوا سو گیا۔

"میں نے سوچا ادھر ادھر نہ ہوجائے تو۔" وہ بوکھلائی بوکھلائی اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ وہ نظریں چرا گیا۔

"یہ لیں۔" اس نے فائل بڑھائی۔

"رکھ دو اور جاؤ یہاں سے۔" رخ موڑے موڑے نئی ہدایت ملی۔ اس نے فائل ٹیبل پر رکھی اور الٹے قدموں پلٹ گئی مگر اسے فائل کیوں چاہیے تھی' وہ بھول چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج اسے اسپتال سے ڈسچارج کیا جانا تھا۔

ڈرائیور اس کا سارا سامان گاڑی میں رکھ چکا تھا۔

"چلیں۔"

"کہاں؟" یہ پہلا لفظ تھا جو اسپتال کے آٹھ روزہ قیام کے دوران اس نے اس سے براہ راست کہا تھا۔

"واپس۔"

"ہاں مگر میں اکیلے واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"لیکن....."

"اگر آپ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو مجھ سے دور چلے جائیں۔" وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریزاں تھی۔

"تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں..... محبت کے لیے بھی نہیں۔"

"محبت کو بیچ میں مت لائیں۔ یہ نہ ہو کہ یہی محبت آپ کو مجبور کردے۔"

"میں محبت کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" وہ دل گرفتہ تھا۔

"میں آپ سے دور جانا چاہتی ہوں۔"

"جو غلطیاں میں نے کی ہیں' تم وہی دہرانا چاہتی ہو۔" کتنا ٹوٹا' بکھرا لہجہ تھا مگر وہ پھر بھی رہی۔

"ٹھیک ہے' میں چلا جاتا ہوں تم سے دور..... خود سے مجھ تک کا یہ فاصلہ اب تم ہی سمیٹ سکتی ہو۔ جلد یا بدیر یہ فیصلہ تم ہی کو دینا کیونکہ اب میں مزید تمہیں تکلیف دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

وہ کھڑا ہوگیا۔

وہ بنا کچھ کہے چپ چاپ باہر چل دی۔

☆ ☆ ☆

"جب سب کچھ میرے حسب منشا ہورہا ہے تو یہ الجھن کیسی' یہ اضطراب کیسا۔ کہاں کیا غلط ہے..... اس کی مجھ سے محبت..... میری اس سے لاتعلقی یا پھر ہمارا فیصلہ.....

یا اللہ! کیا اس کے ساتھ میرا رویہ غلط ہے مگر میں نے بھی تو بنا جرم کے سزا کاٹی تھی۔ وہ تو پھر گناہ گار ہے۔ میرے مولا! مجھے صحیح اور غلط کے درمیان فرق دکھا دے۔ مجھے سکون دے دے۔"

اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز گڑگڑا کر وہ اپنے لیے سکون و اطمینان مانگ رہی تھی۔ اس کی سسکیوں کو فون کی اچانک گونجنے والی گھنٹی نے توڑا تھا۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جو رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔ ریسیور ہاتھ میں لے کر وہ خاموش کھڑی تھی۔

"فون بند مت کرنا پلیز۔" وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔

"میں تمہیں لینے آرہا ہوں..... بی جان کی طبیعت خراب ہے۔ وہ تمہیں بہت یاد کررہی ہیں۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ فون کو کریڈل پر پھینکتی وہ کمرے میں آئی۔ ضروری چیزیں بیگ میں ٹھونستے ہوئے وہ مسلسل رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے نور! اداس کیوں ہو۔ کوئی مسئلہ ہے کیا۔" وہ اس کی ماں تھیں۔ اس کی رگ رگ سے واقف۔ وہ جتنا مرضی دکھاوا کرلیتی' مگر ماں کا دل مطمئن کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"نہیں! میں تو بہت خوش ہوں' بہت زیادہ دیکھیں! کتنا ہنس رہی ہوں۔" زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے آج اس کا دل دغا دے گیا۔ بی جان نے تڑپ کر اسے گلے لگایا۔

"بی جان! میں....." وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔

"نور سچ بتاؤ۔ مجھ سے مت چھپاؤ۔"

"بی جان..... ! وہ اذلان۔"

"کیا کیا ہے۔ اس نے تمہیں ڈانٹا ہے۔" انہوں نے اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"وہ مجھ سے....." ایک لمحے میں وہ خود کو قابو کرنے میں کامیاب ہوئی تھی جو اس کے آنسوؤں سے تڑپ اٹھیں۔ حقیقت تو انہیں جیتے جی مار ڈالے گی۔

"وہ مجھ سے ناراض ہیں۔" کتنا مشکل تھا جھوٹ بولنا' مگر سچ بولنے سے بہتر۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پاگل لڑکی!" انہوں نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"ناراض ہے تو منالو۔" ان کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

"کیسے۔"

"جیسے ناراض کیا تھا۔"

"مگر میں نے تو ناراض کیا ہی نہیں۔" وہ بس سوچ سکی۔

☆ ☆ ☆

"اس سے ناراض مت ہوا کرو اذلان! ایک منٹ میں حال سے بے حال ہوجاتی ہے۔ شام کو بھی اتنی مشکل سے چپ کرایا۔ رو رو کر حالت خراب کرلی کہ تم ناراض ہو اب اگر منائے تو مان جانا۔"

جب سے بی جان نے اسے بتایا تھا' وہ عجیب سی بے چینی کا شکار تھا۔ ابھی بھی وہ کسی زمین کے کاغذات دیکھنے بیٹھا تھا مگر بی جان کے کہے لفظ اسے شام سے بے چین کیے ہوئے تھے۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ کر بیڈ کے ایک کونے میں سمٹی ہوئی نور کو دیکھا جو بہت پرسکون سو رہی تھی۔

"اب اگر منائے تو مان جانا۔" مگر اس نے تو نور کو ایسا کوئی حق دیا ہی نہ تھا روٹھنے منانے کا' پھر وہ کیوں اسے مناتی۔ مگر کیسی خواہش اس کے دل میں پنپ رہی تھی کہ وہ اذلان کو منائے' اس سے پوچھے کہ وہ اس سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے اور وہ اپنے دل کا غبار نکال کر پرسکون ہوجائے اور نور کی ہی طرح پرسکون نیند سو سکے۔

یہ کیسا احساس اس کے اندر جاگنے لگا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کو سوچتا تھا۔ اس کا معصوم سا چہرہ سوتے ہوئے اور بھی مقدس لگ رہا تھا' جیسے چودھویں کا چاند' جیسے نیا ادھ کھلا گلاب' جس کی خوشبو پورے ماحول کو معطر کر رہی تھی۔ کب وہ دبے قدموں چلتا عین اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا' اسے خود بھی خبر نہ ہو سکی۔

"کیا یہ لڑکی اس قابل ہے کہ اس سے نفرت کی جائے؟ اسے کانٹوں پر گھسیٹا جائے؟ کسی اور کے کیے کی سزا اسے دی جائے؟ میرے رویے سے اسے تکلیف ہوتی ہوگی' میرا لہجہ اسے چھلنی کرتا ہوگا' مگر میں....."

وہ خود سے ہی ہم کلام تھا۔ اس نے کروٹ بدلی اور جیسے سب ختم ہوگیا۔ وہ چونکا اور پلٹ کر اپنی جگہ آ کر لیٹ گیا' مگر نیند دماغ کی ایک ہی تکرار سے گھبرا کر پلٹ گئی تھی۔

"اب اگر منائے تو مان جانا۔"

"اب اگر منائے تو مان جانا۔"

☆ ☆ ☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔ وہ نماز کے بعد ہی باہر نکل جاتی تھی۔ فجر کی اذان کے بعد ہی تو اذلان کی آنکھ لگی تھی۔ اب سر بھاری بھاری ہو رہا تھا۔ پوری رات جاگنے کا کمال تھا۔ گھڑی کی سوئیاں دس بجا رہی تھیں۔ اسے کوفت ہوئی' وہ کبھی بھی اتنی دیر تک نہ سوتا تھا۔ بے زاری سے اٹھ کر فریش ہونے چلا گیا' نیچے آیا تو پونے گیارہ ہو چکے تھے۔

"سوری بی جان! وہ دراصل رات نیند دیر سے آئی تو....." بی جان کو دیر سے جاگنا نحوست لگتا تھا۔ وہ صفائی دینے لگا۔

"ناشتا لگوا دو نور! اذلان کے لیے۔" انہوں نے نور کو ہدایت دی۔

"آئندہ کبھی اس سے ناراض مت ہونا۔" نور کے جاتے ہی وہ گویا ہوئیں۔

"جی....." وہ حیران ہوا۔

"ابھی بتایا ہے نور نے تم ناراض نہیں ہو اب۔"

"جی.....جی۔" وہ گڑبڑایا۔

"ناشتا کریں۔" بی جان کے سامنے دونوں ہی نارمل بات کرتے تھے۔

"ہاں چلو۔" وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ڈائننگ ہال میں آگیا۔ وہ جانتا تھا وہ ساتھ ضرور آئے گی۔ کھانا

کھاتے ہوئے وہ ہمیشہ اس کے آس پاس رہا کرتی تھی کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہ پڑ جائے۔ آج بھی وہ وہیں تھی۔ اصغری بوا ٹیبل پر سبزیاں رکھے انہیں صاف کر رہی تھیں۔

"ناشتا کرلیا تم نے۔" نور نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا' یہ اسے ہی مخاطب کیا گیا تھا یا کوئی وہم۔

"ناشتا کرو۔" اس بے نام سی خاموشی کو اذلان کی مدھم سرگوشی نے توڑا۔

"آپ کریں میں بعد....."

"میں نے کہا ہے ناشتا کرو۔"

"جی۔" وہ نروس سی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ جب سے گھر آئی تھی' خوف زدہ تھی حالانکہ قصور اس کا نہیں تھا۔ آج شادی کے فنکشن میں جو کچھ ہوا اس میں اس کی خطا نہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو قصوروار سمجھ رہی تھی۔

واپسی پر وہ ولید کی بہن کے ساتھ دولہا' دلہن سے ملنے اسٹیج پر گئی تھی۔ وہاں ولید کے سب کزنز موجود تھے' وہ کون تھا نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ بنا ڈرو خوف کے اسے مسلسل گھورے چلا جا رہا تھا۔

وہ جلدی جلدی دلہن سے مل کر نیچے اترنے لگی تو وہ جان بوجھ کر اس سے ٹکرا گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور لڑکھڑا کر اسی کا ہاتھ پکڑ کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"ارے سنبھل کر' اتنی نازک سی تو ہیں آپ۔" وہ ابھی بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا تھا۔ سب ہی متوجہ ہوگئے۔ وہ بھی جس کا اسے سب سے زیادہ ڈر تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"چھوڑ دیتے ہیں' ہم نے کون سا ساری عمر کے لیے پکڑا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"شٹ اپ!" اذلان کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

"آپ کو کیوں اتنا غصہ آگیا۔" بہت ہی ڈھیٹ انسان تھا۔

"بیوی ہے میری اور....."

"پلیز اذلان چلیں۔" نور نے ڈرتے ڈرتے اس کا بازو تھاما۔ اذلان نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے گھورتا ہوا ولید سے ملے بغیر وہاں سے آگیا۔

پورا راستہ خاموشی سے کٹا۔ واپس آکر وہ ہمیشہ کی طرح بی جان کے کمرے میں چلا گیا۔ واپس اپنے کمرے میں آیا تو اس کی دبی دبی سسکیاں اذلان کو متوجہ کر گئیں۔

"کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا وہ کون تھا۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔

"تو میں نے کب کہا کہ تم اسے جانتی ہو۔" وہ حیران تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں۔" رونے میں کچھ کمی آئی۔

"فار گاڈ سیک نور! میرا دماغ خراب مت کرو۔" وہ گرجا۔

اس سے ناراض مت ہوا کرو اذلان! ایک منٹ میں حال سے بے حال ہوجاتی ہے۔" اس کی حالت غالباً اسے پہلی بار نظر آئی تھی۔

"میرا اور تمہارا جو بھی اختلاف ہے مگر میں تمہارے کردار پر شک کرتا ہوں' ایسا کبھی سوچنا بھی مت اور اب رونا بند کرو۔" اس کے آنسو اذلان کو تکلیف دے رہے تھے۔ وہ پلٹ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

دل اور دماغ کی جنگ بھی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ دل اپنی کہتا ہے اور دماغ اپنا راگ الاپتا ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی سننے سے گریزاں رہتے ہیں۔

کتنے برسوں سے وہ دل اور دماغ کی اس جنگ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مبتلا تھا اور اس نے بڑے فخر سے ہمیشہ دماغ کی فتح کو یقینی بنانے کے لیے دل کی خواہشوں کا گلا گھونٹا تھا۔ شاید اسی لیے مطمئن نہ تھا۔

اس کا دل نور سے اس وقت سے محبت کرتا تھا' جب سے اس نے لفظ محبت کو جانا تھا۔ اس کے لیے محبت کا دوسرا نام نورالعین شاہ تھا۔

وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا مگر عمروں کا یہ فرق بھی ان دونوں کے لیے ایک تحفہ تھا۔ وہ اس ننھی سی پری کا ایسے خیال رکھتا تھا جیسے وہ اس سے پندرہ سال بڑا ہو۔ اسے آج بھی یاد تھا کہ ایک بار بی جان نے اس سے کہا تھا۔

"اذلان کی چاند سی دلہن لاؤں گی' بالکل پریوں جیسی۔" اور وہ برجستہ بولا تھا۔

"پر بی جان! نور تو پریوں سے بھی زیادہ پیاری ہے۔"

کتنی ہی دیر بی جان مسکراتی رہی تھیں۔

پھر اچانک سب بدل گیا۔ وہ ننھی سی پری اس کی محبت کی عادی ہو گئی ہے' یہ جانتے ہوئے بھی وہ اس سے دور بھاگنے لگا۔ وہ روتی' بلکتی' سسکتی' مگر اس کے اس چہرے کے پیچھے اذلان کو ایک ہی چہرہ نظر آتا' ایک ہی تصویر ابھرتی اور وہ تصویر تھی ایک قاتل کی' جس نے قتل کیا اور خودکشی کر لی۔

☆ ☆ ☆

نور کی بیسٹ فرینڈ کی سالگرہ تھی اور بی جان نے صاف کہہ دیا تھا۔

"اب اذلان سے پوچھا کرو' کہیں بھی جانا ہو' میری ذمہ داری نہیں رہی۔"

"مگر بی جان! اب تو میں تیار ہو گئی ہوں' اگر انہوں نے منع کر دیا؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"تو بچے! اس سے پہلے پوچھ لینا تھا نا اور وہ منع کیوں کرے گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے' خود چھوڑ بھی آئے گا۔" وہ پھر سے تسبیح میں مگن ہو گئیں۔

کتنی ہمت جمع کر کے وہ یہاں تک آئی تھی اور اب اس کے بالکل سامنے جیسے ہمت جواب دینے لگی تھی۔ ایک ہاتھ دونوں آنکھوں کے اوپر رکھے اور دوسرا سر کے نیچے رکھے وہ بیڈ پر سیدھا لیٹا تھا۔ پاؤں مسلسل ہل رہے تھے' یعنی وہ جاگ رہا تھا۔

"آپ جاگ رہے ہیں۔" پاؤں رک گیا' مگر آنکھوں پر ہنوز بازو تھا۔

"مجھے... سعدی کے گھر جانا تھا... چلی جاؤں؟" خاموشی برقرار رہی۔ وہ قریب چلی گئی' اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا' مگر منظر دھندلا گیا۔

"میں سعدی کی طرف جاؤں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہزار دفعہ منع کیا ہے' مجھے اپنی شکل نہ دکھایا کرو۔" جانے کون سے جذبے کو وہ غصے کے پردے میں چھپا رہا تھا۔ نور کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

"دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔ آؤٹ۔"

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بھاگی تو بی جان سے ٹکرا گئی۔ وہ اس کی سفارش ہی کرنے آ رہی تھیں۔

"نور... نور۔" وہ پکارتی رہ گئیں' مگر وہ ان سنی کرتی بھاگ گئی۔ ان کا پروگرام اب اذلان کی کلاس لینے کا تھا۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر اس کے ہونٹ بھینچ گئے مگر اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"میں نے کہا ہے نا مجھے اپنی شکل مت دکھایا کرو۔" اس کی زبان سے نکلتے لفظ بی جان کو ساکت کر گئے۔

"نفرت ہے مجھے تم سے... اسی لیے میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔" اس کے منہ سے نکلتے انگارے بی جان جیسی مضبوط عورت کو لڑکھڑا گئے تھے۔ اگر وہ سہارا نہ لیتیں تو اب تک گر جاتیں۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ ایسا کیسے کہہ سکتا تھا۔

"او میرے خدا! یہ سب کیا ہے۔" ان کا سر گھوم رہا تھا اور وہ جو سمجھ رہا تھا کہ وہ ابھی تک اس کی ڈانٹ سننے کے لیے کھڑی ہے' آنکھوں پر سے بازو ہٹائے تو برف کی سل بن گیا۔ وہ اسے اتنی بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں' جیسے انہیں اس کے اذلان ہونے پر شبہ ہو۔

"کیوں نفرت کرتے ہو اس معصوم سے۔" ان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ وہ سراپا حیرت تھیں۔

"بی جان وہ..." وہ ایک دم ان کے قریب آ گیا اور ان کے ہاتھ تھامنے چاہے' مگر انہوں نے جھٹک دیے۔

"مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے اذلان!"

"بی جان... وہ میں ویسے ہی۔" اس نے پھر سے انہیں سہارا دینا چاہا۔ مگر وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ اندر داخل ہوتی نور کے لیے اندر کا منظر حیران کن تھا۔

"تم بتاؤ نور! کیوں کرتا ہے یہ تم سے نفرت۔" بی جان کا سوال اس کی سانسیں روک گیا۔

"کس نے کہا... آپ سے... ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ نظریں چرانے لگی۔

"کاش جھوٹ ہوتا۔" وہ وہیں کرسی پر ڈھے گئیں۔ کئی منظر آنکھوں کے سامنے لہرائے' جس میں نور کے آنسو' اس کی اداسیاں رقصاں تھیں۔ وہ بھی بے جان سی ان کے سامنے گر گئی۔

"میں نہیں جانتی بی جان! مگر اب میں تھکنے لگ ہوں۔ آج... آج اذلان ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں۔"

نڈھال و دل گرفتہ سی آواز انہیں اور بھی افسردہ کر گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

دھیرے سے نور کا سر اپنے گھٹنوں سے الگ کیا اور کڑے تیوروں کے ساتھ اذلان کی طرف بڑھیں۔

"مجھے جواب چاہیے اذلان! کیوں برباد کی تم نے میری بچی کی زندگی؟" وہ اس کا دل ہلا رہی تھیں۔

"جو سچ آپ نے ہم سے چھپایا' وہ میں برسوں پہلے سے جانتا ہوں۔" بی جان پتھر کی ہو گئیں۔

"کون سا سچ۔" ان کے لفظوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔

"یہی کہ نورالعین شاہ میرے باپ کے قاتل کی بیٹی ہے۔"

کسی نے پگھلا ہوا سیسہ نور کے کانوں میں ڈال دیا۔ کوئی دھماکا ہوا تھا جس میں اس کا پورا وجود جھلس گیا۔

"اس کا باپ میرے باپ کا قاتل ہے۔"

"خاموش!" ایک زناٹے دار تھپڑ اذلان کے لفظوں کو کاٹ گیا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی تم نے کہا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" انہیں اسے تھپڑ مارنے پر ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔

"اس سچائی کو میں نے تم سے اس لیے چھپایا تاکہ تم عزت سے جی سکو مگر تم نے اس کو میری بچی کے لیے ہی ذلت کی وجہ بنا دیا۔" وہ سفید پڑتی نور کو دکھ سے دیکھ بولیں۔

"صرف یہی قصور ہے اس کا کہ یہ تمہارے باپ کے قاتل کی بیٹی ہے مگر اصل حقیقت اب میں تمہیں بتاؤں گی۔" وہ غصے سے پھنکارتی' کہیں سے بھی شفیق سی بی جان نہ لگ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"شکر ہے مولانا صاحب شام میں ہی مل گئے۔ ورنہ کل صبح واپسی ہوتی۔" حویلی میں داخل ہوتے ہوئے بی جان اطمینان سے بولیں۔

وہ اور رقیہ اذلان اور نورالعین کو دم کرانے قریبی گاؤں گئے تھے۔ واپسی میں پہنچتے پہنچتے انہیں رات کے بارہ بج گئے۔ تین ماہ کی نور بی جان کی گود میں تھی' جبکہ پانچ سالہ اذلان کو رقیہ نے گود میں اٹھا رکھا تھا۔

بی جان! نور کو مریم کو دینے کے لیے عالم اور مریم کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور رقیہ اپنے کمرے کی طرف۔ سکندر شاہ اپنے کمرے میں نہیں تھے۔

"ابھی انہوں نے سوئے ہوئے اذلان کو لٹایا ہی تھا جب بی جان کی دلدوز چیخ نے ان کو حواس باختہ کر دیا۔ وہ دوڑ کر وہاں پہنچیں۔ سامنے کے منظر نے ان کے ہوش اڑا دیے تھے۔ بیڈ پر موجود مریم کا بے جان وجود اور نیچے کارپٹ پر پڑے سکندر شاہ کی خون میں لت پت لاش کے ساتھ ہاتھ میں خنجر لیے عالم شاہ نے زمین آسمان ان کی نظروں کے سامنے گھما دیے۔ عالم شاہ تو شکار پر گئے تھے اور انہیں دو دن بعد لوٹنا تھا وہ یہاں؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عالم..... عالم تم نے۔" بی جان کے لب کپکپائے۔
"یہ میرا بھائی نہیں تھا ماں..... یہ وہ آستین کا سانپ تھا' جسے ہم دیکھ ہی نہ پائے۔ میری بیوی..... میرے ہوتے ہوئے بھی اس غلیظ انسان سے ڈرتی رہی' اس کی بری نیت کو چھپاتی رہی۔ صرف..... صرف اس حویلی کی عزت کی خاطر اور آج..... آج اس نے اس عزت کے لیے اپنی جان دے دی۔" ان کے لفظوں میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔
"مرنے سے پہلے اس نے مجھ سے آخری خواہش کی تھی کہ میں اس کے قاتل کو معاف کردوں۔" وہ دونوں ساکت کھڑی تھیں۔
"اور میں نے کردیا ماں..... معاف کردیا' مگر مرنے کے بعد' تاکہ..... تاکہ میرا خدا بھی اسے معاف کردے۔" وہ اب اور شدت سے رونے لگے تھے۔
"بھابھی....." انہوں نے رقیہ کو پکارا۔
"آپ..... آپ بھی مجھے معاف کردینا۔" وہ رقیہ کے قدموں میں بیٹھے' مگر ان کے جامد وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ "آپ دونوں مجھے معاف کردینا۔" وہ وہیں سے ماں کو دیکھنے لگے۔ خنجر ابھی تک ان کے ہاتھ میں تھا۔ خون سے بھرا ہوا۔
مومنہ بیگم کی پلکوں میں ارتعاش ہوا' مگر کچھ لمحوں کی تاخیر ہوگئی۔ عالم نے خون میں ڈوبا خنجر اپنے سینے میں اتار لیا۔ اب کی بار بی جان کے ساتھ ساتھ رقیہ کی چیخوں سے پوری حویلی گونجنے لگی۔
"عالم....." وہ ہسٹریائی انداز میں چلا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"ہم نہیں جانتے کہ اصغری نے ہر آنے والے کو کیا بتایا۔ رقیہ کو تو پورے تین دن بعد ہوش آیا تھا اور میں..... میں ہوش میں ہوتے ہوئے بھی بے ہوش تھی۔"
ماضی ایک فلم کی طرح ان کی نظروں کے سامنے چل رہا تھا۔
"گناہ کیا تمہارے باپ نے' مگر اس کی سزا عالم اور مریم کو ملی اور تم نے اپنی ناقص آگاہی کی بنیاد پر اس کے ساتھ وہ کیا' جس کے حق دار نہ تو اس کے ماں باپ تھے اور نہ یہ۔" انہوں نے ازلان کو جتایا۔
کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے یا آسمان اسے نگل لے' مگر اسے نور العین شاہ کی نظروں کا سامنا نہ کرنا پڑے' مگر وہ اس کی طرف دیکھ ہی کب رہی تھی وہ تو گم صم سی اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"میں نے تم دونوں کو ہمیشہ محبت سکھائی' مگر یہ نفرت کا بیج تمہارے اندر کہاں سے آگیا۔" انہوں نے منہ پھیر لیا۔
وہ دکھی تھیں' ان کا درد حد سے سوا تھا۔
"تم نے میری تربیت کو مٹی میں ملا دیا۔ میری پرورش' میری محبت سب کو رول دیا۔ مجھے اس کے سامنے سر اٹھانے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔" انہوں نے نور کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"نور کو تمہیں اسی لیے سونپا تھا نا میں نے کہ تم سے زیادہ مجھے کسی پر اعتماد نہیں تھا اور تم ہی نے میرے اعتماد کا خون کردیا ازلان!" وہ نڈھال ہوگئیں۔
وہ ان دونوں کا گناہ گار تھا۔
وہ ایک ایسا مسافر تھا جس نے دوران سفر کوئی بھی ایسی نشانی نہ چھوڑی تھی جس پر چل کر وہ واپس لوٹ سکتا۔ کوئی ایسی یاد' کوئی لمحہ جو اس کی نور سے محبت کا ثبوت دیتا' نفرت کی اس جنگ میں سب سے زیادہ خسارہ تو اسی کے حصے میں آیا تھا جو سر جھکائے ابھی تک اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھورے جا رہی تھی۔
"نور!" بی جان نے اسے پکارا' مگر اس نے جواب نہ دیا۔ ازلان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ اس کا گناہ گار تھا۔ اس کی اس حالت کا ذمہ دار تھا۔ پھر بھی اس کی نفرت برداشت کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ پہلے ہی اپنے دل میں اس کے وجود سے نفرت جگانے کے لیے محبت کے طوفانوں سے ٹکرایا تھا اور اب جب نفرت کا بیج تلف ہوا تو سارے طوفان یک لخت اس کے دل کی سرزمین پر کود پڑے تھے۔
"نور بچے۔" بی جان تڑپ کر اٹھیں۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے ہاتھوں کو تکے جا رہی تھی۔ نظریں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پھر پہلے ہاتھ کی طرف گھوم رہی تھیں۔
"نور....." بی جان نے اسے جھنجوڑ دیا۔ سوچ کے ویرانوں سے حقیقت کی دنیا کا سفر بہت کٹھن تھا۔ اس نے مڑ کر ازلان کی طرف دیکھا بہت سنبھل کر کھڑے ہونے کے باوجود بھی اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے' وہ چلتی ہوئی بالکل اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔
کیا کچھ نہ تھا ان آنکھوں میں دکھ' تکلیف' برداشت کی حدوں کو چھوتا کرب۔
"مجھے میری کسی کوتاہی کی سزا دی ہوتی' میرا کوئی عمل میرے گناہ میں شامل ہوتا تو آج میں اپنی غلطی' ہر عمل کے لیے آپ کے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگتی۔"
اس نے ازلان کا گریبان اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ پہلی بار وہ اس کے اتنا قریب آئی تھی' مگر ہر احساس' ہر جذبے سے عاری ہوکر۔
"میری کوئی لغزش میری سزا کا باعث ہوتی' پھر بھی آپ حق پر ہوتے۔ لیکن اگر قصور میرے باپ نے کیا بھی تھا تو اس کی سزا آپ مجھے کیسے دے سکتے ہیں' میری زندگی کیسے برباد کرسکتے ہیں۔" ایک جھٹکے سے اس نے ازلان کا گریبان چھوڑا۔
"نور میری بات....." وہ گڑگڑایا۔
"بہت نفرت ہے نا آپ کو مجھ سے۔"
"نور تم....."
"اتنی نفرت کہ میری شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں ہے۔"
اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہو' ایک ہی جست میں اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ سے چھری اٹھالی' سب اتنا "آنا فانا" ہوا کہ وہ دونوں کچھ نہ کرسکے۔
"نور..... نور بچے۔" بی جان جیسے ہوش میں آئیں' وہ بھی اس کی طرف بڑھا۔
"خبردار..... میرے پاس مت آیئے گا۔" اس نے وارننگ دی اور چھری اپنی کلائی پر رکھ دی۔
"نور پلیز..... ایسا مت کرو۔" وہ چیخا' مگر اسے کوئی بھی آواز سنائی نہ دے رہی تھی' بس ایک گونج تھی۔
"اس کا باپ میرے باپ کا قاتل....."
ہلکی سی سسکی اس کے منہ سے نکلی تھی۔ اس نے اپنی کلائی پر چھری پھیر لی۔

☼ ☼ ☼

اسپتال میں اس نے آٹھ دن کس طرح گزارے تھے' یہ وہی جانتا تھا۔ بی جان نے اسے بس اتنا کہا تھا۔
"اگر میری بچی اپنے پاؤں پر چل کر میرے پاس نہ آئی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔"
جب اسے نور کے ہوش میں آنے کی خبر ملی تو سب سے پہلے اس نے بی جان کو ہی بتایا تھا۔ انہوں نے محض "ہوں" میں جواب دے کر فون کاٹ دیا تھا۔
وہ ایک بار ٹھیک ہوجائے' وہ اس کے سارے گلے دھو دے گا۔ سارے شکوؤں کو مٹا دے گا' جتنی محبت وہ اس سے کرتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ محبت وہ اسے دے گا' اس کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دے گا..... کتنی پلاننگ کی تھی اس نے مگر نور کا فیصلہ اس کی کوتاہیاں سود سمیت اسے لوٹا گیا۔
پورا ایک مہینہ وہ حویلی نہ گیا تھا۔ مگر زمینوں کے مسائل' فصلوں کے ٹھیکے' حویلی کا سارا نظام' وہ کب تک وہاں نہ جاتا۔ بی جان نے خود اسے فون کرکے بلایا تھا۔ پورا دن گزرنے کے بعد بھی وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ بالآخر کھانے کی ٹیبل پر اس نے پوچھ ہی لیا۔
"نور کہاں ہے بی جان!"
"وہ شہر والے گھر چلی گئی ہے' بلکہ میں نے ہی بھیجا ہے۔ جب وہ تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تو اب میں بھی زبردستی نہیں کروں گی۔" وہ پریشان ہوگیا۔
"مگر وہ وہاں اکیلے۔"
"اصغری کو ساتھ بھیج دیا ہے میں نے۔ پہلے بھی پڑھائی کے لیے اکیلی ہی رہتی تھی۔ اب کیا پریشانی ہے' مالی ہے' ڈرائیور ہے' گارڈ ہے' بس ایک کل وقتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملازمہ کی ضرورت ہے' اگر بھجوا سکتے ہو تو بھجوا دینا کسی کو' تاکہ اصغری واپس آجائے۔"

"لیکن بی جان۔" وہ ابھی بھی مطمئن نہ تھا۔

وہ پلیٹ ایک طرف کرکے اٹھ گیا۔

پھر سمیہ کو اسی نے وہاں بھجوایا۔

زندگی ایسے دوراہے پر آگئی تھی جہاں ہر طرف دھول ہی دھول تھی۔ کون سی راہ اسے اس کی منزل پر پہنچائے گی' کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ وہ تھکنے لگتا' مگر محبت پھر سے اس میں نئی توانائیاں بھر دیتی۔ وہ نئی امید کے ساتھ پھر اسے فون کرتا۔ اس کا رویہ بھی اسے مایوس نہ کرتا۔ وہ کیا کرتی ہے' کہاں جاتی ہے' پل پل کی خبر اذلان کو ہوتی' مگر وہ موم کی گڑیا اب پتھر کی سل بن چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اب آپ کچھ نہیں بولیں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"اور یہ اُبلی' پھیکی غذائیں کھاؤں گی؟" وہ نروٹھے پن سے بولیں۔

"اُبلی پھیکی غذائیں؟" اس کی آنکھیں پھٹیں۔

"یہ جن کو آپ اُبلی پھیکی غذائیں کہہ رہی ہیں' پورے ڈھائی گھنٹے میں بنائی ہیں میں نے۔" وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

"اس سے بہتر تھا تم مجھے آدھے گھنٹے میں چکن مسالا بنا دیتیں۔"

"آپ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ کھاتی ہیں آپ یا بلاؤں آپ کے ہٹلر پوتے کو۔" اس نے دھمکی دی۔ جانتی تھی بی جان کے کھانے پینے کے معاملے میں وہ اس سے بھی زیادہ محتاط تھا۔

"اچھا وہی ہٹلر پوتے جو آپ کے شوہر نامدار بھی ہیں۔" وہ شریر ہوئیں اور چمچہ اٹھالیا۔

"ویسے پلان کامیاب رہا ہے۔" وہ فخر سے کہنے لگیں۔

"دیکھو نا کیسے سیدھا ہو گیا ہے۔ میرا پوتا ہے' میں جانتی ہوں اسے۔" وہ ہنس۔

"ایسے ہی تم نے اسے معاف کر دینا تھا تو تمہیں فار گرانٹڈ لیتا۔"

وہ تائیدی انداز میں سرہلانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"آپ کی میڈیسن کا ٹائم ہو گیا ہے۔" اذلان بی جان کے پاؤں دبا رہا تھا' جب وہ ان کی دواؤں کا الارم بجنے پر پہنچ گئی۔

"تم بھی نا بالکل بھولتی نہیں ہو۔" انہوں نے منہ بنایا۔ دوائیاں کھا' کھا کر وہ تنگ آچکی تھیں۔ اذلان ابھی بھی ان کے پاؤں دبا رہا تھا بالکل خاموش۔ وہ دوا کھلا کر کمرے سے چلی گئی۔

"بس بچے!" انہوں نے پاؤں سائیڈ پر کرلیے۔ اذلان نے اٹھ کر ان کا کمبل درست کیا۔

"میرا اذلان اتنا خاموش تو نہیں تھا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

"آپ کا اذلان اتنا برا بھی تو نہیں تھا۔" وہ جبراً مسکرایا۔

"کس نے کہا کہ تم برے ہو۔"

وہ پوچھنے لگیں مگر وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"بی جان! وہ مجھے معاف نہیں کرتی۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور میں...." اس کی نظریں دھندلا گئیں۔ "میں ان آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتا۔"

"اس لیے اس کی طرف دیکھتے بھی نہیں ہو۔" آج کافی دنوں بعد وہ دونوں یوں بات کر رہے تھے۔ اذلان نے سر جھکا لیا۔

"اس سے کہتے کیوں نہیں ہو؟"

"اس قابل ہوں کہ اس سے کچھ کہہ سکوں؟" وہ مبہم سا ہنسا۔

"میں بات کروں نور سے؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"نہیں' بالکل نہیں' میں اسے فورس نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے فوراً نفی میں سرہلایا۔

"ایسا کب تک چلے گا۔"

میں تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں اذلان اور وہ بھی ایک ساتھ۔" وہ مسکرائیں۔

"میں نے بہت مشکل سے تم سے زیادہ خدمت گزار بہو ڈھونڈی ہے نالائق! مجھے میری ہنستی مسکراتی بہو واپس چاہیے۔" وہ شریر ہوئیں۔ اب کی بار وہ کھل کر مسکرا دیا۔

کمرے کے در و دیوار بالکل اسی کی طرح تھے۔ خاموش' پراسرار' مگر شان دار' جب بھی وہ حویلی سے باہر ہوتا وہ اس کے کمرے میں ضرور آتی تھی' ورنہ واپس آنے کے بعد وہ پہلے کی طرح اپنے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی۔

اس کی غیر موجودگی میں وہ بڑے حق سے اس کے کمرے میں موجود ہوتی تھی۔ کمرے کی ایک ایک چیز اسے اپنی محسوس ہوتی تھی' بس ایک اس کا مالک ہی اپنا نہ تھا۔ ابھی بھی وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو ہاتھ لگا کر محسوس کر رہی تھی۔

اس کی فل سائز تصویر جو بیڈ کے بالکل سامنے آویزاں تھی' کے سامنے آکر وہ تھم گئی۔ وقت جیسے رک گیا۔ لمحے منجمد ہو گئے۔ اچانک اس کی تصویر دھندلا گئی۔ اس نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا' پوری طرح نم ہو چکا تھا۔ دائیں ہاتھ کی پشت سے چہرہ پونچھتی وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"اب تو آپ کی تصویر بھی رلانے لگی ہے۔" اس نے شکوہ کیا مگر جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ باہر ہوا تیز ہو گئی تھی' شاید بارش ہونے والی تھی۔ بادل بہت زور سے گرجے' بالکنی کا دروازہ کھلا تھا۔

وہ بالکنی میں آگئی۔ گرل کے اوپر دونوں بازو ٹکا کر وہ بالکل اذلان کی طرح کھڑی تھی۔ ایک بے اختیاری عمل۔

نور نے ہاتھ بڑھایا۔ بارش کی پھوار شروع ہو چکی تھی۔ ہوا سے بال ادھر ادھر بکھر گئے۔ ادھر ادھر ہوتی پھوار اس کے کپڑے بھی بھگونے لگی۔ مگر وہ اپنے حلیے سے بے خبر کھڑی وہیں بھیگ رہی تھی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز نے اس کا دھیان کھینچا۔ وہ چونکی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دروازے تک آئی۔ سامنے کا منظر اس کے چودہ طبق روشن کرنے کو کافی تھا۔

اذلان اپنا والٹ اور چابیاں سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہا تھا پھر اس نے اپنا کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکا۔

وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"یا خدا! یہ آج کیسے آگئے۔ انہیں تو پرسوں آنا تھا۔" وہ گھبرائی۔ باہر جانے کا ایک ہی راستہ تھا جہاں وہ موجود تھا۔ ایک بار پھر دروازہ کھلا۔ اس نے جھانکا اصغری بوا اندر آرہی تھیں۔

"بیٹا! کھانا نکلوا دوں۔"

"نہیں بوا جی! میں فریش ہو جاؤں' بس ایک کپ کافی بھجوا دیں۔" وہ تھکا تھکا سا کہہ رہا تھا۔ نور کی جان میں جان آئی۔

ابھی وہ فریش ہونے جائے گا تو وہ چپکے سے باہر نکل جائے گی وہ سکون سے دوبارہ پیچھے ہٹ گئی مگر اصغری بوا کے جاتے ہی اذلان نے سب سے پہلے بالکنی کا دروازہ مقفل کیا اور نہانے کے لیے چلا گیا۔ بند دروازہ اس کا منہ چڑانے لگا۔

وہ نہا کر نکلا ہی تھا کہ بالکنی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کا پریشان ہونا فطری تھا۔

ایک جھٹکے سے اس نے دروازہ کھولا مگر نور کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم یہاں کیسے؟"

"راستہ دیں۔" نور نے اس کی بات کاٹ دی۔

اسے حیران پریشان چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

وہ کبھی بالکنی کو دیکھتا اور کبھی کمرے کے بند دروازے کو۔ معمہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

☼ ☼ ☼

"نور۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی بی جان!" ٹی وی کی آواز کم کرتی وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بچے! وہ اذلان کے کمرے میں ایک کپ کافی بھجوا دو۔ صبح سے اس کی طبیعت خراب ہے۔" گھٹنوں پر زور ڈالتیں وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"جی اچھا۔" پاؤں میں سلیپر ڈالتی وہ اٹھی۔

"بلکہ ایسا کرو خود ہی دے آؤ۔ دوا بھی پوچھ لینا۔" انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا اور کنگھی کرنے لگیں۔ نور نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

اس نے گھڑی دیکھی جو رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔

وہ جتنا اس کا سامنا کرنے سے بچ رہی تھی اتنا ہی پھنسی تھی۔

دودھ گرم کر کے گلاس ٹرے میں رکھا اور مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق اس کے کمرے کی راہ لی دستک دینے کے باوجود اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو وہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ پورا کمرا اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اسے پریشانی ہوئی۔

بالکنی سے مدھم سی روشنی آرہی تھی۔ وہ اس طرف آگئی۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتی وہ خود بخود کھل گیا۔

ہر طرف روشنی کی چکاچوند تھی۔ سرخ رنگ کی لاتعداد موم بتیاں بالکنی کی تمام گرلوں پر روشن تھیں۔ ٹیبل کے درمیان اس کا پسندیدہ پائن ایپل کیک موجود تھا جو چاروں طرف سے سرخ گلابوں سے گھرا تھا وہ متحیر سی پورے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ دودھ کا گلاس ہنوز ہاتھوں میں تھا۔

انا کی بات ہے ورنہ
محبت اب بھی باقی ہے
تجھے میری مجھے تیری
ضرورت اب بھی باقی ہے
یہ کیسا کھیل کھیلا ہے
میرے ساتھ قسمت نے
منزل کھڑا ہوں اور
مسافت اب بھی باقی ہے

ٹھہر ٹھہر کر نظم پڑھتا وہ اس کے عقب سے نکل کر بالکل اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کی نظروں میں موجود محبت نہ تو خواب تھی نہ خیال۔ وہ پھر بھی اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے بے یقین ہو۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ پھر پلٹ کر اس کے سامنے آگیا۔

"کچھ کہو گی نہیں؟" وہ چپ چاپ کھڑی رہی مگر اب آنکھوں میں نہ حیرت تھی نہ بے یقینی۔

"میں جانتا ہوں نور! میں نے دیر کر دی لیکن کیا اتنی دیر کر دی کہ واپسی کا ہر دروازہ بند ہو گیا ہے؟"

وہ قطرہ قطرہ اپنے آنسوؤں کو اندر اتار رہی تھی مگر وہ پھر بھی مقابل کو اپنے ہونے کا احساس دلا گئے۔

"میری محبت نے تمہیں آج تک صرف آنسو ہی دیے ہیں نا۔" وہ افسردگی سے کہنے لگا۔

"میری کوئی دلیل ان کا مداوا نہیں' میرا کوئی ایکسکیوز ان کا کفارہ نہیں۔" اس کے لفظوں میں بھی نمی گھلنے لگی۔ نور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"جانتی ہو نور! ایک ہی وقت میں کسی سے محبت اور نفرت کا عذاب کیسا ہوتا ہے۔" وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے یہ عذاب سہا ہے نور!" دھیمے دھیمے بولتا وہ کتنا پیارا لگ رہا تھا یہ کوئی نور العین سے پوچھتا جس نے ہمیشہ اس کے منہ سے اپنے لیے انگارے نکلتے دیکھے تھے۔

"گو اب میں تھکنے لگا ہوں' ٹوٹنے لگا ہوں۔ تمہارا گناہ گار ہوں اور آج... میں تم سے اپنے ہر لفظ' ہر رویے کے لیے معافی مانگتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہا تھا۔

"نہیں اذلان... میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا کہ آپ مجھ سے معافی مانگیں۔ میں نے تو آپ کو اسی روز معاف کر دیا تھا جب مجھے آپ کی نفرت کی وجہ معلوم ہوئی تھی۔" وہ آبدیدہ تھی۔

"ہاں میں یہ ضرور چاہتی تھی کہ آپ مجھے منائیں اور اس سے زیادہ میری محبت کی نہ تو کوئی طلب ہے نہ کوئی تقاضا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں۔" اس نے اذلان کا ہاتھ تھاما جسے اذلان نے مضبوطی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"میں تم سے اس وقت سے محبت کرتا ہوں نور! جب تم محبت کے ہجے بھی نہیں جانتی تھیں' ہاں! اعتراف اب کر رہا ہوں۔" وہ مسکرا دی۔ آنسوؤں کے درمیان معصوم سے مسکراتے چہرے پر اسے بے ساختہ پیار آیا۔

"کیک کاٹیں۔"

"آج سے زیادہ خوشی کا دن بھی کوئی ہو گا؟"

"ہاں کل ہو گا۔" وہ مسکرائی۔

"کل کیوں؟"

"کل میں اپنی برتھ ڈے پر آپ سے زندگی کا پہلا گفٹ لوں گی۔" وہ اترائی۔

"آپ کا وہ کل شروع ہوئے پورے نو منٹ ہو چکے ہیں اور یہ رہا آپ کا گفٹ۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ نور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ کو میرا برتھ ڈے یاد تھا؟"

"یاد بھی تھا اور اس کا انتظار بھی تھا۔ ورنہ آپ کو منانے کا معاملہ اس دن بھی سرانجام دیا جا سکتا تھا۔ جب آپ بڑے مشکوک انداز میں "یہاں" پائی گئی تھیں۔" اس نے یہاں پر خاصا زور دیا۔ نور نے سٹپٹا کر نظریں گھمائیں۔

"پہلے کیک کاٹیں۔" وہ پوچھنے لگا۔

"پھر میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ آپ اس رات یہاں کیا کر رہی تھیں؟" وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کا روپ نور کے لیے نیا اور انوکھا تھا۔

"جب آپ کی طبیعت خراب تھی تو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ فکرمند ہوئی۔

"میری طبیعت خراب تھی؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔

"ہاں' وہ بی جان نے آپ..." وہ چونکی۔ اذلان کی گہری ہوتی مسکراہٹ اس کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔

"اتنے عرصے سے وہ آپ کا ساتھ دے رہی تھیں۔ اگر آج تھوڑا سا میرا دے دیا تو کیا ہوا۔" وہ ذرا بھی شرمندہ نہ تھا۔

"یعنی آپ دونوں نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا۔" اسے صدمہ ہوا۔

"سوری! مگر ہمیں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔" وہ چڑانے لگا۔

"مطلب بی جان نے پارٹی بدل لی۔" وہ شاکڈ تھی۔

"نہیں' دو پارٹیوں کے بیچ ثالث بن گئیں۔" اس نے سمجھایا۔

"منائیں ذرا اب آپ مجھے' مانتی ہوں میں۔" روٹھی روٹھی سی نور کا یہ روپ بھی اسے آج ہی دیکھنے کو ملا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا اسے اور ستائے لیکن!

"او کے سیز فائر! کیک کاٹیں۔"

اس نے کندھے اچکائے مگر یکدم اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی' سو اسی پر آرہی۔ اذلان نے اسے شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ کیک کی طرف کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کیک پر چھری چلائی۔

"ہیپی برتھ ڈے مسز نور العین شاہ۔"

اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتا وہ اس کی دھڑکنیں بڑھا گیا۔ دل میں لگتا تھا طوفان مچا ہو۔ ساری روح بس ہاتھ میں سمٹ کر آگئی ہو مگر ہر شور پر بھاری بس ایک آواز تھی۔ ہر طوفان پر حاوی بس ایک گونج تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مسز نور العین شاہ۔"

رشتوں کی خوبصورتی ان کو بنانے میں نہیں بلکہ ان کو نبھانے میں ہے اور رشتوں کو نبھانے کے لیے "محبت" سے زیادہ مؤثر اور پائیدار ہتھیار کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صباحت جاوید

سنگ

"سعدیہ بھابھی! سعدیہ بھابھی!" نازلی نے گیٹ سے داخل ہوتے ہی آوازیں دینا شروع کردی تھیں۔

"اف! یہ مصیبت کہاں سے نازل ہوگئی۔" احمر اور عثمان کے آنے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ صبح بھی علیزے کی وجہ سے دیر ہوگئی تھی۔ بخار کی وجہ سے وہ چڑچڑی ہورہی تھی کہ امی سے بھی سنبھالی نہیں جارہی تھی۔ اسے سُلا کر میں کچن میں دوپہر کا کھانا بنانے آئی تھی اور اب یہ نازلی صاحبہ تشریف لے آئی تھیں، جو گھنٹہ' دو گھنٹے سے پہلے ٹلنے والی نہیں تھیں۔

میں نے کوفت اور بے زاری سے سوچا۔

پتا نہیں! لوگوں کے پاس اتنا فالتو وقت کیسے ہوتا ہے۔ عثمان تو پہلے ہی اس کے آنے سے چڑتے ہیں۔

"پتا نہیں کیسے کیسے لوگوں سے میل جول رکھا ہوا ہے تم نے۔ انسان اپنے جاننے والوں سے ہی پہچانا جاتا ہے۔"

اگر کبھی وہ عثمان کی موجودگی میں آجاتی تو ان کا موڈ فوراً" خراب ہوجاتا۔ اور پھر اس کے جانے کے بعد سارا غصہ مجھ پر نکلتا۔

"میں کون سا اس کے گھر جاتی ہوں۔ وہ خود ہی آجاتی ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں اس سے کہہ دیتی ہوں کہ میرے میاں کو تمہارا آنا پسند نہیں۔ براہ مہربانی آئندہ ہمارے گھر آنے کی زحمت مت کرنا... اور پھر بعد میں امی گھر آئے مہمان اور وہ بھی ہمسائی کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنے پر جو لیکچر سنائیں گی' وہ صرف آپ ہی سنیں گے۔" میں نے بھی انہیں چڑ کر جواب دیا۔

میں کہاں اس کے آنے سے خوش ہوتی تھی۔ اس کا میاں دبئی میں کاروبار کرتا تھا۔ جب آتی اپنی امارت کے قصے سنا کر میرا دل جلاتی۔

میں ان ہی سوچوں میں گھری تھی اور وہ میرے سر پر پہنچ گئی۔

"او گاڈ! آپ کچن میں چھپی بیٹھی ہیں اور میں آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے دوران کہا۔

میں نے ایک نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔ اس نے تیز میک اپ کیا ہوا تھا اور بھاری جیولری اپنے جسم پر لادی ہوئی تھی۔

"اتنا زیور تو آج کل کی دلہنیں بھی اپنی شادی پر نہیں پہنتیں۔" میں نے کوفت سے سوچا۔

"یہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہے۔ احمر کو اسکول سے گھر عثمان ہی لاتے ہیں اور پھر دوپہر کا کھانا کھا کر وہ دوبارہ آفس جاتے ہیں۔ اس لیے مجھے اس وقت کچن میں ہی ہونا چاہیے تھا۔" میں نے اسے جتاتے ہوئے کہا۔

"اف بھابھی! آپ تو ہر وقت کچن میں مصروف رہتی ہیں۔ یہ لہسن اور ادرک کی بو سے آپ الرجک نہیں ہوتیں؟ میں تو تھوڑی دیر کے لیے ہی کچن میں چلی جاؤں تو فوراً" میری طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ کم از کم کچن کے کاموں کے لیے تو پرمننٹ ملازم رکھ لیں۔" اس نے مفت مشورے سے نوازا۔ میرے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ میرے تاثرات کی پروا کیے بغیر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"آپ جانتی ہیں کہ ہمارے گھر میں کتنے لوگ ہیں۔ صرف میں اور بلال... اور بلال بھی زیادہ تر دبئی میں رہتے ہیں۔ پھر بھی گھر کے ہر کام کے لیے علیحدہ علیحدہ ملازم رکھے ہوئے ہیں۔ کچن میں بھی دو' دو کک ہیں۔ آپ کہیں تو میں اپنا ایک ملازم کچن کے کاموں کے لیے بھیج دوں؟ مجھے کون سا ملازموں کی کمی ہے۔" وہ اترائی۔

"ارے! اس کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی ماسی آتی ہے۔ وہ صفائی' کپڑے اور برتن دھو جاتی ہے۔ باقی رہ گیا ہنڈیا پکانے کا کام تو یہ امی کو پسند نہیں کہ یہ کام ملازم سے کروایا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ کچن کا کام گھر کی عورت کو ہی کرنا چاہیے' ورنہ کھانے میں برکت نہیں رہتی اور پھر عثمان بھی کسی کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کرتے۔" میں نے سہولت سے منع کرتے ہوئے ساتھ ہی اسے جتایا۔

"رہنے دیں بھابھی! یہ ساسیں ہوتی ہی ایسی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ تو دیکھ ہی نہیں سکتیں کہ بہو سکون سے رہے۔ میری ساس شکر ہے! میرے ساتھ نہیں رہتیں۔ لیکن جب کبھی بلال سے ملنے آتی ہیں تو جتنے دن بھی رہتی ہیں، میرا ناک میں دم کیے رکھتی ہیں۔ "سارا دن گھر میں فارغ رہتی ہو تو پھر اتنے ملازم کیوں رکھے ہیں۔" اس نے اپنی ساس کی نقل اتاری۔

"بھئی! میرا میاں میرے لیے کماتا ہے۔ ساری زندگی خود اپنے میاں کے پیسوں پر عیش کیا ہے۔ میرا خرچ کرنا انہیں برداشت نہیں ہوتا۔" پھر چمک کر بولی۔

"اور میاں کی پسند کی بھی خوب کہی۔ یہ ان مردوں کی چال ہوتی ہے کہ عورتوں کو یوں ہی جھوٹی سچی تعریف میں الجھائے رکھیں اور خود باہر کی دنیا میں عیش کرتے پھریں۔"

میرے چہرے پر غصے کے تاثرات دیکھ کر وہ فوراً سنبھل گئی۔

"لیکن یہ سچ ہے بھابھی! کہ آپ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔ کافی عرصہ پہلے آپ کے ہاتھ کی بنی ہوئی کھیر کھائی تھی۔ آج تک میں اور بلال اس کا ذائقہ بھول نہیں سکے۔" اس کی تعریف سے بھی میری ناگواری کم نہ ہوئی۔

تب ہی اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر نمبر دیکھ کر بولی۔

"بلال کا فون ہے۔" میں خاموشی سے ہنڈیا میں چمچہ چلاتی رہی۔

"بلال! آپ بھی حد کررہے ہیں۔ آپ کے دوست کو پہلے بتانا چاہیے تھا۔ اب اتنی ایمرجنسی میں دعوت کرنے کی کیا تک ہے۔ میں ابھی گھر پر نہیں ہوں اور پھر مجھے تیار ہونے میں بھی خاصا وقت لگے گا۔" وہ تیز آواز میں نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

اس کی آخری بات پر میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ابھی اسے تیار ہونے کے لیے وقت چاہیے؟ کیا کوئی کسر باقی رہ گئی ہے اس کے تیار ہونے میں؟

"آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ اُفوہ! آپ فون بند کریں گے تو میں تیار ہوں گی نا۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

یعنی اب اس سے جلدی جان چھوٹ جائے گی۔ میں نے اطمینان بھری سانس لی۔ فون بند کرکے وہ پھر میری طرف پلٹی۔

"بلال کا فون تھا۔ آپ کو تو معلوم ہے، بلال کتنے سوشل ہیں۔ ان کے دوستوں میں بہت بڑے بڑے لوگ شامل ہیں۔" اس نے فخریہ لہجے میں مجھے اطلاع پہنچائی۔

"خاص طور پر جب سے بلال دبئی گئے ہیں، ہر کوئی ان کا دوست ہونے کا دعوے دار بن گیا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ بلال کتنے سیدھے ہیں۔ اسی لیے تو میں ان کے ساتھ ہر وقت رہتی ہوں، تاکہ لوگ ان سے میٹھی میٹھی باتیں کرکے انہیں بے وقوف نہ بنالیں۔ میری ساس تو شروع سے چاہتی ہیں کہ بلال اپنے باقی دونوں بھائیوں کو بھی اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کرلیں۔ لیکن میں اتنی آسانی سے ان کے کسی بھی منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"

اس نے نخوت سے سر جھٹکا اور پھر میرے چہرے کی طرف دیکھ کر مایوس ہوئی، جہاں صاف لکھا تھا کہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

"سعدیہ بھابھی! بڑی عید آنے والی ہے۔ آپ نے ابھی تک قربانی کا جانور نہیں خریدا؟" وہ ادھر ادھر یوں نظریں دوڑا رہی تھی جیسے ابھی کہیں سے جانور نکل آئے گا۔

"اوہ! تو یہ پرابلم ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

"ابھی عید میں کافی دن ہیں۔" میں نے چولہا بند کیا اور چائے کے کپ میز پر رکھ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"بھابھی! آپ نے بلاوجہ تکلف کیا۔ میں بس جارہی تھی۔"

"میرے سر میں درد ہورہا ہے۔ میں نے اپنے لیے چائے بنائی تھی تو تمہارے لیے بھی بنادی۔" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں نے خرید لیا جانور؟" میرا سوال سن کے وہ کھل اٹھی۔ اس طرح اسے اپنی امارت کا رعب جھاڑنے کا موقع جو مل گیا تھا۔

"جی بھابھی!" اس بار ہم لوگ ایک گائے اور چار بکروں کی قربانی کریں گے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ جانوروں کی قیمتیں آسمانوں کو چھو رہی ہیں، لیکن بلال نے کہا کہ چاہے قیمت کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ہم لوگ اچھے سے اچھا اور اعلا نسل کا جانور ہی خریدیں گے۔ آپ کو تو معلوم ہے بلال کا خاندان کتنا غریب ہے۔ وہ لوگ بھی بے چارے عید کے دن گوشت کی شکل دیکھ لیں گے اور ہمیں بھی ثواب مل جائے گا۔" اس نے معصوم شکل بنا کر یوں کہا جیسے اس کے علاوہ دنیا میں کوئی اور نیک انسان نہیں ہے۔

"دوسروں کے سامنے اپنی نیکی کا اعلان کرنا بھی نیکی کا کام ہے۔ قربانی کا جانور خرید کر اس کی قیمت دگنا کرکے لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے بھی ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا، لیکن اس نے محسوس نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی توجہ اپنے موبائل کی طرف ہوگئی تھی، جو ایک بار پھر بج اٹھا تھا۔

"اُف بلال! آپ بھی ایک بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ پتا نہیں کس بات کی جلدی ہے آپ کو..... اچھا! ٹھیک ہے، آتی ہوں۔" اس نے چڑ کر کہا اور غصے سے موبائل بند کردیا اور پھر میری طرف دیکھ کر زبردستی مسکرائی۔

"بھابھی! بلال گھر آگئے ہیں۔ میں اب چلتی ہوں۔ کل پھر آؤں گی۔"

"ہاں بھئی! ابھی تمہارے آنے کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ جب تک تم اپنے خریدے ہوئے جانوروں کی قیمتیں دگنا کرکے نہیں بتاؤ گی، تمہیں چین کہاں ملے گا۔" میں نے سوچا اور گھڑی کی طرف دیکھا۔ عثمان کے آنے میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ میں فوراً اٹھ کر روٹیاں پکانے لگی۔

✡ ✡ ✡

"بابا! ہم لوگ قربانی کا جانور کب لیں گے۔ میرے سب دوستوں کے بکرے خرید لیے گئے ہیں۔" احمر کھانے کے معاملے میں ہمیشہ سے چور تھا۔ اس وقت بھی اسے کھانے سے زیادہ بکروں کی فکر سوار تھی۔

"خرید لیں گے آج کل میں۔" عثمان نے پانی پیتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔

مجھے لگا جیسے عثمان اسے ٹال رہے ہوں۔ میں نے احمر کو ٹوکا کہ وہ دھیان سے کھانا کھائے۔ وہ ہمیشہ بکروں کے بارے میں اتنا ہی پرجوش ہوتا ہے۔ وہ تو چھوٹی عید کے فوراً بعد عثمان کے پیچھے پڑ جاتا ہے کہ بکرے خریدیں اور جب بکرے آجائیں تو پھر نہ اسے کھانے کا ہوش رہتا تھا، نہ ہی کسی اور چیز کا۔ اسکول سے آتے ہی وہ بکروں میں مگن ہوجاتا ہے۔ کبھی انہیں نہلا رہا ہے، کبھی چارہ کھلا رہا ہے اور کبھی بکروں کو سیر کرائی جارہی ہے اور پھر قربانی کے بعد نہایت اداس ہوجاتا ہے۔ سارا دن کچھ کھاتا پیتا نہیں۔

"عثمان بیٹا! آج مجھ سے قربانی کا جانور خریدنے کی رقم لے لینا۔ یہ بھی سر پر ایک بوجھ ہوتا ہے۔ اگر مجھ سے خرچ ہوگئے تو بلاوجہ پریشانی ہوگی۔" امی نے کھانے کے دوران عثمان سے کہا۔

"امی! آپ پریشان کیوں ہورہی ہیں، اگر آپ سے پیسے خرچ ہو بھی گئے تو کیا میرے پیسے اور آپ کے پیسے علیحدہ علیحدہ ہیں؟"

"بیٹا! ایسی بات نہیں ہے۔ عورت اگر صاحب نصاب ہو تو اسے خود قربانی کرنا چاہیے، ورنہ مرد کے ذمہ اس کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں۔ گنجائش ہو تو کردے اور پھر یہ میرے دلی سکون کی بات ہے۔ مجھے اسی میں خوشی ملتی ہے۔" امی کی بات سن کر عثمان خاموش ہوگئے۔

عثمان کے آفس جانے کے بعد میں کچن سمیٹ کر امی کے کمرے میں آئی تو احمر ان کے بستر پر لیٹا ان سے باتیں کررہا تھا۔ یہ بھی اماں کا معمول تھا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد احمر کو اپنے کمرے میں لے آتیں اور باتوں باتوں میں بہت سی دینی باتیں اسے بتادیتیں۔ میں نے علیزے کو قالین پر بٹھایا اور اس کے سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلونے رکھ کر خود احمر اور امی کی باتیں سننے لگی۔

"اچھا! یہ بتاؤ ہم لوگ قربانی کیوں کرتے ہیں؟" اماں نے احمر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔" احمر نے مقصومیت سے جواب دیا۔

"شاباش بیٹا!" اماں نے خوش ہوتے ہوئے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"قربانی ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا۔ مگر وہ بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ اسی طرح آج بھی دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ مشرکین اور عیسائی بتوں کے نام پر یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورۃ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔ قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیے۔ دوسری ایک آیت میں اسی مفہوم کو دوسرے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ "بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ ہر سال برابر قربانی کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر واجب نہیں، بلکہ ہر شخص پر ہر شہر میں واجب ہوگی، بشرطیکہ شریعت نے قربانی کے واجب ہونے کے لیے جو شرائط اور قیود بیان کی ہیں، وہ پائی جائیں۔" امی نے اسے تفصیل سے بتایا۔

"لیکن امی! آج کل تو قربانی بھی لوگوں کے لیے ثواب سے زیادہ نمود و نمائش کا کھیل بن چکا ہے۔ لوگ اب قربانی ثواب کی نیت سے نہیں، بلکہ معاشرے میں اپنی ناک اونچی کرنے کے لیے کرتے ہیں۔" یہ شاید نازلی کی باتوں کا اثر تھا کہ میرا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا۔

"ہاں بیٹا! بعض لوگ یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ طاقت نہ ہونے کے باوجود شرم کی وجہ سے قربانی کرتے ہیں کہ لوگ یہ کہیں گے کہ انہوں نے قربانی نہیں کی۔ محض دکھاوے کے لیے قربانی کرنا درست نہیں۔

بہت سے لوگ محض گوشت کھانے کی نیت سے قربانی کرتے ہیں۔ اگر عبادت کی نیت نہ ہو تو اس کو ثواب نہیں ملے گا۔ بعض لوگ گائے یا بھینس میں حصہ رکھ لیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ جن لوگوں کے حصے رکھے ہیں، وہ کیسے لوگ ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ اگر سات حصہ داروں میں سے ایک بھی بے دین ہو یا اس نے قربانی ثواب کی نیت سے نہیں، بلکہ محض گوشت کھانے کے لیے کی تو سب کی قربانی برباد ہو گئی۔ اس لیے حصہ ڈالتے وقت حصہ داروں کا انتخاب بڑی احتیاط سے کرنا چاہیے۔"

امی نے ایک ٹھنڈی آہ کھینچی اور احمر کے ماتھے پر پیار کیا جو باتوں کے دوران سو گیا تھا اور نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

رات کو جب میں بچوں کو سلا کر کمرے میں آئی تو عثمان کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ میں نے بیڈ پر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا کندھا ہلایا تو وہ ایک دم چونک پڑے۔

"کیا بات ہے عثمان! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" میں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ بس یوں ہی سر میں درد ہو رہا ہے۔" عثمان کی عادت تھی کہ وہ مشکل سے ہی اپنی پریشانی کسی دوسرے سے بیان کرتے تھے۔ مجھے ان کی اس عادت سے چڑ تھی۔ اس لیے میں خاموش ہو گئی۔

"لائیں! میں آپ کا سر دبا دوں۔" کچھ دیر بعد میں نے کہا تو وہ کسی گہری سوچ سے چونکے اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔

میں ان کا سر دبانے لگی۔ وہ تھوڑی دیر سوچوں میں

گم رہے، پھر متفکر سے انداز میں بولے۔

"سعدیہ! آج کل کاروبار کچھ مندا چل رہا ہے۔ بڑی عید بھی سر پر ہے۔ قربانی کے لیے جانور بھی خریدنے ہیں۔ ویسے تو میں اس چیز کو جواز بنا کر اس سال قربانی نہ کروں، لیکن میرا دل نہیں مان رہا ہے۔ ہم لوگ اپنے باقی سارے اخراجات تو اسی طرح کرتے ہیں۔ بس ڈنڈی مارنی ہو تو صرف دین کے کاموں ہی میں مارتے ہیں۔ میں چاہ رہا تھا کہ تمہاری جو کمیٹی نکلی ہے، وہ رقم تم مجھے دے دو۔ اس سے جانور خرید لیں گے اور جب نقصان پورا ہو جائے گا تو میں تمہیں رقم واپس لوٹا دوں گا۔"

"میری کب سے خواہش تھی کہ کمیٹی نکلے تو میں سونے کے کنگن بناؤں۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ آپ کی نظر میری کمیٹی پر ہے۔" غیر ارادی طور پر میری زبان سے نکل گیا۔

عثمان میری بات سن کر اک دم چپ ہو گئے اور میرے ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر اپنی جگہ پر کروٹ بدل کے لیٹ گئے۔ عثمان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ ایک بار بات کرنے کے بعد اسے دوبارہ دہراتے نہیں تھے۔

میں ساری رات خود کو ملامت کرتی رہی کہ میں نے عثمان سے اس طرح کیوں کہا۔ یہ بات صحیح ہے کہ سونے کے کنگن بنانے کی میری خواہش بہت دیرینہ ہے، لیکن جب کمیٹی نکلی تھی تو مجھے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ میں یہ پیسے عثمان کو دے دوں گی، تاکہ وہ کاروبار میں لگا سکیں اور اب جب خود عثمان نے مجھ سے پیسے مانگے تو میں نے انہیں اس طرح ٹکا سا جواب دے دیا۔ میں ساری رات اس پریشانی میں صحیح طرح سے سو نہیں سکی۔

☆ ☆ ☆

میں صبح جب اٹھی تو طبیعت بہت سست تھی۔ عثمان کا رویہ میرے ساتھ بالکل نارمل تھا۔ اس سے مجھے اور زیادہ دکھ ہوا، کیونکہ مجھے معلوم تھا، وہ کبھی بھی مجھ سے میرے رویے پر شکوہ یا شکایت نہیں کریں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ صبح ان سے معذرت کر لوں گی، لیکن مجھے موقع نہ مل سکا اور دوپہر کو عثمان کا فون آگیا کہ وہ آج کسی ضروری کام کی وجہ سے لنچ پر نہیں آسکیں گے۔ اس لیے میں سعد کو فون کر دوں کہ وہ احمر کو اسکول سے لے آئے۔ صبح مجھے اس بات کی تسلی تھی کہ دوپہر کو جب عثمان گھر آئیں گے تو ان سے معذرت کر لوں گی اور انہیں پیسے دے دوں گی، لیکن میں ایک بار پھر مایوس ہو گئی۔

میں نے بے دلی سے اپنے جیٹھ کے گھر فون کیا تو فون میری جیٹھانی نے اٹھایا۔ ان کی آواز بہت چہک رہی تھی۔ انہوں نے بہت خوش دلی سے میری اور بچوں کی خیریت پوچھی۔ مجھے بہت حیرت ہوئی، مگر اپنی حیرت پر قابو پا کر میں انہیں اپنے فون کرنے کی وجہ بتائی تو انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں بھی ابھی تمہیں ہی فون کرنے والی تھی۔"

"خیریت بھابھی؟" اس بار میں اپنی حیرت چھپا نہ سکی۔ جسے انہوں نے بھی فوراً محسوس کر لیا۔

"کیوں بھئی! میں تمہیں فون نہیں کر سکتی کیا؟" انہوں نے تیز آواز میں کہا۔

"نہیں بھابھی! ایسی بات نہیں۔ وہ دراصل آپ نے اس طرح سے کبھی فون نہیں کیا ناں۔" میں نے فوراً وضاحت دی۔

"وہ میں سوچ رہی تھی کہ کافی عرصہ ہو گیا ہے، ہمیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے.... تو کیوں نہ آج رات کا کھانا تم لوگ ہماری طرف کھاؤ۔"

"اس میں بھی آپ کے مزاج کا قصور ہے بھابھی صاحبہ! کہ اتنا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود بھی ہم ایک دوسرے سے ملنے سے کتراتے ہیں۔" میں نے سوچنے لگی اور پھر ان کی آواز پر چونکی۔

"میں عثمان کو اس کے موبائل پر فون کر کے کہہ دیتی ہوں۔ وہ آفس سے سیدھا ہماری طرف آجائے گا۔ تم اور اماں ایسا کرو! جب سعد، احمر کو گھر چھوڑنے آئے گا تو اس کے ساتھ ہی بچوں کو لے کر آجانا۔ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں کو آسانی رہے گی' ورنہ بلاوجہ چھوٹے بچوں کے ساتھ رکشا' ٹیکسی کے دھکے کھانے پڑیں گے۔" میں ان کی اس فراخ دلی پر ایک دفعہ پھر حیرت زدہ رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

پھر جب ہم ان کے گھر گئے' تب مجھ پر ان کی اس اچانک بیدار ہوئی محبت کا عقدہ کھلا۔ انہوں نے پورے گھر کو نئے سرے سے پینٹ کروایا تھا۔ اس کے علاوہ ڈرائنگ روم کا سارا فرنیچر نیا اور عمدہ کوالٹی کا تھا۔ اس کے ساتھ میچنگ پردے اور کارپٹ بھی بالکل نئے اور اپنی قیمت کا اعلان کررہے تھے۔

"اوہ! تو بھابھی یہ سب مجھے دکھانا چاہتی تھیں' تاکہ مجھ پر اپنی حیثیت کا رعب ڈال سکیں۔"

اگر میں امی کی محبت میں نہ رہ رہی ہوتی تو ایک عام عورت کی طرح یہ سب دیکھ کر حسد یا جلن کا شکار ضرور ہوتی' لیکن اپنی ساس کے ساتھ رہنے سے میری طبیعت میں ایک تبدیلی یہ پیدا ہوئی ہے کہ اگر وقتی طور پر ایسا کوئی جذبہ میرے اندر سر اٹھاتا بھی تھا تو میں فوراً" اس پر قابو پالیتی تھی۔ امی کے ساتھ رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ میں نے ہر حال میں شکر کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس کے علاوہ دوسروں کی خوشی میں خوش ہونے کا ڈھنگ بھی میں نے اپنی ساس سے ہی سیکھا ہے' اسی لیے میں نے بہت خوش دلی سے بھابھی کو اس نئی سیٹنگ پر مبارک باد دی اور ان کے انتخاب کو کھلے دل سے سراہا۔ انہیں شاید مجھ سے اس ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ ان کا چہرہ بجھ گیا' لیکن پھر فوراً" ہی اپنی کیفیت پر قابو پاکر انہوں نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"اس دفعہ ہم لوگ بڑی عید پر قربانی نہیں کررہے' اس لیے میں نے سوچا' عید سے پہلے ہی تم لوگوں کی دعوت کرلوں۔"

"ایک دوسرے کی دعوت کرنا اچھی بات ہے۔ اس سے مل جل کر بیٹھنے کا موقع ملتا ہے اور عید تو بہانہ ہوتی ہے ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا۔ لیکن قربانی دعوت کرنے کی نیت سے نہیں' بلکہ ثواب کی نیت سے کی جاتی ہے۔" امی نے بھابھی کو ٹوک دیا۔

بھابھی کو امی کا ٹوکنا برا لگا۔ ان کا فوراً" منہ بن گیا۔ بھائی جان کے اشارے پر وہ خاموش ہوگئیں۔ ورنہ ان کی طبیعت میں برداشت کا مادہ بہت کم تھا۔

کھانے کے بعد جب سب چائے پی رہے تھے' امی نے ایک بار پھر قربانی کا موضوع چھیڑ دیا۔

"انوار بیٹا! اس دفعہ تم لوگ قربانی نہیں کررہے؟" امی نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں پوچھا۔ بھائی جان اک دم سٹپٹا گئے اور مدد طلب نظروں سے بھابھی کو دیکھا۔ کیونکہ بھابھی ہمیشہ بھائی جان پر حاوی رہی ہیں' سو اب بھی انہوں نے ہی امی کو جواب دیا۔

"امی! آپ دیکھ تو رہی ہیں کہ گھر پر کتنا خرچہ ہوا ہے۔"

"انوار بیٹا! یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو سراسر فضول خرچی ہے۔" امی نے بھائی جان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا' جن کی نظریں ابھی تک بھابھی کے چہرے پر تھیں' لیکن بھابھی کو اماں سے اس بات کی توقع نہیں تھی' پہلے تو وہ حیران ہوئیں' مگر پھر اگلے ہی لمحے تیز لہجے میں بولیں۔

"امی! آپ بھی پتا نہیں کس زمانے میں رہتی ہیں۔ ہماری تین جوان بیٹیاں ہیں۔ کل کو ہمیں ان کی شادیاں بھی کرنی ہیں۔ آج کل وہ دور نہیں' جب صرف لڑکی کی شکل و صورت یا تعلیم دیکھی جاتی تھی۔ اب تو سب سے پہلے لڑکی کا گھر دیکھا جاتا ہے۔ جتنا بڑا اور فرنشڈ گھر ہوگا' لڑکی کو اتنا ہی اچھا رشتہ ملے گا۔ لڑکے والوں پر رعب ڈالنے کے لیے یہ سب بہت ضروری ہوگیا ہے۔ قربانی تو ہم ہر سال ہی کرتے ہیں۔ اس سال نہیں کریں گے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ ماشاءاللہ! میرے چاروں بھائی بکرے اور گائے دونوں

کی قربانی کرتے ہیں۔ ہمیں گوشت کی کمی نہیں ہوگی۔ پہلے دن ہی ہمارا فریزر گوشت سے بھر جائے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم آپ لوگوں سے نہیں مانگیں گے۔ ویسے بھی عثمان مشکل سے ایک بکرا ہی افورڈ کرسکتا ہے' اپنی محدود آمدنی میں۔ وہ بھی اگر سارا بانٹ دے گا تو پھر آپ لوگ گوشت کہاں سے کھائیں گے؟"

میں نے عثمان کی طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا' لیکن میں جانتی تھی وہ کتنی مشکل سے بھابھی کی باتوں کو برداشت کررہے ہیں۔ امی نے بھی بھابھی کی بات پر انہیں ناگواری سے دیکھا۔ لیکن اپنا لہجہ دھیما اور نرم ہی رکھا۔

"بہو! پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قربانی عمر بھر میں ایک دفعہ کرلینا کافی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ جس طرح زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہر سال واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر صاحب نصاب پر قربانی بھی ہر سال واجب ہے۔ قربانی نہ کرنے پر احادیث میں بہت سی وعیدیں مذکور ہیں' جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قربانی نہ کرے' وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔" امی کی بات سن کر بھائی جان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ حدیث میں ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے' وہ گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوجاتا ہے۔"

"امی جان! ہم لوگ بھی الحمدللہ مسلمان ہیں اور قرآن و احادیث سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اگر گنجائش ہوتی تو ضرور قربانی دیتے۔" بھائی جان نے نظریں چراتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

امی نے ایک نظر انوار بھائی کو دیکھا اور پھر اپنے مخصوص لہجے میں بولیں۔

"ایک مسلمان اور پھر تمہاری ماں ہونے کے ناتے میرا فرض تھا کہ میں تمہیں ایک اچھے عمل کے بارے میں بتاؤں۔ آگے تمہاری مرضی۔ ہر شخص کا عمل اس کے اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا اس کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔"

واپسی کا راستہ بہت خاموشی سے گزرا۔ سب ہی اپنی اپنی سوچوں میں مگن تھے۔ مجھے معلوم ہے بھائی جان اور بھابھی کے رویے سے امی اور عثمان بہت دل برداشتہ ہوئے ہیں۔

ہدایت اور بھلائی بھی ہر کسی کے لیے نہیں ہوتی' لیکن امی نے ایک بات ٹھیک کہی تھی کہ ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ یعنی ہر انسان کو اس کی نیت کے حساب سے اس کے عمل کا اجر ملے گا۔ لہٰذا قربانی کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آپ نے کتنا مہنگا اور اعلا نسل کا جانور خریدا ہے' بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ آپ کس نیت سے قربانی کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ تو آپ کی قربانی کے جانور کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی اس جانور کی کھال۔ ہاں! وہ آپ کی نیت ضرور دیکھتا ہے۔ قربانی کرنے کا اصل مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے کہ گھر جاکر میں عثمان سے اپنے روپے کی معافی مانگوں گی اور انہیں وہ رقم دوں گی' تاکہ وہ قربانی کا جانور خرید لیں۔ نیت صاف ہو تو پھر آپ کا ہر عمل صحیح ہوتا ہے۔ عثمان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب دوسرا بندہ خود اپنی غلطی تسلیم کرلے تو وہ بھی فوراً" اپنا دل صاف کرلیتے ہیں۔

میں نے ایک پیار بھری نظر عثمان پر ڈالی اور پھر سکون سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائرہ رضا

وہ پہلی بار جب ہم ملے

"زول... زو... ل...ل...ل... زول..."
ڈرل مشین کی مسلسل چلتی آوز اس کے اعصاب کا کڑا امتحان تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج کے تھری سیٹر صوفے کی درمیانی نشست پر پیر لٹکائے سینے پر بازو لپیٹے بیٹھا تھا۔

پلکیں جھپکائے بنا' کریم کلر کی دیوار کو گھور رہا تھا۔ تصور کی آنکھ جو منظر کشی کر رہی تھی' وہ اس کے صحت مند' چہرے' سرخ و سفید رنگ کو لال انگارے میں بدل رہی تھی۔ اور منہ سوج سوج کر اس غبارے کی مانند ہو رہا تھا جس کے پھٹنے میں بس اگلا منٹ درکار ہو۔

فون کب سے بج رہا تھا۔ وہ اپنی غصیلی سوچوں میں بری طرح تو گم تھا ہی' مگر ڈرل مشین کے شور میں آواز سنائی نہیں دی تھی۔ ڈرل مشین پل بھر کو رکی تو بیل نے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے آواز کے تعاقب میں فون تلاشا تو خود ہی تقریباً "فون پر چڑھا بیٹھا تھا۔

"سات مسڈ کال' او نو۔"

"ہیلو' ہیلو' وعلیکم السلام!"

"نہیں! میں کمرے میں نہیں تھا۔"

"کمرے میں نہیں تھے تو کہاں تھے... اور یہ پیچھے شور کیسا ہے' لگتا ہے جیسے کوئی ڈرل مشین چل رہی ہو' کیا ہو رہا ہے؟"

"نہیں' نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ سرعت سے دوسرے کمرے کی جانب بڑھا۔

"آپ بتائیے! طبیعت ٹھیک ہے نا؟ شوگر کنٹرول

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور موسم کیسا ہے؟"

"ارے! یہاں آکر سارے دلدّر دور ہو گئے ہیں۔ میرے بھی اور تمہاری دادی جان کے بھی۔ کعبے پر پہلی نظر پڑنے کی دیر تھی۔ لوگ حج کرنے کے بعد کی زندگی کو نیا جنم کہتے ہیں۔ ہم تو اس پہلی نگاہ میں ہی دھلے دھلائے ہو گئے۔ یہ کوئی نیا آسمان ہے' نئی زمین اور ہم بھی وہ نہیں جو گھر سے نکلے تھے۔ نئے نئے سے' خود اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو پہچان نہیں پاتے۔"

ہر زائر کی طرح دادا جان پر بھی مکہ کا فسوں چڑھ گیا تھا۔ وہ کہنے کو اس کا حال چال پوچھنے کو فون کرتے تھے' مگر قصے سارے اپنے کہتے تھے۔

"آپ خوش نصیب ہیں دادا جان!" وہ مسکرایا۔ اسے اپنی مسکراہٹ بہت خوشی دے رہی تھی۔

"بالکل' بالکل! یہاں آکر یقین آگیا۔" دادا جان خوش دلی سے ہنسے۔ "تم سناؤ! بجھے بجھے لگ رہے ہو۔ بور ہو رہے ہو نا؟ بس بیٹا چند دن اور....."

"اٹس اوکے! آپ میری فکر نہ کریں۔ دادی جان ٹھیک ہیں نا اور....."

"وہ ٹھیک ہیں۔ انہیں یہاں کوئی اسکول کے زمانے کی دوست مل گئی ہے۔ دونوں بڑھیائیں اپنے اپنے گناہوں کی معافی اکٹھے ہی مانگتی ہیں۔ ہاہاہا۔"

"بری بات دادا جان۔" وہ جو بہت دیر سے تن کے بیٹھا تھا' بیڈ پر ڈھیلا سا ہو کر نیم دراز ہو گیا۔

"بھابھی بیگم کیسی ہیں؟ میری ان سے بات ہی نہ ہو سکی۔ بٹیا کا فون بھی بند جا رہا ہے۔ تم تو میری بات کرواتا..... اور تم ان کا خیال رکھ رہے ہو نا؟ کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے' نہ ہی کسی کو شکایت۔" دادا جان دھیان آنے پر ہمیشہ کی یاددہانی کروانے لگے۔

وہ دوبارہ تن کے بیٹھ گیا (انہیں اب میری کیا ضرورت..... مجھ سے بہتر خیال رکھا تو جا رہا ہے۔)

"جی دادا جان! رکھتا ہوں خیال۔۔ آپ فکر مند نہ ہوں..... چاچو کدھر ہیں؟"

"تمہاری دادی جان تمہارے کھانے کے حوالے سے فکر مند ہو رہی ہیں کہ باہر کا گند مند کھاتا ہو گا۔ ... نے تشفی کروائی بھابھی بیگم اور نوین بیٹا ہیں نا... جو مرضی کھاؤ پیو' مگر ناشتا گھر کا بنا ہوا کرنا سمجھے... تمہارے چچا....."

اس نے دیوار گیر گھڑی پر ٹائم دیکھا۔ دن کے ... بج رہے تھے اور ابھی تک اس نے ناشتا نہیں کیا... دیر سے سو کر تو اٹھا تھا۔ مگر دیکھو جو ذرا پروا ہو...

"چندا ناشتا کرلو... خالی پیٹ چائے مت لینا۔ پہلے کھالو" اور اب دیکھو! مجال ہے جو تین دن سے ... ہو' زندہ ہو یا مر گئے.... ہاہ! اور دادا جان کہتے ہیں گھر ... ہوا ناشتا...؟"

اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ناشتے کا تصور... کیا۔ جلے اکڑے سیاہ توس.... انڈے کی زردی گزرے وقت کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل پھسل گئی۔

"رہی چائے... وہ چائے کے مخصوص ذائقے کا عادی تھا۔ مناسب چینی' مناسب پتی اور مناسب دودھ' نہ کم اور نہ زیادہ بلکہ زیادہ تو حلق سے بھی نہیں اترپاتی اور... خود سب کام کرلیتا تھا' مگر اپنی ہی پسند کے فلیور کی چائے نہیں بنا پاتا تھا۔ دادی جان بنادیں' دادی بیگم بنادیں یا پھر۔ اسے یکدم یاد آیا۔ اس کے ہاتھ کی چائے پر کیا جانے والا تاریخی تبصرہ۔

"توبہ... توبہ.... یہ چائے ہے۔ اسے چائے کہتے ہیں۔ غضب خدا کا۔ چینی کا ڈھیر' پتی کا ڈبا الٹ دیا گویا اور دودھ توبہ! رنگ دیکھو' چائے ہے یا کاڑھا۔ خبردار! جو تم نے آج کے بعد مجھے بھی چائے کی آفر کی۔ پکڑو اپنی پیالی... توبہ توبہ..... چائے پیئیں گی میں اپنے ہاتھوں سے بناؤں گا۔" اس کے لہجے کی نقل اتار کر پیالی میز پر پٹخ کر رکھی تھی۔

"کالے منہ والی بدکردار چائے۔ نہ شکل' نہ عقل' نہ رنگ' نہ ذائقہ' حلق کڑوا کردیا۔"

اور وہ جو اپنی چائے کی اس کردار کشی پر رونکھا ہو رہا تھا۔ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔

"اب خیال نہیں آرہا۔ تین دن سے میں واقعی کالے منہ والی بد کردار چائے پی رہا ہوں گا۔ سچ ہے بھئی! دنیا مطلب کی۔ جب کوئی نہیں تھا تو میں تھا۔ اب جب کوئی ہے تو میں کیوں ہوں گا؟"

دادا جان کو جھوٹی سچی کہہ سنا کر اس نے فون رکھ دیا۔

پہلے سوچا پزا کا آرڈر دے' مگر تین دن سے پزا ہی تو کھا رہا تھا۔

اوں ہوں!" یہ ــــ خیال رد کیا' پھر.... دودھ پی کر کچھ غور کرنے کا سوچا' مگر لاؤنج میں آتے ہی ڈرل مشین... مانو دماغ گھوم گیا۔

"فی الوقت گھر سے بھاگ جانے سے اچھا خیال کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔"

✡ ✡ ✡

"آپ کو خبر ہے لڑکیوں کی تربیت کتنا نازک اور اہم کام ہے؟" نوال کے ہاتھ میں لمبی پتلی سی چھڑی تھی جو کل مالی سے لان کی چھٹائی کرواتے ہوئے اس نے نجانے کہاں سے توڑ کر اپنے ہاتھ میں پکڑلی۔ اب اسے تول تول کر اپنے ہاتھ پر خود ہی مارتے ہوئے اس کے خطاب کا وقت ہو گیا تھا۔

"پہلے زمانے کی لڑکی پردے میں سب کی نظروں کے درمیان پروان چڑھتی تھی اور اسے اس وقت خطرہ تھا' صرف خاندان کے کسی کزن سے 'چاچے' ماما کے لڑکے سے یا کوئی شیر دل ہمت کرکے رقعہ بھیج دے تو جیسے آخری حد.... اور لڑکیاں گھر سے نکلتی کب تھیں۔ سال میں ایک دو مرتبہ کسی شادی عقیقے پر جب سب گوٹے لپے پہن کر اکٹھے ہوتے..... تو اگر کسی بے چارے کی کسی بے چاری سے نگاہ مل جاتی تو بس جی! اگلے روز رشتہ' چھ ماہ بعد شادی... دی اینڈ.... جبکہ ـ" اس نے چھڑی کرسی کی ہتھی پر برسائی۔

"جبکہ آج کی لڑکی کے لیے جگہ جگہ خطرات ہیں۔ جیسے اسکول' کالج' یونیورسٹی' کوچنگ' ڈرائیورز' موبائل' فون' انٹرنیٹ..... ہر جگہ خطرہ ہی خطرہ.... چلتے رستے پر اتنی بہت ساری کہانیاں سنبھل کر چلیں تو چلیں' ورنہ گرنے کے چانسز زیادہ.... سو آج کل کی لڑکیوں کے لیے زیادہ مشکلات اور خطرات ہیں اور ان کی تربیت ایک بالکل نئے انداز سے کرنے کی اشد ضرورت ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"اور مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے..." ڈرامائی وقفہ دیا۔ "کہ نانا میاں نے آپ دونوں کی تربیت پر بالکل توجہ نہیں دی۔ اور وہ بھی نئے زمانے کے حساب سے... چچ چچ... آپ دونوں قطعی طور پر ناموزوں ثابت ہوئی ہیں۔"

وہ جیسے شدید صدمے سے اب مزید بولنے سے قاصر تھی۔

اس کی لترلتر چلتی زبان سے سحرزدہ نوین تو اول روز ہی سے اس کی زبان دانی کی قائل ہو گئی تھی اور دس روز سے اس کے تمام سنہری کلمات سے فیض یاب

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول
دل کے موسم
مریم عزیز
قیمت 250 روپے
ننگے پاؤں
نگہت سیما
قیمت 250 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہی تھی۔

نوال کا منہ کھلتا تو نوین کا سارا وجود سماعت کا آلہ بن جاتا۔ نجانے کس پل کیا سننے کا مل جائے، مگر یہ جملہ...... وہ کرسی پر بیٹھی تھی کہنی ہتھی پر اور بند ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکی تھی۔ نوال کا جملہ سمجھ میں آیا تو جیسے ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

"لڑکیاں! کون لڑکیاں...... یہاں کون سی لڑکیاں ہیں؟" اس نے چہار جانب دیکھا۔

کن دو لڑکیوں کی تربیت میں چوک ہو گئی تھی؟ اس گھر میں تو وہی دو تھیں۔ ایک وہ نوین منیر عمر بتیس سال اور دوسری اس کی امی زینت منیر۔ تو کیا ان دو لڑکیوں؟ کی تربیت خراب ہو گئی، مطلب غلط کی گئی۔

"بتیس سالہ نوین منیر اور چونسٹھ سالہ زینت زوجہ منیر خان۔"

نوال ضمیر خان جیسے ہار مان کے بیٹھ گئی۔ اپنی نانی زینت منیر خان کا ہراساں چہرہ اس کے سارے خطاب پر پانی پھیر رہا تھا۔

اگلے پل نوین اپنی امی کے ہمراہ ہنسی سے دہری ہو گئی تھی۔

"لڑکیاں؟" ہنسی رکتی تو لفظ "لڑکی پر ایک بار پھر پھوٹ پڑتی۔ ہنسی کے رکنے تک وہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"تو کیا آپ لوگ لڑکیاں نہیں ہیں؟ لڑکے ہیں کیا...... ؟ اور اتنی بھی ہنسنے کی بات نہیں۔ یہ ہنسی کا نہیں رونے کا مقام ہے، اس قدر ناکارہ... اف...... میں تو تصوّر نہیں کر سکتی ایسی زندگی کا، جیسی آپ لوگ گزار رہی ہیں محتاجی کی زندگی، بلکہ احترام ملحوظ خاطر...... نکمی ...... ہڈ حرامی والی، بزدل زندگی......"

☼ ☼ ☼

ضمیر بھائی کا فون ہر بار خوشی، بے فکری اور پل بھر کے لیے ہی سہی، ہر شے کو بھلا دینے والا ٹانک ہوا کرتا تھا۔ جب سے انہوں نے بتایا کہ نوال کراچی آنا چاہ رہی ہے اور ان کے ہاں رہے گی۔ اور...... اور اگر اس کا مائنڈ سیٹ ہوا اور موڈ بن گیا تو وہ آنرز کے لیے "جامعہ کراچی" میں داخلہ بھی لے سکتی ہے۔

اور ظاہر ہے جب جامعہ کراچی میں داخلہ لے گی تو رہے گی بھی یہاں ان کے گھر اور دوسرا کون ہے یہاں، جہاں جا کر وہ رہے؟ کیا نانی کا گھر ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہے گی۔

ان دونوں کی تنہا...... یکدم تنہا، اداس، بے رنگ زندگی میں نوال کی آمد...... خوشی، رنگ آس امید، ہنسی بن کر اتری......

نوین تنہائی پسند تھی یا تنہا رہ رہ کر اب عادی ہو چکی تھی۔ اس نے پہلے نوال کے لیے اپنے کمرے میں جگہ بنانے کا ارادہ کیا، پھر یہ سوچ کر دوسرا کمرہ تیار کیا کہ شاید وہ اپنے لیے علیحدہ کمرے کی خواہش کرے، بوجہ پرائیویسی۔

زینت بیگم نے کچن ہر طرح کے کھانے پینے کے سامان سے بھر لیا، دیسی بدیسی۔ گھر ایسے صاف ستھرا ہوا کرتا تھا، جیسے کسی شیشے کے بکس میں بند ہو، مگر دونوں نے مل کر کونے کھدرے بھی جھاڑ ڈالے، جیسے نوال انسپکشن کے لیے آنے والی ہو۔

نوال اٹھارہ برس کی تھی۔ ایک طلسماتی گنگناتی عمر کا دور...... مگر زینت بیگم کے دماغ میں نجانے کیا سمایا یا ان کے تصوّر میں وہی بچی تھی، جب اسے پہلی بار گود میں لے لیا تھا۔

انہوں نے ایک بے حد خوب صورت باربی ڈول بمعہ لوازمات کے کمرے میں سجا ڈالی۔

نوین ان کی آخری عمر کی اولاد تھی۔ ان کی پہلی اولاد نعمان تھا اور دونوں بچوں کے بیچ بارہ برس کا فرق تھا۔ وہ تو بس ایک اکلوتے بیٹے ہی کو پال رہے تھے۔ نوین کی پیدائش بہت خوشی کا باعث تھی۔ مگر وہ جتنی توجہ نعمان کو دیتے تھے نوین ذرا سی نظر انداز ہو گئی۔ نعمان اپنی بیماری کے باعث ہم عمروں سے پیچھے رہ گیا۔ وہ کچھ غصیلا ہو گیا تھا۔ اگلی کلاس میں جانے والے فیلوز آوازے کستے تھے۔ وہ ایک لائق اور ذہین طالب علم تھا۔ فقط امتحان کے مہینے میں شدید بیماری کے باعث امتحان نہ دے سکا۔ اس کا پچھلا ریکارڈ اس بات کا متقاضی تھا کہ اسے اگلی کلاس میں ترقی مل جاتی، مگر منیر خان کی اصول پسند فطرت نے اس چیز کو سخت ناپسند کیا۔

نتیجتاً" ہونے والے نفسیاتی بدلاؤ سے نبٹنے کے لیے دونوں میاں بیوی کو بہت محنت کرنا پڑی۔ نوین فطرتاً" نازک، خاموش طبع اور خود میں گم رہنے والی لڑکی تھی۔ اس نے اپنی دنیا بسائی ہوئی تھی۔ گڑیوں، کھلونوں اور کتابوں کے ساتھ اب منیر خان کی دس ماہ پہلے ہونے والی موت نے زینت بیگم اور نوین کو ایک دوسرے کے نزدیک کر دیا تھا۔

نعمان سالوں پہلے باہر پڑھنے گیا تھا اور اب اس کے اپنے بچے وہاں پڑھتے تھے کہ اس نے وہیں سے گوری حسینہ پسند کی اور رہائش کے لیے اسی دیس کو چُن لیا۔

وہ باپ کے انتقال کی خبر سن کر ترنت پہنچا۔ اس نے تمام انتظامات سنبھال لیے تھے۔ مگر اسے واپس جانا تھا۔ اس نے ماں سے قطعاً" ضد نہیں کی کہ وہ ان کے ساتھ چلیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی نہیں جائیں گی۔ وہی اپنا ملک، خاندان...... مذہب...... کلچر اور اینٹ اینٹ جوڑ کر بنایا جانے والا گھر...... مرحوم شوہر کی نشانیاں......

سو جب بیٹے کے ساتھ نہیں گئیں تو اپنی پسندیدہ چیزوں کے ہمراہ رہیں۔ ہاں مگر ان سب من پسند چیزوں میں ایک چیز تنہائی بھی شامل کر لی جائے اور اب یہی تنہائی خاموشی اور سنّاٹے کو توڑنے نوال ضمیر آ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے اپنی آمد کے پہلے پل سے لے کر ان دونوں کو اتنا حیران کر دیا تھا کہ اب تو اپنی مسلسل حیرت پر بھی حیرت نہیں ہوتی تھی۔

سب سے پہلے تو اس کی ڈریسنگ اور ہینڈ بیگ کے ہمراہ پشت پر لگے بیگ کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں۔ اتنا چھوٹا بیگ، جس میں بمشکل دو جوڑے اور ایک جوتا آیا ہو گا۔ تو کیا وہ بس دو چار دن رہے گی؟ ضمیر بھائی تو کہہ رہے تھے عید کر کے جائے گی۔

اور کپڑے...... اگر جو منیر خان حیات ہوتے؟

جاگرز کے اوپر جینز کے پائنچے مڑے ہوئے تھے۔ گول دامن کی لمبی قمیص ٹخنوں کو چھوتی تھی۔ اوپر چیک کا مردانہ کالر، کف اور ڈھکن والی جیبیں سر پر اسکارف لپٹا تھا۔

ان دونوں سے گلے مل کر وہ صوفے پر ڈھے گئی۔ ٹانگیں تپائی پر رکھیں اور چٹکی سے اسکارف اتار کر زمین پر چھوڑ دیا۔ بالوں کا کلپ کھول کر گود میں رکھا تو ریشمی گھنگھریالے بال چہرے اور شانوں پر بدلیوں کی طرح چھا گئے۔

"تمہارا سامان نوال!" زینت بیگم کی سُوئی وہیں اٹکی تھی۔

"یہ ہے ناں۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور کھول کر تپائی پر الٹ دیا۔ دو جینز، ایک ٹائٹس اور چار شرٹس، ایک چھوٹی سی تھیلی میں شاید پونیاں وغیرہ۔

"بیٹا! تم تو عید تک رہو گی ناں...... یا پھر بس ملنے آئی ہو۔ دو چار روز کے لیے؟ ضمیر تو کہہ رہا تھا کہ......"

زینت بیگم کے چہرے پہ مایوسی پھیل گئی۔

"اوہ نو نانی جان۔" وہ بھانپ گئی اچک کر ان کے گلے لگ گئی۔ گال پر زور کی پپی دی "ضمیر ہمیشہ سچ کہتا ہے۔" اس نے نوین کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔

اپنے باپ کے نام کا ایسا استعمال... نوین کا چہرہ حق دق رہ گیا۔

"تو اتنے کم کپڑوں میں اتنے دن کیسے گزریں گے؟" زینت بیگم کپڑوں کو دیکھ کر بدمزا ہوئی تھیں۔ اول تو انہیں کپڑوں کا اسٹائل ہی پسند نہ آیا تھا اور دوئم اتنے بدرنگ کپڑے، کالی، نیلی اور گرے جینز...... سفید ٹائٹس گرے، براؤن سی گرین اور سفید رنگ کی شرٹس۔

"تو کیا کراچی میں بازار نہیں ہیں؟ میں تو نہیں لا سکتی بڑے بڑے صندوق بھر کے خوامخواہ...... میں نہا کر فریش ہو لوں تو چلیں گے شاپنگ پر۔ آپ کھانا لگائیے! میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مسلسل بولتے ہوئے بیگ میں واپس کپڑے ٹھونس رہی تھی۔ سفید ٹائٹ اور گرے بیگی شرٹ کندھے پر ڈال لی۔ شرٹ کے گلے میں سفید اور گرے اسکارف ٹھنسا ہوا تھا' یہ یقیناً اس کی امی کا کام تھا۔

بیگ ہی سے نفیس دوپٹا نکال زمین پر پھینکا۔

"کتنی دیر میں نکلو گی' میں کھانا لگاؤں؟" زینت بیگم نے صبح سے اس کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا تھا۔

"بس دو منٹ میں... ویسے تو میں دیر سے تکتی ہوں' مگر آپ کو بھوک لگ رہی ہے... ہے ناں؟ بس دو منٹ۔"

زینت بیگم نے حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ شوگر پیشنٹ ہیں نانی جان! اور صبح سے بھوکی بھی ہیں۔ چہرہ سب کہہ دیتا ہے۔" اس نے ایک بار پھر آنکھ میچی۔ زینت بیگم کا چہرہ لال ہو گیا۔

"ہاہاہا... شرماتے ہوئے آپ کتنی کیوٹ لگ رہی ہیں... اف! اس نے پھر آنکھ میچی۔ نوین کا ماتھا ٹھنکا۔

"یہ حرکت تم خود کرتی ہو یا کوئی ٹیکنیکل خرابی ہے؟"

"واہ... واہ۔" اس نے آنکھیں مٹکائیں اور ہاتھ نچائے۔ "اتنی بھی سیدھی نہیں ہیں۔ آتے ہی پوائنٹ مار دیا واہ! نوال ضمیر کا خیال تھا کہ اسے پوائنٹ مارنے والا آج تک کوئی مائی کا لال پیدا نہیں ہوا' مگر افسوس عالم بے خبری... واہ! کراچی کی ایک "مائی" سالوں پہلے ایسا "لال" بلکہ "لال' سرخ" پیدا کر چکی ہے۔"

اس نے مائی کہہ زینت بیگم کو دیکھا اور نوین کی بے ساختہ ہنسی سے ہونے والے سرخ چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

زینت بیگم حیرانی کی شدت سے مسکرا بھی نہ سکیں۔ ان کی آنکھیں ابل رہی تھیں۔ نوین ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے صوفے پر ڈھے سی گئی۔

☆ ☆ ☆

"میں تو تین دن میں عاجز آ گئی اور آپ تیس برس سے ایسی ہی زندگی گزار رہی ہیں مجھے نہیں معلوم تھا نانا اتنے تنگ نظر' انتہا پسند اور... کتنے مزے سے آپ کو اپنی پسند کی لاٹھی سے ہانکا اور آپ کیا خوب مزے سے رہٹ پر بندھے بیل کی طرح گھومتی جا رہی ہیں۔ گھومتی جا رہی ہیں۔ آنکھ پر بندھی پٹی ہٹا کر دیکھیں! دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور آپ... اب تو وہ نہیں ہیں... اور آپ پھر بھی... مائی گاڈ!"

وہ اپنا سر پیٹ رہی تھی۔

نوین اس کے بچکانہ انداز پر بردباری سے مسکراتی رہی۔

"واہ! آئی سی... وہ کیا کہتے ہیں..."

اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے... اور آگے..."

"اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے۔"

نوین نے اس کے اٹکنے پر شعر پورا کیا۔

"واہ واہ... یہ شعر مکمل کیا ہے یا اپنے دل کا حال کہا ہے؟ یہ آپ جیسی عورتیں ہی ہوتی ہیں جو مردوں کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ آپ نے کبھی شبنم شکیل کا وہ شعر نہیں سنا۔

آدھی مان چکی ہوں اس کی
آدھی بات پر اڑی ہوئی ہوں

مذہب' معاشرہ' قواعد' اصول' تابعداری سب اپنی جگہ... مگر کچھ چیزیں تھوڑی سی آزادی' تھوڑی سی خواہش' تھوڑی انا' تھوڑی 'میں' بچا کر رکھنی چاہیے۔ جب تک جان باقی ہو' آن بھی باقی رہنی چاہیے۔ آپ نے کبھی پرکٹے پرندے کو دیکھا؟ بھلے سے اس کے پر تواتر سے کترے جاتے ہوں' مگر وہ ذرا سا بھی گمان آتے ہی اڑان بھرنا ضرور ہے۔ نتیجہ خواہ دھڑام سے گرنا ہی ہو... کیونکہ اڑان فطرت ہے اور آپ کہتی ہیں' مانوس صیاد سے ہو گئیں' مجھے تو نانا جان کبھی اتنے ڈکٹیٹر نہیں لگے۔ سفاری سوٹ پہن کر کیا لبرل آدمی دکھتے تھے۔ لے کر اچھی خاصی لڑکی کا بیڑا غرق کر دیا۔ کون کہے گا۔ آپ نے کبھی یونیورسٹی کا منہ دیکھا ہے؟ مجال ہے جو ذرا الیکٹیو ہوں۔ تین دن سے مجھے اس گھر میں بند کر رکھا ہے... اور سچ کہتی ہوں اگر

آپ اب بھی مجھے لے کر باہر نہ نکلیں تو میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ اف!" اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے۔

"لان میں چلتے ہیں۔" نوین گھبرا گئی۔

"اوہ... مائی گاڈ... میرے اللہ کہاں بھیج دیا؟ لان بھی تو گھر ہے خالہ... میں باہر کہہ رہی ہوں' باہر... وہ جہاں روڈ ہوتا ہے۔ سیاہ رنگ کا جس پر گاڑیاں چلتی ہیں۔ پیں پیں... پاں پاں... لوگ چلتے ہیں' کانوں میں ہینڈز فری لگا کر فٹ پاتھ پر پڑے ایک پتھر کو ٹارگٹ بنائیں اور اسے پیروں سے دھکیلتے ہوئے وہاں تک لے جائیں... جہاں تک آپ جا رہی ہیں۔ اف! کتنا مزا آتا ہے۔ آپ نے کبھی ایسا کیا؟" اسے نفی کا یقین تھا مگر پھر بھی... نوین سحر زدہ سی تھی۔ کسی معمول کی طرح نفی میں گردن ہلائی۔

اچھا! کبھی کبھی رنگ اسپون سے سرف کے بلبلے بناتے ہوئے فٹ پاتھ پر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چلی ہیں؟"

"ناں... نہیں... مگر آسمان کی طرف دیکھ کر چلیں گے تو منہ کے بل نہ گر جائیں گے؟" نوین مسلسل نفی میں جواب دے کر جیسے شرمندہ تھی۔

"کیا ہو گیا ہے خالہ!" اس نے گویا سر پیٹ لیا۔ "آسمان پر نگاہ رکھنے والے کبھی منہ کے بل نہیں گرتے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

ہو نہہ...

"تمہیں شعر تو بہت اچھے یاد ہیں۔" نوین نے سراہنے کے ساتھ موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ڈیڈ کو یاد ہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "بہرحال! مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے اب تک کی زندگی بس یونہی فضول گنوائی... چچ... چچ۔" وہ تاسف سے سر ہلانے لگی۔

"لیکن خیر! آپ فکر مند نہ ہوں۔ اب میں آ گئی ہوں ناں۔ جیسے جیسے میں' کہوں ویسے ویسے کرتی جائیں اور..."

"اور تم کیا کہو گی؟" نوین نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں... میں..." وہ ٹھٹکنے لگی۔ ٹھوڑی گردن سے لگی تھی اور شہادت کی انگلی کنپٹی پر مارتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

"میں کہوں گی... میں کہو گی... بازار چلتے ہیں' شاپنگ پر۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"بازار؟ اس وقت شام کے چھ بج رہے ہیں نوال۔ جائیں گے کب اور آئیں گے کب؟ رات ہو جائے گی۔ کل... کل چلیں؟" نوین نے چونک کر گھڑی دیکھی۔

"کل کیوں؟ اسی کل کل کی گردان نے تین دن کر دیے میں اتنے کم کپڑے کیوں لائی تھی۔ بتائیے! کیوں لائی تھی؟"

"پپ... پتا نہیں۔" اس کے ڈپٹنے سے نوین ہکلائی۔

"اس لیے کہ مجھے کراچی سے شاپنگ کرنی تھی خالہ! آئی لو شاپنگ... اور اس میں کپڑے' جوتے سب شامل ہیں۔ آپ کو پتا ہے گھر میں سبزی گوشت سب میں لاتی ہوں لیکن خیر! اب آپ کو خود ہی پتا لگ جائے گا' نوال ضمیر کس چیز کا نام ہے؟"

نوین کا سر اثبات میں ہل رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اتنا کہا تھا ڈیڈ نے لیپ ٹاپ لے کر جاؤ۔ بس! اس وقت میرا دماغ نجانے کہاں تھا۔ توجہ ہی نہیں دی۔ اور اب... آخر! انٹرنیٹ کنکشن میں پرابلم کیا ہے؟" وہ کمپیوٹر کو گھورتے ہوئے سخت اکتائی ہوئی تھی۔

"غصہ مت کرو نوال! بس ایک دو روز اور رکو۔ آ جائے ناں انخفش تو وہ کرے گا کچھ۔" نوین نے صفائی دی۔

"ارے میرے مالک... مفلوج قوم کی مفلوج خواتین...!" اس نے سر پیٹ لیا۔ "اتنی محتاجی کی زندگی سے آپ کی ہر تان انخفش پر آ کر کیوں ٹوٹتی ہے؟ یہ ہے کون... کون سی بلا ہیں یہ حضرت؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بلا نہیں بچہ سمجھو۔ خان صاحب کے بعد اتنا ساتھ دیا ہے ہمارا کہ اپنے سگے بیٹے سے بھی بڑھ کر۔" زینت بیگم فوراً بولیں۔

"ہونہہ!" نوال کے بگڑے تیور درست نہ ہوئے۔

"ہم بازار جا رہے ہیں نانو۔" اس نے اپنی پونی ٹائٹ کی اور اسکارف کی تہ جمانے لگی۔

"ہائیں۔۔۔ ہم کون؟"

"کون" مطلب میں اور نوین خالہ۔" وہ مگن انداز میں اپنے ہینڈ بیگ میں موبائل اور رقم چیک کرنے لگی۔

"کون سے بازار؟" نوین اچانک افتاد پر بوکھلائی۔

"کوئی سے بھی۔۔۔ جو اچھا ہو۔۔۔ یا جہاں آپ جایا کرتی ہوں۔ کہاں سے کرتی ہیں آپ شاپنگ؟ حیدری' طارق روڈ؟"

"تم کو کیا لینا ہے؟ پھر اسی حساب سے۔"

"صرف اور صرف تھوڑا سا ریلیف۔۔۔ کچھ ہوا۔۔۔ کچھ نئے چہرے۔۔۔ تھوڑا سا شور۔" اس نے اچھل کود کر کے بتایا اور زوردار تین چیخیں ماریں۔ زینت بیگم نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور نوین ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

"چیخی کیوں؟" نوین نے دھڑ دھڑ دل پر ہاتھ رکھا۔

"یوں ہی۔" وہ طمانیت سے جوتی پیر میں پھنسانے لگی۔ "تھوڑی زندگی محسوس ہو اس لیے' ہوئی نا' ہوئی کہ نہیں؟" اس نے ٹٹولتی نگاہوں سے دونوں کو کھوجا۔

"ہوئی بہت ہوئی میری بچی۔" زینت بیگم نے بمشکل کھڑے ہو کر اسے خود سے لپٹا لیا۔ نوین بھی ہنس پڑی۔

"کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ ہنستے ہوئے کس قدر خوب صورت لگتی ہیں؟" نوال اسے دیکھ کر جیسے مسحور ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

نوال نے بڑی سراہتی نگاہوں سے بائیک کو دیکھا۔ رنگ' باڈی دیکھ کر لگتا تھا کہ گاڑی گویا دل سے لگا کر رکھی گئی ہو۔

"واؤ۔۔۔" اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑے۔ بائیک سوار نے نیچے اتر کر ٹنکی پر یوں تھپکی دی جیسے گھڑ سوار گھوڑے کی گردن سہلاتے ہیں۔ نوال پودوں کی آڑ میں تھی۔ جی بھر کے جائزہ لینے کی سہولت۔

آنے والے نے ہیلمٹ اتارا تو صحت مند' سرخ سفید چہرہ سامنے تھا۔ بالوں میں انگلیاں چلا کر اس نے سر جھٹک کر پسینے سے جان چھڑائی۔

"یہ کون ذات شریف ہے؟" وہ کیاری پھلانگتے ہوئے چراغ رگڑے جن کی طرح اس کے عین سامنے پہنچ گئی۔

اور وہ جو بائیک گلوز اتار رہا تھا۔ اچانک افتاد پر اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ نوال نے کمر پر ہاتھ جمائے۔ وہ سخت نگاہوں سے سوالیہ تاثر کے ساتھ جواب چاہتی تھی۔ نووارد کی آنکھوں میں ہلکی حیرت کے بعد جوشیلی خوشی بھر گئی۔

"ہیلو نوال! کیسی ہو' کب آئیں؟" اب دھچکے کی باری نوال کی تھی۔ وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ اس کی نظروں کے استعجاب سے نووارد کے چہرے پر خجالت آمیز پھیکے رنگ ابھر آئے۔

"تت۔۔۔ تم نے مجھے نہیں پہچانا؟" (نوین نے میرے بارے میں نہیں بتایا۔ اس سے ایسی امید تو ہرگز نہ تھی۔ یو بروٹس)

"نہیں! میں نے کبھی اسامہ اور اوباما کو قریب سے دوبدو نہیں دیکھا۔ سو اندازہ نہیں کہ وہ اسکرین کے علاوہ سامنے سے کیسے نظر آتے ہوں گے۔ تم کون اب خود ہی بتاؤ! اسامہ یا اوباما؟"

"نہیں! ان کا ماما۔" وہ بھنا گیا۔

"یقیناً"۔ بھانجے اور ماموں ایک ہی ہڈی سے بنے ہیں۔ وہ بھی جب جیسے کی بنیاد پر کہیں بھی بنا اجازت گھس جاتے ہیں۔ بڑی ہی دیدہ دلیری سے' بے شرمی سے اور۔۔۔"

"ایکسکیوز۔۔۔ می۔۔۔ بی بی۔" اس نے کرنٹ کھائے انداز میں انگلی اٹھا کر اسے روکا۔

"انگلی نیچے۔" نوال نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کر درشتی سے کہا۔ اور اتنا بے ساختہ انداز تھا کہ نووارد کی انگلی نیچے گر گئی۔

"ویل۔۔۔!" نوال نے فاتحانہ مسکراہٹ سے تعریف کی۔

"میں جواب دینے کا پابند نہیں۔" وہ پلک جھپکتے بائیک پر سوار ہوا اور کک لگائی۔

"اے سنو! تم اس طرح سے نہیں جا سکتے۔" وہ سرعت سے دونوں ہاتھ پھیلائے عین سامنے آ گئی۔

"تو کیا تمہاری لاش پر سے گزرنا پڑے گا؟" اس نے جیسے چڑایا۔

"لاش کے رشتے دار۔۔۔" اس کے سر پر لگی' تلووں بجھی۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔ نوال پر یقین تھی۔ وہ اسے جل دے کر کیسے بھاگ سکتا ہے۔ مگر اگلے پل نوال ہاتھ ملتی رہ گئی۔ وہ جھانسے میں آ گئی تھی۔ اگلے نے نگاہ سیدھی رکھ کر نشانہ دوسری جانب باندھا تھا۔

"ارے! روکو' رکو۔۔۔ ارے۔۔۔" اس نے بائیک اسٹارٹ کر دی۔ پیچھے بھاگی۔ مگر بائیک کے زوردار جھٹکے سے جھولتا کوا اڑ ناک پر لگا۔ دن میں تارے' بلکہ سارا نظام شمسی گھوم گیا۔

"ہائے! میں مری۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا نوال! ایسے کیوں بیٹھی ہو اور یہ ابھی اخفش کی بائیک کی آواز تھی؟ کہاں چلا گیا؟"

"اخفش۔۔۔!" نوال نے نام دہرایا۔

"اتنا ہینڈسم' گڈ لکنگ' لاکھوں روپے والی گاڑی؟"

وہ تو اتنے دن سے ذکر سن رہی تھی۔ غریب غرباء ملازم سمجھی تھی' یہ تو۔

"ہائے۔۔۔!" وہ کراہی۔ اخفش سے دشمنی کی بنیاد یہیں سے پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

بظاہر لاتعلق بنی نوال کا خون کھول رہا تھا۔ وہ صبح گیارہ بجے ساحر لودھی کا شو دیکھ کر اس سے بڑھ کر بلند مصنوعی قہقہے لگا رہی تھی۔ گویا لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ لیکن درحقیقت وہ کینہ توز نگاہوں سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے اخفش کو گھور رہی تھی۔ نانی اماں اس کے ساتھ براجمان تھیں۔ جبکہ نوین خالہ کچن سے گرما گرم پراٹھے پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ نانی امی کا بس نہیں چلتا تھا نوالے منہ میں دینا شروع کر دیں اور وہ میسنا منہ بسور بظاہر "نہ' نہ" کرتے ساڑھے تین پراٹھے (اف توبہ) ڈکار چکا تھا اور نوین کہہ رہی تھی۔

"اب یہ آدھا کیا چھوڑنا؟ دو نوالے بناؤ چندا۔۔۔"

"اتنا موٹا چندا۔۔۔؟ میں نواسی! مجھے تو ایک بار بھی اس طرح لاڈ سے کھلایا پلایا نہیں اور اس ابلے ہوئے آلو کے کیسے ترلے کیے جا رہے ہیں۔"

حالانکہ نانی اور خالہ نے اس کی آمد پر خاصا اہتمام کیا تھا۔ مگر اس کے ایک ہی جملے نے سب پر پانی پھیر دیا۔

"یہ قورمے' بریانی' کباب اور کھیر' میری دعوت ولیمہ نہیں تھی نانی! غضب خدا کا تین افراد کے کھانے کے لیے اتنا پیسہ' وقت اور سب سے بڑھ کر محنت برباد کی جائے۔ دس از ناٹ فیر۔ پیٹ بھرنے کے لیے تو ایک سیب' ایک نوڈلز کا پیک یا پھر آرڈر پر پزا منگوایا جا سکتا ہے۔"

نانی' خالہ ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔ وہ بڑے مزے سے بھوک لگنے پر کچھ بھی کھانے بیٹھ جاتی تھی۔ صاف کہہ دیا۔

"کم از کم میرے خیال سے چولہے کے آگے کھپنے کی ضرورت نہیں۔"

اور اب خالہ کو گرم گرم پراٹھے اتارتے دیکھ خوامخواہ کی تپ چڑھ رہی تھی اور وہ گھلو کیسے مزے سے حق سمجھ کر لاڈ اٹھوا رہا تھا۔

اخفش۔۔۔ اخفش۔۔۔ اخفش۔

دراصل نوال غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی اور یہ بھی اس کا اپنا قصور تھا۔ وہ اپنی مرضی کا سنتی' سمجھتی تھی۔ اس نے جس چیز' جس مسئلے کے لیے سوال اٹھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں کے منہ سے ایک ہی نام نکلا۔
"اخفش..."
"اخفش آجائے تو کرے گا۔"
"ہاں! اخفش کو معلوم ہوگا۔ کیبل والے کا نمبر تو اس کے پاس ہے۔"
"یو پی ایس کی بیٹری اخفش ہی دے کر آیا تھا۔ اس کو معلوم ہے۔"
"وہ تو اسے اچانک کسی فوتگی میں جانا پڑ گیا۔ آجائے گا دو ایک روز میں۔"
وہ نوال کے یہاں پہنچنے سے ایک روز پہلے ایمر جنسی میں روانہ ہوا اور سوئم کے بعد بھی نکلتے نکلتے دو روز مزید لگ گئے۔ نوین اور زینت بیگم بہت خوشی اور جوش سے اسے نوال کی آمد کا بتا چکی تھیں اور وہ بھی بہت شدت سے اس کی آمد کا منتظر تھا۔ مگر...
نوال ضمیر، زینت بیگم کے بھانجے ضمیر احمد اور دوسری بھانجی نورین کی بیٹی تھی۔ منیر خان کے انتقال پر ضمیر اور نورین بڑی بیٹیوں مشعال اور گلال کے ہمراہ دسویں تک رہے تھے۔ نوال پیپرز کے باعث نہ آئی۔
اس نے پورے ملک کے تمام چھوٹے بڑے شہر دیکھ رکھے تھے۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ پانچ برس کی عمر میں ہی کراچی آئی اور دوبارہ کبھی چکر نہ لگ سکا۔
سو اب سے بہتر موقع اور کیا ملتا۔ عید کا موقع ... نانی اور خالہ کی تنہائی کا خیال اور اگر موڈ بن گیا تو جامعہ کراچی میں داخلہ...
تنہائی اور ناقدری کے دکھ سہتی زینت بیگم اور نوین منیر خان کے لیے شاید یہ زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی۔ ان کے ذہن میں شاید وہی پانچ برس کی بچی تھی جس کی پونیاں بنانی پڑتیں، مگر بی بی تو بالوں میں کنگھا ہی نہیں کرتی تھیں۔
گھنگھریالے گول گول رنگ جن میں انگلی پھنس جائے سنہری بال تھے۔ گیلے ہوتے تو شانوں سے نیچے لہراتے، جیسے جیسے سوکھتے، اوپر چڑھنا شروع ہو جاتے۔ کانوں کی لو کے پاس جا کر رک جاتے۔ وہ کلائی پر چڑھا

بینڈ اتار کر سر کے عین اوپر ایک پونی بنا لیتی۔
"چڑیا کا گھونسلہ..." وہ ہر معاملے میں دونوں کے اندازوں کا الٹ تھی۔
"یا اللہ!" اپنے کمرے کی گلابی سیٹنگ جھالر والی بیڈ شیٹ اور سائیڈ پر بڑا سا پانڈا دیکھ کر۔
اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں اور بعد میں ماں، بیٹی کی... وہ جہاں، جیسا کی بنیاد پر جب دل چاہتا، لڑھک جاتی۔ گانے سنتے سنتے، ٹی وی دیکھتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے۔
اور باربی ہاؤس نے تو اسے گنگ کر دیا صدمے کی شدت سے۔
"میں نے تو گڑیا کھیلنے کی عمر میں گڑیا نہیں کھیلی خالہ!"
وہ مصنوعی طور پر لہراتی بیڈ پر دھڑام سے گر گئی۔
"گڑیا سے کھیلنا، گھر سجانا، نسوانیت کی نشانی ہوتا ہے بیٹی!" نانی کی بعد سن کر وہ اچھل پڑی۔
"تو یہ اتنی ساری نسوانیت کی نشانیاں دکھائی نہیں پڑتیں کیا؟ یہ نازک وجود، یہ پتلی لمبی انگلیاں، یہ دراز گیسو اور یہ آپ کی ساڑھی اور خالہ کا کرتا پاجامہ۔ اور... اور... اب کیا بولوں؟" اس کا اشارہ سمجھ کر نوین جھینپ گئی اور زینت بیگم ہنس پڑیں۔
"ویسے میرا گمان ہے خالہ! کہ اللہ نے آپ کو جو نسوانیت عطا کی، وہ اپنی جگہ... مگر بعد میں نانا نے کوٹ کوٹ کر بھری، جیسے کم گنجائش والے تھیلے میں جبراً سامان ٹھونسا جائے۔"
نوین زور سے ہنس دی۔

☼ ☼ ☼

وہ نوین کے کمرے میں اس کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ اے آر رحمن کا میوزک دھیمے سروں میں بج رہا تھا۔
"ویسے خالہ! ایک بات ہے، آپ ہیں پیور لڑکی۔ پیور مشرقی لڑکی۔" وہ دھیان آنے پر اچھل کر سیدھی ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ پیور مشرقی لڑکی کیسی ہوتی ہے؟" وہ اچنبھے کا شکار تھی۔

"آپ جیسی اور کیسی۔ لمبی، دبلی پتلی، کرتے پاجامے، چنے دوپٹے، دراز چوٹی، کھانا پکاتی، دھیمے دھیمے مسکراتی سہج سہج چلتی..... اب تو فلموں میں بھی ایسے کریکٹر نہیں ہوتے۔"

وہ مایوس تھی۔ نسوانیت و مشرقیت کا شاہکار..... نوین منیر خان..... ڈھن ڈھنان... ذرا تصور کریں۔ دیا جلاتی، قلم کی نوک دبا کر شعر کہتی اور سب سے چھپا کر رکھتی... انیس سو سینتالیس سے پہلے کی لڑکی ہیں آپ، بلکہ انیس سو بارہ کی جبکہ اب دو ہزار بارہ ہے۔ ہونہہ!"

نوین کی آنکھیں پھیلیں۔

"تم نے میری دراز سے ڈائریاں پڑھی ہیں؟" اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ "میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر کیا کلام ہاتھ لگا، سبحان اللہ!

اف وہ کرب کا لمحہ
وہ درد کی شدت
جب دکھ کے گھنے سے جنگل میں
کوئی وحشی ہرنی بھٹکی تھی
جب پیاس کے اتھاہ سمندر میں
کوئی مچھلی پیاسی تڑپی تھی
تو شدت سوچ میں آئی تھی
اک بات سمجھ میں آئی تھی
آئے گا وہ لمحہ بھی کبھی
جب شیشے کے ٹکرانے سے
پتھر کے آنسو نکلیں گے
جب خواب جڑیں گے ٹوٹے ہوئے
جب دل کے درد کی شدت سے
کوئی چاندنی رات کو روئے گا
جو ہنستا ہے وہ روئے گا
جو شخص ہے آج اذیت میں
وہ چین کی نیند تو سوئے گا

وہ بڑے مزے سے نظم مکمل کرنے کے بعد نوین کی پھٹی آنکھوں اور حیرت سے کھلے منہ کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے تین روز پہلے ہی تو یہ نظم لکھی تھی اور مصروفیت کے باعث دوبارہ دیکھ بھی نہیں پائی تھی اور نوال نے کیسے فرفر سنادی تھی۔

نوین کے ہونق چہرے سے قطع نظر وہ اپنی ہی کہہ رہی تھی۔

"میں ذاتی طور پر شاعری وائری کے چکر میں پڑتی نہیں۔ اور وہ بھی نظم اوں ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن تمہیں تو خوب شعر یاد ہیں۔" نوین بولی۔

"خالی کاغذ نیلے کر کے درازیں بھرتی ہیں یا کبھی کچھ چھپوایا بھی.....؟"

نوین چپ رہی۔

"دیکھا! میرا درست اندازہ..... صرف چھپایا ہی گیا ہے۔ ہے نا؟"

نوین خوامخواہ بستر کی سلوٹیں درست کرنے لگی۔

"یار! آپ تو پیور مشرقی سے بھی کچھ آگے کی چیز ہیں۔ آپ کو پتا ہے نانو! کہ خالہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔" نوال نے اندر آتی زینت بیگم سے پوچھا۔

"ہاں! کچھ لکھتی وکھتی تو ہے یہ....." زینت بیگم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "دراصل تمہارے نانا پسند نہیں کرتے تھے تو....."

"ارے! میرے اللہ وہ پسند کرتے کیا تھے؟ یہ بھی بتائیے کبھی۔ بیٹی اتنا پیارا ہنر چھپا کر بیٹھی ہے اور... آپ کے کیا کہنے، لیکن آپ فکر نہ کریں میں آپ کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گی۔"

"میرے لیے کیا؟" وہ اچھل پڑی، اس سے کیا بعید۔

"آپ اپنی زندگی کی ڈور میرے ہاتھوں میں دیں، پھر دیکھیں!" اس نے ہتھیلی پر مکا مارا۔

"پاگل ہوئی ہو، ارے روکو اسے نوین! کیا کرے گی یہ۔" ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"جو بھی کروں گی، آپ کے سامنے آجائے گا۔" وہ بے فکر تھی۔

"کروں گی ضمیر کو فون، باقی دو تو ٹھیک تھیں۔ اسے کیا بنا دیا۔" وہ پریشان لگ رہی تھیں۔

"ضمیر کچھ نہیں کر سکتا، کیونکہ ضمیر کا ضمیر ابھی زندہ ہے اور زندہ فیصلے کرتا ہے۔ سمجھیں آپ؟"

اس کا انداز دھونس آمیز تھا، ماں بیٹی ایک دوسرے کو متفکر نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بل جمع کروانے جیسا معمولی کام بھی آپ خود نہیں کرتیں خالہ..... چچ چچ چچ۔" نوال کے تاسف کی حد نہیں تھی۔ "ایک سراسر غیر لڑکا آئے آئے، نہ آئے، اس کے اپنے سو کام، اور آپ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہیں گی۔" صدمے کے زیر اثر جیسے وہ اب کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی۔

"تم سے کس نے کہا، آئے نہ آئے؟" اخفش نے جھپٹا مار دونوں بل اچک لیے۔ نوال کرنٹ کھا کر اچھلی۔ وہ اس کے پیچھے صوفے پر براجمان تھا۔ ملک شیک کے گھونٹ اتارتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"او..... تو تم یہاں موجود ہو؟" اس نے اصل فساد کی جڑ کو گھورا۔ "پہلے ہی نانا نے کم کسر رکھی تھی، جو تم رہی سہی پوری کرنے آتے ہو۔ بجائے اس کے ان میں خود اعتمادی پیدا کرو، تم تو ان کو بالکل مفلوج کر دو گے۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"مردوں کے کرنے کے کام مرد کرتے ہی اچھے لگتے ہیں۔" وہ بل اور پیسے جیب میں ٹھونس کر اب جانے کو تیار تھا۔ ملک شیک کا بڑا گھونٹ حلق سے نیچے اتارا نوال نے دماغ گھما دیا تھا۔

"اب واضح ہو گیا ان دونوں عورتوں کی ناکارہ زندگی کے پیچھے کن دو مردوں کا ہاتھ ہے۔" نوال باقاعدہ لڑنے کے موڈ میں تھی۔

اس پر لعنت بھیج کر اخفش خود پر کنٹرول کرتا مڑا۔

"تو برائے مہربانی! حاضرین کو آگاہ کریں، آپ جیسی کامیاب عورت کے پیچھے کس مرد کا ہاتھ ہے؟"

"گڈ کوئسچن!" اس نے اپنے چہرے پر کسی ٹاپ کلاس ایکٹریس جیسی مسکراہٹ جمائی۔ "پہلے تو آپ کلیئر کریں، آئی ایم ناٹ وومن۔ کوائٹ ینگ گرل سوئٹ ایٹین... اور جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے تو مجھ جیسی کامیاب لڑکی کے پیچھے ایک ہی مرد کا ہاتھ ہے اور وہ ضمیر..... میرا باپ ہاہاہا!"

اس نے مصنوعی قہقہہ لگایا۔ "کوئی اور سوال۔"

اخفش کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے چابی اٹھائی اور باہر کو لپکا۔

"ناراض کر دیا اسے۔" زینت بیگم کو بائیک کی ریس کی آواز سے اس کے غصے کا اندازہ ہوا۔

"اور جو میں ناراض ہو چکی ہوں۔ اس کی آپ کو کوئی فکر نہیں؟" اس نے دونوں ہاتھ کمر پر جما کر حیرانی سے پوچھا۔

"ارے میری بچی..... اپنا ہی بچہ ہے، میرے ہاتھوں کا پلا ہوا۔" انہوں نے اپنے ہاتھ یوں اٹھائے جیسے ان پر کوئی نومولود پڑا ہو۔

"کچھ زیادہ ہی پال لیا۔" نوین کی زوردار ہنسی نکلی، اس نے "پال لیا" کہنے کے بعد گال پھلا لیے تھے۔ اشارہ اخفش کے موٹاپے کی طرف تھا۔

"مجھے تو حیرت ہے، تم دونوں کے ایک دوسرے سے رویے پر..... تم اسے پسند نہیں کرتیں اور وہ تمہیں۔ میرے تو تم دونوں پیارے بچے ہو۔ چالیس سال سے میں اس گھر میں رہ رہی ہوں۔ اخفش کے دادا ہمارے اتنے ہی پرانے پڑوسی ہیں۔ تمہارے نانا کے پکے دوست۔ اتنے نائس۔ آدمی کہ تم ان سے مل کر....."

"ارے جانے دیں..... اندازہ ہو گیا ان کے نائس ہونے کا۔ یہ مثال کیا کم ہے کہ وہ نانا کے پکے دوست اور اس اخفش کے سگے دادا ہیں۔ دیگ کا ایک دانہ کافی ہے، یہ تو دو ہو گئے۔" اس نے دانت پیسے۔

"نہیں، نہیں نوال! انکل بہت ہی الگ آدمی ہیں۔ تم ان سے ملو تو۔"

"بس! اب اور کچھ نہ کہیں۔" نوال نے بے زاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ٹوکا۔ "میں عین الیقین پر یقین رکھتی ہوں۔۔۔ اور دوسرے آپ دونوں وہ دو عورتیں کبھی نہیں ہو سکتیں، جن کی گواہی کافی ہوتی ہے۔"

زینت بیگم کی ہنسی نکل گئی۔

"نہیں نوال! یہاں میں اختلاف کروں گی۔" نوین بولی۔ "انکل کے معاملے میں تم واقعی وہ ایک لڑکی ہو جس کی گواہی سراسر ناقابل یقین ہو۔"

"بہت اعلا، بہت ہی اعلا۔۔۔ دیکھنے میں بس سیدھی سیدھی دیکھتی ہیں۔ یہ دوسرا پوائنٹ مار دیا، جبکہ میں نے کہا تھا کہ آج تک کوئی مائی کا لال نوال پر پوائنٹ مارنے والا پیدا نہیں ہوا۔" اس نے ہاتھ اور آنکھیں نچائیں۔

"ہر فرعون کے لیے موسیٰ ہوتا ہے۔" نوین نے اسے چھیڑا۔

"آپ نے۔۔۔ خالہ! آپ نے مجھے فرعون کہا؟"

"میں نے اپنے منہ سے تو کچھ نہیں کہا۔ تم ہی بول رہی ہو، جو بول رہی ہو۔" نوین نے اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔

"بہرحال! میں بتائے دے رہی ہوں، جب تک میں یہاں ہوں۔ آپ لوگ میری ذمہ داری ہیں۔ خبردار! جو اس موٹے لال سرخ کو بلایا۔ آپ کو کوئی بھی کام ہو مجھ سے کہیں۔ میں ہوں نا۔"

نوین اور زینت بیگم ایک دوسرے کو دیکھ رہ گئیں۔

"آجاتا ہے کبھی آلو کے پراٹھے کھانے۔ کبھی ملک شیک پینے۔۔۔ نوین آنی! بریانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" نوال نے ہو بہو نقل اتاری۔

"اور پرسوں آپ کیسے سیب کی قاشیں کاٹ کاٹ کر دے رہی تھیں۔ اتنے لاڈ۔۔۔ اور وہ نواب کا بچہ خود سے ہاتھ بڑھا کر قاش بھی نہیں اٹھاتا تھا۔ پہلے کاٹے، پھر ان پر نمک، کالی مرچ چھڑکا اور ہر بار آپ ہی نے قاش بڑھائی اور اگلا کر کیا رہا تھا۔ پانی کی موٹر کی بیلٹ چڑھا رہا تھا۔ مجھے تو نہیں لگتا۔ اسے اپنی پینٹ پر بیلٹ چڑھانی بھی آتی ہے کہ۔۔۔"

نوین کا چہرہ ہنسی سے سرخ ہو گیا۔

زینت بیگم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نہ لپکی۔

"ضمیر نے آخر بیٹی کو پالا کیسے۔ مشعل اور گلال تو ٹھیک ٹھاک بچیاں ہیں تو پھر یہ۔۔۔"

☆ ☆ ☆

اور نوال خالی کہتی نہیں تھی، کرتی بھی تھی۔ اس کی تمام حرکتیں اور فرمودات نوین اور زینت بیگم کے زلزلے کے جھٹکے جیسے تھے۔ مگر جب وہ عملی میدان میں اتری تو جیسے شدید زلزلہ آیا تھا۔

نوین اور زینت بیگم کا منہ حیرت سے اتنی بار کھلا اور پھر کھلے کا کھلا رہ جاتا کہ رات بستر پر جاتے وقت ہاتھ سے جبڑا، جبڑے کو کسا جاتا اور اب تو وہ جیسے عادی ہو گئی تھیں۔ شدید زلزلے کے بعد اب تو آفٹر شاکس سے ڈرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

منیر خان نے نوین کو ڈرائیونگ سکھائی تو تھی، مگر وہ خود ہمیشہ فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوتے تھے۔ نوین نے پوری مہارت حاصل کر لی تھی۔ ٹریفک جام کو ہینڈل کر لیتی، پارکنگ سے نکال لیتی، اوور ٹیک کر لیتی، بھگا لیتی، مگر یہ سب ابا کی موجودگی میں ہوتا تھا کہ ابا ساتھ ہیں نا، مگر اکیلے، اف تو یہ۔۔۔ اکیلے تو اس سے گاڑی بھی اسٹارٹ نہیں ہو پاتی تھی۔ نہ جانے کیوں ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ جاتے۔ ابا کے انتقال کے بعد شاید تین، چار بار ہی گاڑی نکالی ہوگی۔ ایک بار نعمان بھائی کے ساتھ، دوبارہ انخفش کے ہمراہ۔۔۔ ہاں! ایک بار امی کی طبیعت خرابی پر وہ انہیں لے کر قریبی اسپتال گئی تھی۔

انخفش مہینے پندرہ دن میں گاڑی کی جھاڑ پھونک کر لیتا تھا۔ کھڑے کھڑے وہ مزید کچرا بنتی جا رہی تھی۔ ٹین ڈبا۔ ہلکے نیلے رنگ کی ابا کی جوانی کے زمانے کی میک تھی۔ جسے انہوں نے دل سے لگا کر رکھا تھا۔

اور اب نوال کا کہنا تھا۔ "گھر میں گاڑی موجود ہے تو کیا ضرورت ہے رکشہ، ٹیکسی کے دھکے کھائے جائیں۔"

"پتا نہیں، چلے نہ چلے، کب سے بند ہے۔" نوین کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ نوال کے حتمی فیصلے۔ یا

اللہ۔۔۔

"تو اس میں کیا مشکل ہے؟ چیک کرتے ہیں۔ ابھی پتا لگ جائے گا۔" اس نے چابی اچھالی۔ نوین نے بمشکل کیچ پکڑا۔

"فیلڈنگ تو آپ اچھی کر لیتی ہیں۔" نوال نے سراہا۔

نوین کی لاکھ دعاؤں اور اندازوں کے باوجود گاڑی چابی لگتے ہی اسٹارٹ ہو گئی۔ نوین نے حیرت سے گاڑی کو دیکھا۔

"خدا کے لیے آج نہ چلنا۔" اس نے نوال کی نظروں سے چھپ کر گاڑی کے پہیوں (ٹائر) کو ہاتھ لگا کر منت کی تھی۔ مگر آج قسمت نوال کے ساتھ تھی۔

جو آرام دہ سیٹ پر اچھل کر گاڑی کا اندرونی طائرانہ جائزہ لے رہی تھی۔

"ہے تو پرانی، مگر مین ٹین رکھی ہوئی ہے۔ گڈ!" اس نے سراہا تھا۔

گاڑی بہت اچھی چلی۔ وہ قریبی اسٹور سے کچن آئٹمز لینے اور آئس کریم کھانے گئی تھیں۔ مگر ایک غیر قانونی اسپیڈ بریکر سے زوردار جھٹکا لگا۔

پہلے گاڑی رکی، پھر چلی تو آواز اتنی بلند تھی کہ ہر راہ چلتے نے مڑ مڑ، رک رک دیکھا۔ اسٹور نزدیک آچکا تھا۔

"اب جو ہونا تھا، وہ ہو گیا، سامان لے کر ہی جائیں گے خالہ۔" نوال نے خفت سے سرخ نوین کو فیصلہ سنایا۔

واپسی پر آواز حد سے زیادہ ناقابل برداشت تھی اور جب اندر بیٹھے یہ حال تھا تو باہر والے تو کانوں کے پردے پھٹنے کے اندیشے سے ہاتھ رکھے چلتے ہوں گے۔ نوین نے ارد گرد بالکل نہ دیکھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ گلی کے کونے پر گاڑی بند ہو گئی۔ جب نوین نے فوراً موبائل اٹھا کر انخفش کو کال کرنا چاہا تو نوال کو پتنگے لگ گئے۔ اس نے ملائے ہوئے نمبر پر جھٹ مارا اور فون قبضے میں لے لیا۔

"دھکا لگانا پڑے گا نوال!" نوین نے حیرت سے دبی آواز میں وجہ بتائی۔

"تو خوامخواہ۔۔۔ میں ہوں نا!" نوین کچھ سمجھ پاتی اس سے پہلے وہ باہر تھی۔

"اسٹارٹ کریں۔" اس نے ویو مرر سے جھانکتی نوین کو اشارہ کیا۔

"وقت اچھا ہو یا برا گزر رہی جاتا ہے، سو دھکا کھاتی گاڑی گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ نوین "توبہ توبہ" کرتی باہر آئی۔ وہ عرق ندامت میں غرق تھی۔

مگر نوال۔۔۔

وہ گاڑی کی چھت پر کہنی ٹکا کر بہت آرام دہ حالت میں کھڑی تھی۔

"ایک بات بتائیے! کیا آپ کو معلوم ہے، چاند سے زمین کی کون سی چیز نظر آتی ہے؟" نوین نے اچنبھے سے نوال کو دیکھا۔ "اس بے موقع سوال کا مطلب۔۔۔؟"

"مجھے پتا تھا آپ کی جنرل نالج صفر ہے۔ چاند سے زمین کی ایک چیز دکھائی دیتی ہے اور وہ دیوار چین اور اگر چاند پر کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ ہے آپ کی یہ گاڑی۔ اس کی آواز واہ۔۔۔"

نوین زور سے ہنس پڑی۔

"سامان نکالو۔ انخفش لے جائے گا شام کو مکینک کے پاس۔" نوین بولی۔

"انخفش!" وہ حلق کے بل چلائی۔ "انخفش کیوں؟ میں نے منع کیا تھا نا۔" وہ بل کھا گئی۔ "یہ ماں، بیٹی باز ہی نہیں آتیں۔"

نالی، نوین اور انخفش کے بارے میں اس کے فرمودات با آواز بلند جاری تھے۔ اسے خبر نہیں تھی۔ اپنے کمرے سے باہر گیلری میں کھڑا انخفش سب کچھ سن کر دانت پیس رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ سب اسے سنا رہی تھی۔ چڑا رہی تھی، جتا رہی تھی۔

وہ پہلے اس سے اور بعد میں دادی بیگم اور نوین سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود ساختہ سخت ناراضی کا شکار ہو گیا۔ خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔ نوین اور نانی' نوال کی ہدایات کے زیر اثر تھیں۔ وہ سخت خفا ہو جاتی تھی۔

دوسری جانب نوین چاند والی بات پر ابھی تک ہنس رہی تھی۔ اخفش کو لگا' وہ نوال کی ہم خیال ہے اور انہیں اب اس کی ضرورت نہیں۔

ناراض ہو کر اپنے گھر میں خود ساختہ قیدی بن گیا۔ نوال کو مزا چکھانے کے لیے آئیڈیاز سوچنے تھے۔ اتنے اہم کام کے لیے تنہائی تو ملنی چاہیے تھی نا۔

☆ ☆ ☆

منیر خان ان مردوں میں سے تھے جو عورت کے عورت پن کو پسند کرتے ہیں۔ بڑھاوا دیتے ہیں اور اسے اس پر ہی کاربند رہنے کی نہ صرف سخت تاکید کرتے ہیں' بلکہ عملاً" کوشش بھی کرتے ہیں۔

وہ عورت ہی کیا جس کی نسوانیت میں ذرہ بھر شک ہو۔

اس کے لباس' آواز' ناز و انداز' چال ڈھال' بول چال اور سلیقے طریقے' ہر پہلو سے اس کی نسوانیت اور نزاکت نمایاں ہونی چاہیے۔

چادر اور چار دیواری کے اندر وہ اپنے وجود' سوچ کو چھپائے زندگی گزارے۔ اسے مردانہ وار مقابلے کی قطعاً" ضرورت نہیں۔ وہ ہیں نا مرد۔۔۔

اور اب جب وہ نہیں تھے؟ تو ان کے دیرینہ دوست اشتیاق احد تھے' ان کی بیوی صوفیہ اشتیاق اور ان کا بیٹا اخفش انعام۔ وہ نانا جتنے سخت کٹھور تو یقیناً" نہیں تھے۔ مگر اپنے خول میں زینت اور نوین دن بدن سکڑتی جا رہی تھیں۔ جس کو ذمے داری نبھانی تھی' وہ سات سمندر دور نئی ذمہ داریوں کو سنبھال چکا تھا۔

"دنیا میں رہتی ہیں ہزاروں اکیلی عورتیں۔۔۔ اور دو اکیلی کیسے؟ میرے ساتھ تو آئیں نہیں' اب جب اکیلے رہنا ہی ہے تو اپنے مسئلے بھی حل کریں گی اور مسئلے کی کیا بات' اصل چیز پیسہ ہے۔ ایک فون کال پر سب حاصل ہو جاتا ہے۔"

اور اگر فون ہی خراب ہو' یا بندے میں فون کرنے کی بھی ہمت نہ ہو تو۔۔۔ یہ اس نے سوچا نہیں۔

"پھر اپنا خاندان ہے' اپنا شہر' اپنا محلہ' اپنے لوگ۔"

بہت حد تک وہ درست بھی تھا۔ وہ اپنے باپ کی نسبت بہت کھلے ذہن کا تھا' مگر فطرت باپ جیسی انتہا پسند تھی۔ باپ نے بالکل جکڑ کر ذہن و جسم کو قائل کیا تھا۔

بیٹا کھلی چھوٹ دے رہا تھا۔ دونوں مرد اپنے مزاج کی انتہاؤں پر تھے۔

دونوں عورتیں کس اعتدال کو پسند کرتی تھیں۔ نہ انہوں نے کبھی بتایا۔ پوچھا تو خیر کسی نے نہیں۔

سو دو تنہا عورتیں' شوہر کے چھوڑے بہت سے پیسے' بیٹے کے بھیجے جانے والے نوٹ' تین پشتوں سے خاندان کی چوکیداری کرنے والے خاندان کے ہمراہ رہ رہی تھیں۔ بوڑھے لالا اپنے تیرہ برس کے پوتے کے ہمراہ گیٹ کے نزدیک بنے کمرے میں رہائش پذیر تھے۔

کافی ہے نا دو اکیلی عورتوں کے لیے اتنی پروٹیکشن۔ پیسے سے ہر شے ملتی ہے نا۔

ایک اچھے محفوظ علاقے میں گھر۔ گلی کے دونوں جانب رکاوٹیں لگی تھیں۔ بہترین سیکیورٹی۔

اچھے پڑوسی۔۔۔ بس یار! کافی ہے نا۔

نوال کمپیوٹر کے آگے بیٹھی اپنی ماں' بہنوں اور ابا سے جیسے باقاعدہ لڑ رہی تھی۔

"کاش ڈیڈ! کوئی تو ہوتا جو نعمان بھائی کو آئینہ دکھا سکتا۔ سچ! اگر میرے سامنے آجائیں تو میں۔۔۔" وہ تلملا رہی تھی۔

"ایک بیس برس کی جوان حسین لڑکی اور چونسٹھ برس کی بوڑھی ماں۔ وہ بھی حد سے زیادہ حسین۔ کوئی چور ڈاکو لٹیرا اور آج کل تو کون کب آستین کا سانپ بن جائے پتا نہیں چلتا۔ اچھا پڑوسی ہو' یا جدی پشتی ملازم ہوں' سارا زمانہ جانتا نہیں کیا۔ اس گھر میں خوب پیسے والی ماں بیٹی رہتی ہیں۔۔۔ مال ہی مال۔"

"اتنا بھیانک نقشہ تو مت کھینچو نوال۔" مشعال نے جھرجھری لی۔

"اور تم تیسری حد سے حسین لڑکی وہاں رہے گی تو تب چور' ڈاکو کیا کریں گے؟" گلال نے چھیڑا۔

"تیسری حد سے حسین ہاہاہا۔۔۔ خالی حسن کا پیالے کر گلی گلی نہیں بجاتی میں۔ کرائے میں بلیک بیلٹ۔ پسٹل سے لے کر دو نالی تک چلانی آتی ہے۔ قسمت میں برائی نہ لکھی ہو تو بہ استغفار! تو مجھ سے بھڑنا آسان نہیں۔"

"ڈیڈ! کیا آپ کی بیٹی ناکارہ ہے؟" اس کا سوال اکساتا ہوا تھا۔

"نہیں' نہیں' قطعی نہیں۔ میری رضیہ سلطانہ۔" ڈیڈ کو اس پر جی بھر کے پیار آیا۔

"اب جواب میں مجھے بھی کچھ کہنا پڑے گا۔" اس نے جیسے مجبوری سے کہا۔

"وہ تو ہے۔"

"آئی لو یو ڈیڈ!" وہ زور سے ہنس دی۔

"آئی لو یو ٹو بیٹا!" ضمیر خان کی آنکھیں جھلمل سی ہوئیں۔

"ارے۔۔۔" وہ چیخی۔ "ٹو' تھری' فور' فائیو' کیوں؟ آپ نے تو کہا تھا کہ میں آپ کا آخری پیار ہوں۔" وہ بسوری۔۔۔ "پہلا ممی' دوسرا مشعال پھر گلال اور آخری میں۔۔۔ اور اب کہتے ہیں کہ۔۔۔"

"یار! تسلی رکھو۔ پہلے دوسرے تیسرے کو ہم نے کب کا بھلا دیا۔" ضمیر خان نے نوال کی نگاہوں سے بچ کر ان تینوں کو آنکھ ماری۔ "اب تو بس آخری پیار ہی یاد ہے۔"

ان تینوں سے زیادہ پیار ڈیڈ اس سے کرتے ہیں۔ پہلے یہ بچپن کا لاڈ تھا۔ اور بڑے ہونے پر یہ یقین دہانی اسے مزا دیتی تھی۔

وہ اپنے باپ سے بہت نزدیک تھی' بہت زیادہ اور جب وہ آٹھ برس کی تھی۔ تب سے۔۔۔ تب سے اور زیادہ ہو گئی' قریب' دوست' بازو۔

☆ ☆ ☆

"اتنی بڑی مصیبت نہیں۔ دو منٹ کا کام ہے یہ۔۔۔ یہ تو صرف چار سوراخ ہیں۔"

زینت بیگم اور نوین اس تسلی سے مطمئن تو نہ ہوئیں۔ مگر تب حق دق رہ گئیں۔ جب اسٹور روم سے ڈرل مشین اٹھا لائی۔ یہ دو ڈرل مشینیں تھیں۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی' کم وزن' مگر اتنی ہلکی بھی نہیں۔

وہ اسٹول بھی نکال لائی۔

"بس! آپ اتنا کریں کہ جب میں اوپر کھڑی ہوں تو مجھے زور سے پکڑ لیں۔ اس طرح مجھے زور دینے میں آسانی ہو گی۔۔۔ اور۔۔۔"

"مریں گے بھی تو دونوں اکٹھے۔" نوین کو بجلی کے لال کالے بل والے تار دیکھ کے ویسے ہی ڈر لگ رہا تھا۔

"واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ مریں گے بھی اکٹھے۔ مریں ہمارے دشمن۔" وہ ڈرل مشین آن کر چکی تھی۔ زینت بیگم نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"کیا ہونے والا ہے' میرے مالک؟" نوین کا حال برا تھا۔

"اتنی مشقت جھیلنے کی کیا ضرورت۔۔۔ اخفش کو بلا لیتے۔" مشین پل بھر کو رکی تو نوین سکھ کا سانس لیتے ہوئے تڑخ بولی۔

نوال کا دماغ گھوم گیا۔ زبانی لیکچر اور عملی مظاہروں کے باوجود وہ دونوں اپنی طاقت و صلاحیت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھیں۔

"اور میرا یہ کہنا ہے کہ جو کام ہم خود کر سکتے ہیں' اس کے لیے کسی اور کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کرٹن کی ریلنگ تو جڑ گئی۔"

اس نے پیچ کس سے سنہری پیچ بھی ٹائٹ کر دیے۔

زینت بیگم کا ہاتھ اپنے منہ پر تھا۔ نوال کو ان کا چہرہ دیکھ کر مزا آیا۔ اس نے پردہ زور' زور سے کھینچ کر دکھایا۔

"اب نہیں گرے گا۔" اس نے تسلی دی۔ "اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر گرا تو میں ہوں نا۔"

"مجھے تو اب تک حیرت ہے' یہ اچانک گر کیسے گیا؟" نوین کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"کل آپ اس بات پر حیران تھیں۔ موٹر کی بیلٹ کیسے کٹ گئی؟ نوال نے ڈرم مشین اس کے بکس میں بڑی مہارت سے سیٹ کرتے ہوئے یاد دلایا۔

"ہاں! وہ تو سچ مچ' ہفتہ پہلے تو اخفش نے بدلا تھا۔ حیرت ہے نا۔ چار' چھ ماہ تو گزرتے ہی ہیں۔ اس بار تو....."

"دو نمبر ہوگی' تھیلی میں ہی تو پیک ہوتی ہے۔ شاید پہلے گھسی ہوئی ہو۔" زینت بیگم نے تمام پہلوؤں پر سوچا۔

"ہو سکتا ہے۔" نوال زیادہ نہ بولی۔ اس نے اپنی رائے محفوظ رکھی تھی۔

"لیکن تم نے تو کمال کر دیا بچے۔"

"ایسے چھوٹے موٹے کمال میں کرتی ہی رہتی ہوں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"وقت سب سکھا دیتا ہے۔" وہ ذرا اسادھیما پڑی۔

"اور آپ لوگ فکر مند نہ ہوں' جو کام وقت نہ کر سکا۔" اس نے انگلی سے ان دونوں کی جانب اشارہ کیا۔ "وہ میں کروں گی' جتنے کام مجھے آتے ہیں نا' اتنے نہ سہی' کچھ نہ کچھ تو آپ لوگ سیکھ لیں گی۔ میں نے کہا نا' نانا نے آپ دونوں کی تربیت بالکل صحیح نہیں کی۔"

وہ شریر ہوئی۔ نوین اور زینت بیگم ہنس دیں۔

یہی وہ وقت تھا' جب ڈرل مشین کی مسلسل آواز سے پیچ و تاب کھاتا اخفش مر جانے یا مار دینے کے پلان بنا رہا تھا۔ وہ نوین اور اپنی دادی بیگم سے بھی خفا ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"موٹر کی بیلٹ ٹھیک کرنا' ڈرل مشین چلانا' گاڑی ٹھیک کرنا اور ٹائر بدلنا' سب سمجھ میں آتے ہیں' مگر....." زینت بیگم کا ذخیرہ الفاظ ختم ہو گیا۔

"ابھی تو آپ نے میرے ہنر کی ذرا سی جھلک دیکھی ہے۔ ابھی تو بہت کچھ باقی ہے نانی!" وہ سیب کی قاش کانٹے سے منہ میں رکھتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

"آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے۔ واشنگ مشین اور گھر کی چھوٹی موٹی الیکٹرونکس کو ٹھیک کرنا میرے دائیں ہاتھ کا کام ہے۔ اس کے علاوہ پنکھے کا کپیسٹر بدلنا' بند نالیاں کھولنا' دکان داروں سے لڑ لڑ کر اچھی سبزیاں' پھل اور گوشت لانا اور..... اور ہاں! موبائل ٹھیک کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے اور....."

"بس..... بس!" نوین دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلاتی اسے روکنے کے لیے اٹھ کر اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

"ہمیں سب خبر ہے' تم ہر فن مولا ہو' مگر یہ کام..... اف!" نوین نے جھرجھری لی۔

"اور کل آپ کہہ رہی تھیں' مین سوئچ سے فیوز اڑ جائے تو بجلی والے کو بلانا پڑے گا۔ میں نے کیسے ایک منٹ میں فالٹ پکڑا اور دو منٹ میں پلگ پر نئے تار جوڑے۔ اتنا معمولی سا کام..... اور ماں' بیٹیاں کانپ کانپ کر دھرتی ہلاتی رہیں' توبہ!"

نوین نے اس کی طمانیت کو رشک سے دیکھا۔ وہ اتنی عمر میں اپنے آپ میں گم ادب آداب والی بی بی بچی تھی۔ نیک پروین' بلکہ اب بھی ویسی ہی تھی۔

کل دوپہر بنا شیڈول کے لائٹ چلی گئی۔ اب بجلی والے کس وقت کیا کر جائیں کسے خبر سو تینوں صبر سے لکڑ فین جھلتی رہیں۔ اسی دھوکے میں شاید حبس بھرا گرم سیلا سیلا دن گزر جاتا جو اخفش کے گیلری والے کمرے سے میوزک بجنے کی آواز کانوں میں نہ پڑتی۔

"میں تیرا ایمپلی فائر....."

"ایک بات تو بتائیے۔" وہ اپنا ذہن میں ابلتا کھولتا سوال لے کر نوین کے سر پر پہنچی۔

"ایک یہ شاعری ہے "میں تیرا ایمپلی فائر....." اور ایک وہ دوسری بڑی مشہور ہوئی تھی۔"

"کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا۔" یہ آپ شاعر لوگ اتنی انہونی باتیں آخر کر کیسے لیتے

ہیں؟ شاعری پر غور کریں **جسٹ امیجن** خالہ... **جسٹ امیجن**۔" نوین نے تو کیا تصور باندھنا تھا' وہ خود ہی پیٹ پکڑ دہری ہوتی چلی گئی۔ پھر صوفے پر لڑھک گئی۔

"او مائی گاڈ..... ہاہاہا... ہی ہی... ہو ہو... ہائے۔" اپنی ہنسی سے خود ہی تھک ہار جب سانس برابر ہوئی تو اپنے جبڑے سہلاتے ہوئے گویا ہوئی۔

اور ویسے بھی مرد حضرات خواہ شاعر ہوں یا نہ ہوں' اپنے محبوب پر ایک بَرڈن (بوجھ) کی طرح کیوں مسلط رہنا چاہتے ہیں صفحے کے صفحے کالے کر دیے۔ سارے شہر میں واہ..... واہ... بوجھ سارا عورت کے کندھے پر..... کبھی کسی نے یہ تو نہ لکھا کہ "کاش میں تیرا باورچی ہوتا۔ دھوبی ہوتا...." اور یہ بدبخت فلموں والے خوامخواہ کی بکواس کرتے ہیں' نئے موضوعات نہیں ملتے۔"

"او بھئی! یہ مسئلہ نوال ضمیر کے ہاتھوں حل ہونا تھا۔" نوین ہنسی۔

"تو اور کیا میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ہیر رانجھا بنا لیں۔"

"لیکن وہ تو پٹی ہوئی اسٹوری ہے۔" نوین نے بے ساختہ ٹوکا۔

"او یار! پوری بات تو سنیں۔ ہیر رانجھا بنائیں' بس فرق یہ رکھیں' اس بار ہیر کی جگہ رانجھا پکھیاں جھل رہا ہو۔ اور....."

"بہت اعلا! پروڈیوسر بے چارہ پٹ جائے گا۔ ایسی فلم دیکھنے کون جائے گا۔ مردوں کا معاشرہ ہے۔" زینت بیگم بھی متوجہ تھیں۔

"لو! یہ کیا مسئلہ..... معاشرہ مردوں کا ہے تو رہے۔" عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ فلم تو چلے گی..... آئی گارنٹی..... اس نے اطمینان سے کہا۔ دراصل....."

"میلوں کے ہیں یہ فاصلے تم سے نجانے کیوں۔ تو جانے ناں....."

وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر چونکی۔

"جب آپ کے اس اخفش کا ڈیک اتنے زور سے بج رہا ہے تو... اس کا مطلب ہوا... لائٹ ہے۔ یعنی....."

"ارے! تو ہمارے گھر کیوں نہیں؟" زینت بیگم بوکھلائیں۔ "ایک گھر کے لیے تو یہ بجلی والے منت کرنے پر بھی نہیں آتے۔ ارے اللہ! تار وغیرہ گرتا یا کچھ اور فالٹ ہوتا تو آواز آتی۔ پتا چل جاتا۔ یہ تو کوئی اور ہی بات لگتی ہے۔ نوین بلانا ذرا اخفش کو... اسے آتا ہے بجلی کا کام وام۔"

مگر نوین کے جانے سے پہلے نوال اسٹور روم سے ٹیسٹر لیے آ گئی۔

اس نے مین سوئچ کے پاس جا کر پانچ منٹ میں فالٹ پکڑا اور نیا تار ڈھونڈنے' کاٹنے میں لگے ٹوٹل نو منٹ۔ دسویں منٹ میں سارا گھر جگمگا گیا۔

ان کے گھر بجلی آتے ہی اخفش کا ڈیک بند ہو گیا تھا۔ وہ کن اکھیوں سے اپنی گیلری میں کھڑا نوال کو دیکھ رہا تھا جو دادی بیگم کے دونوں بازو پکڑے انہیں جھنجھوڑ رہی تھی۔

"ماں..... ماں... میرے گاؤں میں بجلی آئی ہے ماں!"

نوین اور زینت بیگم حیرت سے گنگ تھیں۔

"آپ لوگ کچھ بولتی کیوں نہیں؟ زیادہ اوور ایکٹنگ ہو گئی ناں؟" اس نے جیسے اپنا فالٹ خود ہی پکڑا۔

"ضمیر بھائی اور نورین باجی نے تمہیں کیا بنا دیا نوال؟ کس نے سکھایا یہ سب؟"

نوین حیران تھی۔

"کسی نے نہیں..... مجھے جو چیز ضروری لگتی ہے' وہ میں کر لیتی ہوں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"کوئی چیز باقی ہے ابھی؟" زینت بیگم نے پوچھا۔

"لو! ابھی تو دنیا میرے آگے۔ شناختی کارڈ آ جائے تو لائسنس... اگلے روز ریڈ کلر کی وٹز (vitz) خرید لوں گی۔ ڈیڈ نے وعدہ کیا ہے۔"

"یعنی شناختی کارڈ اور لائسنس کی امپورٹنس کا پتا ہے۔" نوین نے سراہا۔

"نوال ضمیر کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتی۔" اس نے اونچی آواز میں کہا۔ اس کا ضمیر زندہ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زینت بیگم نے اسے بے ساختہ اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ نوال کی نئی فرمائش۔ لیکن نہیں "فرمائش تو رد کی جا سکتی ہے۔ نوال کا فیصلہ اف۔

"اخفش کی کیا ضرورت؟ ہم خود اپنا جانور لا سکتے ہیں۔" اس کا قطعیت سے بھرپور لہجہ۔

اشتیاق احمد اور صوفیہ بھابھی کا سعودیہ سے فون آیا تھا۔ بہت دیر حال احوال پوچھنے' بتانے کے بعد صوفیہ بھابھی' دادی بیگم کو وہ تمام ہدایات بتانے لگیں جو انہوں نے اخفش کو ان کے لیے قربانی کا جانور خریدنے کے لیے دی تھیں۔ اخفش "اشتیاق احمد کے ایک دوست عزیز اللہ کے ہمراہ جا کر دادی بیگم کے لیے جانور خرید لائے گا۔

دادی بیگم کی یک طرفہ گفتگو ان تینوں کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

جی ہاں۔

اخفش انعام اپنے دادا کا پیام لے کر حاضر تھا۔ نوین نے اسے دیکھتے ہی نجانے فریج سے کیا کیا برآمد کر لیا۔ وہ اس کے اتنے دن کی غیر حاضری پر استفسار کر رہی تھی۔

"دوستوں کے ساتھ تھا آنی!" وہ بھری تپائی سے چیزیں اٹھا اٹھا کر کھا رہا تھا۔ نوال کے نزدیک کھاتا ہی جا رہا تھا۔ کھاتا... آآ... ہی ہی۔

شامی کباب' مسالا ونگز' نوڈلز ود پران' ربڑی کسٹرڈ' کیچپ اور لذیذ کھوپرا بسکٹ... پسینہ پسینہ ہوئی کولڈ ڈرنک...

"دوستوں کے پاس ضرور جاؤ' مگر دوست اچھے ہونے چاہئیں۔ انسان کی ایک پہچان اس کا حلقہ احباب ہی ہوتا ہے۔" زینت بیگم نے بڑے رسان سے نصیحت کی۔ "بری صحبت سے بچنا چاہیے سمجھے۔"

"جی... دادی بیگم! میں ہمیشہ بری صحبت سے دور رہتا ہوں۔" اس نے نوال کو جتا کر اسے دیکھا۔

"ہائیں... بری صحبت؟" دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی وہ اچھل پڑی۔

"اسی لیے تو آج کل آپ کے گھر آنا چھوڑ دیا ہے۔" وہ کشن سیدھا کرنے کے بہانے دائیں جانب جھکا۔ نوال سنگل صوفے پر ٹکی تھی اور کینہ توز نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

"نوال ضمیر سے پنگا لینے کی کوشش؟ بڑے دنوں سے تمہاری ساری حرکتیں برداشت کر رہی ہوں۔ ... خالہ کا خیال نہ ہو تو... وہ دھوبی پٹڑا ماروں وہ... کم گھسیٹوں زیادہ... مگر خیر..."

وہ بظاہر بڑی متانت سے بیٹھی نانو اور اس کی گفتگو سن رہی تھی۔ مگر اس کی شرربار نگاہیں دیکھ کر اخفش سب سمجھ رہا تھا۔

دل سے نکلے "لفظ ٹھاہ" کر کے دل تک ہی پہنچ رہے تھے۔

"تم کیوں نہیں کچھ لے رہی ہو نوال... کچھ تو ٹرائی کرو ناں..." نوین نے یکدم دیکھا۔ وہ سبز چائے کا چھوٹا سا کپ لیے بیٹھی تھی۔ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی گویا صبر کے گھونٹ بھر رہی ہو۔

"تھینکس خالہ! یونو زیادہ کھانا جسم پر چربی چڑھاتا ہے دماغ موٹا ہو جاتا ہے۔ زمین کا بوجھ بن کر زندگی گزارنے کا کیا فائدہ؟ اپنے جسم کو کھلا کھلا کر پالنے کا کیا مقصد... اس سے اچھا بندہ کوئی گائے' بھینس پال لے۔ دودھ' گوشت کا مسئلہ ہی حل ہو جائے۔"

اس کے مشورے میں چھپا "مخلوص" شیرے کی طرح ٹپک رہا تھا۔ بہت غور سے سنتی نوین کو جھٹکا لگا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ کیا وہ اخفش کے کھانے پینے کو ٹوک رہی تھی۔ یا اس کے موٹاپے کو...

حقیقت یقین بن کر اس کے دل پر اتری۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اخفش کو دیکھا۔ بلو جینز پر سفید شرٹ' اس کا تندرست جسم اور لال رنگ اس وقت میرون سے سیاہی کی جانب گامزن تھا۔ یہ اس کے ضبط اور غصے کی انتہا تھی۔

"تم... تم یہ کسٹرڈ ٹرائی کرو اخفش!" نوین کو فوری طور پر یہی سوجھا۔ اس نے ترنت پیالہ لبالب بھر لیا۔ نوال کانوں میں ہینڈز فری ٹھونستے ہوئے اٹھ کھڑی

ہوئی۔

"تم جیو ہزاروں سال۔ اور تم جیو ہزاروں سال۔ اور سال کے دن ہوں۔ فقط ساڑھے سات سال... اوتم..."

اس سے پہلے اخفش کا دماغ گھومتا' نوین نے نقص امن کے خدشے کے تحت زینت بیگم کو یونہی مخاطب کیا۔

"امی... امی...!"

☼ ☼ ☼

نوال لان میں کرسی ڈال کر بیٹھی تھی۔ چوکیدار بابا کا تیرہ سالہ پوتا بے خود خان زمین پر پھسکڑا مار کے بیٹھا تھا۔ دوسری کرسی پر اس سے کافی فاصلہ رکھ کر بابا بے زار خان بیٹھے تھے۔

"مجھے جانور کے بارے میں سب کچھ ڈیٹیل میں بتاؤ خان بابا! ہر چیز جزئیات کے ساتھ۔ میرا مطلب ہے اس کا پورا حلیہ' شکل' اخلاق و کردار' چال ڈھال میرا ذہن کلیر ہو گا تو کام صحیح ہو گا ورنہ..."

"آپ اتنی پریشانی کیوں کھاتا ہے نوال بی بی... اپنا اخفش صاب لائے گی ناں۔" بے زار بابا بے زاری سے بولے۔

"میں قربانی کے جانور کی بات کر رہی ہوں اور آپ گلی کے "جانور" کا ذکر لے آئے۔ بس آپ مجھے بتائیے۔"

بے زار خان کی بیزاری بڑھتی جا رہی تھی۔ جبکہ بے خود کو نوال باجی بے حد پسند آئی تھیں۔ وہ بے خودی کے عالم میں سرتاپا اس کے ساتھ تھا۔ اتنی ٹیلنٹڈ باجی...

"میں بتاتا ہوں باجی...!" اس اپنے ذہن میں خصوصیات "ری کال" کیں۔

"چار ٹانگیں۔" اس کے بتانے پر نوال کا قلم چلا۔ وہ ایک پیڈ لے کر بیٹھی تھی۔

"اور اگر پانچ ہوں تو... یا تین... یا..."

بے خود خان نے استفہامیہ نگاہوں سے دادا کو دیکھا۔

"پانچ کا پتا نہیں۔ تین نہیں ہونی چاہئیں۔" بابا سر پیٹ لینے والا تھا۔

"سب سے اہم دانت... نہ زیادہ نہ کم... ورنہ قربانی نئیں ہوتا۔"

"گڈ... گڈ! بس بیلنس ہر دم' ہر چیز..." نوال کا قلم اور زبان دونوں چل رہے تھے۔

"موٹے پیٹ کا بکرا اچھا نہیں ہوتا۔" بے خود سوچ سوچ کر بتا رہا تھا۔

"وہ کیوں...؟"

"بیسن کھلاتے ہیں تاکہ تندرست لگے۔ شہر کے لوگوں کو کیا پتا... بے وقوف بن جاتے ہیں۔"

"پکوڑے... بکرے پکوڑے کھاتے ہیں؟" نوال کو جھٹکا لگا۔ اس نے اپنی تمام عمر کی یادداشت ٹٹولی۔ گھاس' چوسن' کھل بنولہ' سبزیاں' چھلکے' مگر پکوڑے۔

"پکوڑے نہیں بیسن... بیسن' خالی کچا بیسن... پانی میں گھول کے بیسن۔ وزن بھی زیادہ لگتا ہے اور دیکھنے میں ایک دم پلوان (پہلوان)۔"

"آئی سی۔" نوال کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

"دو سینگ' دو آنکھیں' ایک ناک اور دم بھی ایک..."

"ہائیں...!" روانی سے لکھتی نوال کا ہاتھ ٹھٹکا۔

"یہ سب تو مجھے پتا ہے بے خود خان! وہ بتاؤ جو مجھے نہ پتا ہو۔" اس نے سمجھایا۔

"اب میرے کو کیا پتا کہ آپ کو کیا نئیں پتا۔" اس نے اپنی مشکل بتائی۔

"ہم... آں... ہاں رنگ؟"

"کوئی سا بھی چلے گا۔" بے خود نے ناک چڑھائی۔

"آپ نے کیا کبھی قربانی کا جانور نئیں دیکھا؟"

"دیکھا کیوں نہیں۔ مگر کبھی خریدار کی نظر سے نہیں دیکھا ناں! اور مجھے لگتا ہے دنیا میں بہت کچھ باقی ہے ابھی میرے سیکھنے کے لیے۔" اس نے کاغذ پر کچھ نوٹ کیا اور خود کلامی کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو کیا اخفش صاب ام لوگ کے سات نئیں جائے گی۔۔۔؟ اکیلے۔۔۔؟" بے خود اور نوال کی سرگوشی سے بے نیاز بنے بیٹھے بے زار خان کو دھیان آیا۔
"بے زار بابا! آپ، میں اور بے خود پھر اکیلے کیسے؟" اس نے سر پیٹ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زینت بیگم اور نوین حق دق ڈرائیووے میں کھڑی تھیں۔
شاہد آفریدی، بمعہ اہل و عیال دروازے پر کھڑا ہوتا تو اتنی حیرت نہ ہوتی۔
میرا فر فر انگلش بولتی آجاتی تب بھی۔۔۔
حسن نثار کی زبان سے شیرینی ٹپک رہی ہو تب بھی۔۔۔
یا۔۔۔
بی بی کا قاتل دست بدستہ خود کو پیش کر دیتا تو بھی۔۔۔
لیکن۔۔۔
"ارے میرے اللہ!" نوین نے حیرت سے آنکھیں مسلیں اور زینت بیگم نے چشمہ کو ساڑھی کے پلو سے رگڑا کہ اگر کوئی بے یقینی یا گمان ہو تو منظر واضح ہو سکے، مگر جو سچ تھا، وہ آنکھوں سے دکھائی دے رہا تھا۔ کانوں سے سنائی دے رہا تھا۔
"میں۔۔۔ میں ایں۔۔۔ میں۔۔۔ ایں ایں۔۔۔ یں ں!" سرخ فرش پر مالا کے بکھرے موتیوں (سیاہ موتی) کی طرح مینگنیاں بکھری تھیں۔ (مینگنیوں کی مالا۔ آخ تھو۔۔۔ آوک) بکرے بڑے زور آور تھے۔ بے زار خان نے ایک کان بالکل ویسے ہی جکڑ رکھا تھا جیسے بچپن میں مسجد کے امام ان کے کان پکڑا کرتے تھے۔ اور دوسرے کا کان بے خود خان کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ دونوں بکروں کو چوکنا ہو کر دیکھ رہا تھا۔ انہیں فوری طور پر باندھ دینا ہی عقل مندی کا تقاضا تھا۔ نوال سوزوکی والے کی پے منٹ نبٹا کر پلٹی۔
"کیسے ہیں؟" اس نے گھرے براؤن والے کی پشت پر تھپکی دی۔

"کس کے ہیں؟" نوین کے تمام عجیب و غریب خدشات پھٹی آواز سے ظاہر تھے۔
"ہمارے اور کس کے۔" اس نے طمانیت سے اور اسکارف چٹکی سے پکڑ کر اتار لیا۔ سر دائیں بائیں ہلا کر خود کو سکون دیا۔ پونی بھی کھول دی سنہرے رنگ چہرے کے گرد تن گئے۔
"تو یہ آئے کہاں سے ہیں؟"
"ظاہر ہے، منڈی سے۔"
"تو انہیں لایا کون؟"
"آپ کو ہمارے علاوہ یہاں اور کون نظر آرہا ہے۔۔۔ ہیں؟"
"ارے! اگر تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟" زینت بیگم چکرا کر گرنے والی تھیں۔
منہ کی آٹومیٹک مشین سے تڑ تڑ جواب نکل رہے تھے۔ اب یکدم چپ لگ گئی۔
"یہ کوئی دو چار روپے کی چیز ہے۔" وہ نوین کی رائے مانگنے کو مڑیں۔ اس نے اپنا حیران پریشان منہ تائیداً ہلایا۔ جواب تو دینا ہی تھا۔ سارے کام اس نے سیدھے کیے تھے۔ بس یہی ایک پیسے والا الٹا تھا، مگر بتانا تو پڑتا ہے۔
"وہ جو آپ نے رات لفافے میں۔۔۔ ڈال کر رکھے تھے ناں! کہ صبح اخفش کو دیں گی۔ وہ کسی انکل کے ساتھ جائے گا۔۔۔ بکرے لینے۔۔۔ تو۔۔۔" اٹک اٹک کر بولتے وہ رک گئی۔
"وہ میں نے اڑا لیے۔" اس نے تیزی سے جملہ مکمل کیا۔
"اور تب ہی مجھ پر یہ "اب پتا نہیں اچھا یا برا" بہر حال انکشاف ہوا کہ اگر میں توجہ دوں تو ایک اچھی چور بن سکتی ہوں۔" اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ وہ اپنی جون میں لوٹ آئی۔
"ہاہ۔۔۔ لوگ خوشی اور غم سے مرتے دیکھے ہیں۔" نوین نے سوچا۔ "اور اگر ہم دونوں ماں بیٹی میں سے کسی کو ہارٹ اٹیک ہو جائے تو نئی مثال۔۔۔ جی! حیرت سے مر گئیں ہائے۔۔۔"

"اچھی چور ہی کیوں؟ تم توجہ دو تو ایک اچھی پاکٹ مار بکار لوٹنے والی، بینک روبری تک کر سکتی ہو۔۔۔ بچے اٹھانے والی مائی بن سکتی ہو۔ اپنی فتنہ انگیز زبان سے دو انسانوں کو کیا، تم ملک و قوم کو لڑوا سکتی ہو۔ بارڈر پر توپ میں گولے کی جگہ تمہیں رکھ کر چلائیں ناں تو دشمن لیر لیر ہو جائے۔ نام و نشان مٹ جائے۔"
اخفش نجانے کب پیچھے آکر کھڑا ہوا تھا۔
"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔؟" وہ اچھل پڑی۔ "تت تت۔۔۔ تم نے میرے بارے میں۔۔۔؟"
"ہاں، ہاں! تمہارے بارے میں۔۔۔ زہر لگتی ہیں اپنی شناخت بھلا کر مرد۔۔۔ مرد کھیلنے والی لڑکیاں۔۔۔ جی! آہم بڑی بہادر ہیں۔ مردانہ کپڑے پہن کر جاگر ز چڑھا کر کیا سمجھتی ہو تم مرد بن گئی ہو؟ ابھی کوئی بدنیت ہاتھ پکڑے تو منہ سے چوں ہی نہ نکلے۔ بھلے پلگ جوڑ لو یا ٹائر بدل کر لو۔ سمجھیں؟"
اخفش کے اچانک وارد ہونے والے غصے سے نوین اور زینت بیگم واقف تھیں۔ مگر نوال کو اس طرح لتاڑنا۔
نوال کا چہرہ حیرت میں رنگنے کے بعد پھیکا ہوتے ہوتے بالکل سفید ہو گیا۔ اتنا شدید ری ایکشن۔
وہ کس حد تک صحیح تھا یا غلط، مگر اس وقت کا رویہ۔۔۔ نوال مہمان تھی اور۔۔۔
نوین نے کچھ بھی کہنے کے لیے لب کھولے مگر اخفش نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔
"ابھی عزیز اللہ انکل کا فون آیا ہے۔ وہ اپنے دو بھائیوں، تین بیٹوں اور دو دامادوں کے ہمراہ بکرا منڈی جانے کے لیے نکلے ہیں۔ مجھے یہاں سے لیتے ہوئے جائیں گے۔ میں آپ سے پیسے لینے آیا تھا اور یہاں۔۔۔ جب آپ کے سارے کام اسی مرد مار کو کرنے تھے تو مجھے کیوں کہا؟ اب میں انہیں کیا جواب دوں؟ یہ دیکھیں! ان کی مس کال۔۔۔ آگئے ہیں وہ گلی کے کونے پر۔" اس نے اپنے فون کو زور سے بند کیا۔
نوال کی حرکت بے حد حیرانی کا باعث ضرور تھی، مگر اسے اتنی سناوی جاتیں۔ دس از ناٹ فیر۔۔۔ مگر شاید اپنی جگہ اخفش انعام بھی درست تھا۔
اس کی فون بیل دوبارہ ہوئی تو وہ پیر پٹختا، بال نوچتا باہر کو لپکا۔ لوہے کا دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ دیر تک بازگشت سنائی دیتی رہی۔ چھ نفوس کو چپ لگ گئی تھی (دو بکرے)
"یہ باقی پیسے۔۔۔" نوال نے سفید لفافہ زینت بیگم کے سامنے کیا۔ ساٹھ ہزار تھے۔ پینتالیس ہزار کی بکروں کی جوڑی۔۔۔ سوزوکی اور ٹیکسی کا کرایہ دو ہزار روپے ہیں۔ پھر ان کا چارہ اور ہار، گھنگھرو وغیرہ۔ باقی آپ گن لیں۔
"نہیں پانی پلا دو بے خود خان اور مضبوطی سے باندھو۔ وہ بکرے والے نے کہا تھا ناں! بہت جی دار بکرے ہیں۔ کھل گئے تو لان خراب کریں گے۔"
وہ کلائی سے پونی اتار بالوں میں چڑھاتے ہوئے اندر بڑھ گئی۔
نوین اور زینت بیگم ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔
"میں سونے لگی ہوں، کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" نوال نے آواز لگائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"وہ تو باجی نے مجھ سے بولا، بے خود! بکرا منڈی چلتے ہیں۔ کچھ نہ کریں گے تو بڑے بڑے جانور ہی دیکھ لیں گے جن کے بارے میں روز ٹی وی والے بتاتے ہیں۔ بہت بڑے بیلوں کی جوڑیاں۔۔۔ تو میں نے کبھی اتنے بڑے بیل نئیں دیکھے تو میں نے کہا، ٹھیک ہے۔۔۔ پھر باجی نے بولا ہم اپنے لیے بھی جانور دیکھیں گے۔ دیکھتے ہیں ہم یہ کام کر سکتے ہیں کہ نئیں۔۔۔ خان دادا کو اس لیے ساتھ لے کر گئے تھے کہ ان کو پہچان ہے جانور کی۔۔۔ مگر اودر (ادھر) اتنی اتنی رقم بولتا تھا۔"
بے زار خان نے بکروں کے منہ، دانت، آنکھیں سب چیک کیں۔
"کان بھی چیک کرو۔" نوال نے یاد کروایا۔ "بہرا بکرا نہیں چلے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کان کیسے چیک ہوں گے؟" بے خود پریشان ہوا۔
"اس کے کان میں چیخ مارو! اگر اچھل پڑا تو ٹھیک ورنہ....."
بے خود کو آئیڈیا اچھا لگا۔ وہ کان اوپر پکڑ کے جھکا مگر اس سے پہلے اس کے گال پر بے زار خان کا طمانچہ لگا۔ وہ اچھل پڑا۔
"کیا ہرا کرے گا۔ خوچہ....."
"سب ٹھیک ہے نوال بی بی! پیسہ دو۔ اور باگو....."
نوال صاحبہ کے کریڈٹ میں یہ بھی مکمل لکھ دیا گیا کہ وہ بکرا خرید سکتی ہیں اور چوری بھی کر سکتی ہیں۔
مگر جو کچھ انخفش کہہ گیا تھا۔ وہ۔ وہ۔ وہ سب۔
وہ سب سننے میں ٹھیک لگتا تھا مگر اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

زینت بیگم اور نوین لاؤنج میں ٹکر ٹکر ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ رہی تھیں۔ انخفش بائیک لے کر نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ نوال کمرے میں سو رہی تھی۔ نوین دو مرتبہ دیکھ کر آئی مگر وہ گہری نیند میں تھی۔ بے خود خان بے خودی کے عالم میں بکروں کی سیوا میں لگا تھا۔ بے زار خان کی بھی ساری بے زاری رفو چکر تھی۔ وہ کئی بار بکروں کا منہ، سر چیک کر چکا تھا گہرے براؤن اور سفید، اونچے قد کے بکرے۔ ایک دوسرے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی تھے۔
زینت بیگم اور نوین نے بھی اپنی آنکھوں میں گویا ایکسرے فٹ کر کے معائنہ کیا تھا۔ کوئی نقص، خامی پکڑی جائے۔ مگر نہیں۔ دونوں شان دار تھے۔
بے خود ایک پل کے لیے بھی بکروں کے پاس سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے نوال بی بی کی سخت ہدایت تھی۔ بے زار خان سوزوکی میں بکروں کے ساتھ آیا تھا جبکہ نوال اور بے خود خان ٹیکسی کی پچھلی نشست پر سرگوشی میں باتیں کرتے آئے۔
نوال کے حیرت انگیز انکشافات ناقابل یقین خدشات۔ بے خود کی آنکھیں اُبل پڑی تھیں۔ وہ تو ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ۔ نہیں نہیں۔ توبہ۔ مگر نوال بی بی غلط کیوں بولیں گی؟ وہ اتنی سمجھ دار، تجربہ کار، ہر فن مولا، جبکہ خود بے خود خان کم عمر، کم عقل، بے وقوف اور ہر کسی پر اعتبار کرنے والا، بھولا۔
"ان بکروں کی حفاظت اس طرح کرو، جیسے یہ اینٹی اٹھائے ہوں۔ سمجھے تم۔ آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔"
"لیکن کیا ہو سکتا ہے؟ بکروں کو کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"
"نہیں، بہت سا آٹا کھلا کر موشن پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ایسی کوئی دوائی کھلایا سنگھا دی جا سکتی ہے کہ یہ ٹُن پڑے ہوں جیسے۔"
"جیسے چرس کا سگریٹ۔" بے خود نے کلیو دیا۔ "اویس۔"
"نسوار ہی چٹا دی گئی تو گئے بکرا لوگ۔" بے خود کا اگلا اندازہ تھا۔
"بالکل! بالکل۔"
"نہیں اندھا یا لنگڑا بھی کیا جا سکتا ہے۔" نوال کا اپنا دماغ اب تیزی سے اس پہلو پر بھاگنے لگا۔ "سو ثابت ہوا کہ بے خود خان! ان تین دنوں میں اپنی جان سے بڑھ کر ان کی حفاظت کرنی ہوگی۔ ذرا سی بے احتیاطی نقصان کا باعث ہوگی۔ دشمن بہت مکار ہے۔"
"ام تیار ہے۔" بے خود نے نوال سے زیادہ پراسرار الرٹ لہجہ اپنایا۔ اب اس کی اپنی چارپائی بکروں کے پاس رکھی تھی۔
نوال خاصی شام کو نہا دھو کر باہر نکلی۔ اس کے چہرے پر دوپہر والی خاموشی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ فریج سے انگوروں کا گچھا نکال کر وہ ٹی وی کھول بیٹھ گئی۔
"میں نے وہ کونے والے مرغی والے سے بات کرلی ہے۔ وہ آئے گا ذبح کے لیے۔ آپ کو اگر کسی اور کو بلانا ہے تو۔ یہ پرچی، بہرحال سنبھال لیں۔"
"مرغی والا بکرا ذبح کرے گا؟" نوین نے پوچھا۔
"جب ہی تو تو کن بانٹتا پھر رہا ہے۔ لائن لگی

تھی۔" نوال گردن پیچھے گرائے گچھے کو چہرے پر لٹکائے انگور نوچ رہی تھی۔
"ان لوگوں کے پاس تو بہت رش ہوتا ہے۔ اگر نہ آیا تو۔؟" زینت بیگم کے پاس سالہا سال کا تجربہ تھا۔
"سب لوگ لے رہے تھے تو میں نے بھی لے لی۔ بے زار بابا نے بھی کہا تھا باقی آپ کی مرضی۔ آپ کو زیادہ پتا ہے اور پھر....."
اس نے یکدم جملہ ادھورا چھوڑ دیا، ٹی وی کی آواز بند تھی۔ اپنے پسندیدہ گانے کی جھلک دیکھ کر اس نے آواز بلند کی۔ اور انگور ٹیبل پر رکھ دیے۔
اب وہ کومل رضوی جیسے جھٹکے صوفے پر بیٹھے بیٹھے دکھا رہی تھی۔
نوین اور زینت بیگم ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

گھڑی کی سوئیاں دس سے اوپر گئیں تو زینت بیگم اور نوین دونوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ زینت بیگم اور نوین کا روزہ تھا۔ قربانی کے گوشت سے کھولنا تھا اور زینت بیگم شوگر پیشنٹ، زینت بیگم کی آنکھیں بار بار بھر آتی تھیں۔ پچھلے برس صغیر خان نے خود قربانی کی تھی۔ اور اب بیٹے کا صبح صبح فون آگیا تھا۔
کتنا کیئرنگ بیٹا تھا ناں۔ اپنی آدھی رات کے وقت جاگ رہا تھا کہ ماں کو "صبح" مبارک باد دے دے۔ فرض پورا۔ احساس ذمہ داری واہ۔ زینت بیگم دل چھوڑے بیٹھی تھیں۔
انخفش نے بھی ابھی تک جھلک نہ دکھلائی تھی۔ وہ خفا تھا۔
نوال سحر خیز تھی۔ وہ بہت دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ دس بار بے زار خان کو بھیج چکی تھی۔ وہ "بس آرہا ہوں" کا جواب لے کر آتا۔ قصائی ان ہی کی لین کے گھروں میں مصروف عمل تھا۔ ان کا نمبر آنے میں دیر تھی۔
مگر پھر یکدم وہ گلی سے غائب ہو گیا۔
"کہاں گیا۔؟" نوال نے نمبر ملایا۔
"ہاں۔!" اس نے فون کو چہرے کے سامنے رکھ کر گھورا۔
"کیا ہو گیا؟" سراسیمہ سی نوین سامنے ہی کھڑی تھی۔ نوال نے جواب نہ دیا۔ دوبارہ سہ بارہ نمبر ملایا۔
"کیا کہہ رہا ہے؟" زینت بیگم بھی آگئیں۔
"آپ کا ملایا ہوا صارف بڑا ہی بے غیرت، جھوٹا، دو نمبر بھگوڑا ہے۔"
"یہ۔ یہ کہہ رہا ہے۔" نوین کے حلق سے بمشکل نکلا۔
"ظاہر ہے! مطلب تو یہی نکلا ناں۔" وہ سوچ میں گم ہوئی۔
"یعنی قصائی جُل دے گیا۔ ارے! اور گھروں کے تو مرد ساتھ ساتھ پھر رہے تھے۔ یہاں سے کس نے جانا تھا۔" زینت بیگم نے آنسو پونچھے۔
"بے زار لالا گئے تو تھے تین بار۔" نوین بڑبڑائی۔
"بے زار کو کون پوچھتا۔ ارے! انخفش ہی کو بلا لیتے۔ وہ بھی صبح سے نہ آیا۔ وقت نکلا جا رہا ہے۔"
"یہ کوئی مہورت ہے جو بیتا جا رہا ہے۔ شبھ مہورت؟" نوال نے ناگواری سے کہا۔
"بے خود۔! بے خود۔!" وہ چلائی۔
"جی باجی۔!" وہ پیچھے ہی کھڑا تھا۔ فوراً حاضر ہوا۔
"لاؤ! چھری کانٹے....."
"وہ تو صبح سے تیار ہیں۔" بے خود نے چرمی بیگ کی جانب انگلی کی۔ "چٹائی، پانی کا ٹب، بالٹی، لکڑی کے مُڈے....."
"ارے میرے مالک!" زینت بیگم اچھل کر کرسی سے اٹھیں، پھر ڈھے گئیں۔
"عورت قربانی نہیں کر سکتی۔ ارے! روکو....." نوین بھی آنے والے وقت کا سوچ کر تھرا گئی۔ نوال سے کیا بعید۔
"پاگل ہوئی ہو۔ دماغ درست ہے؟"
"پتا ہے مجھے۔ بے زار بابا آپ کریں گے ذبح۔"
"میں....." وہ اپنے سینے پر انگلی رکھ کر حیران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ "اب وہ جوانی دم کہاں رہ گیا۔ ہاتھ مات ہلتا رہتا اے ام نئیں کر سکتا۔ جانور نئیں سنبھال سکتا۔" وہ تاسف سے اپنی مجبوری بتا رہے تھے۔

"اوہ!" نوال کے ہونٹ سکڑ گئے۔ معاملہ تو بگڑ گیا تھا۔ مگر نہیں نوال کے سامنے کوئی معاملہ خراب یا ادھورا نہیں رہ سکتا۔

"کسی بھی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔" اس کی زندگی میں اس جملے کی بہت اہمیت تھی۔ "ہار مان لینے سے پہلے تمام داؤ آزما لینے چاہئیں اور ہر جائز راستہ اپنا لینا چاہیے۔"

نوال نے بے خود کے چہرے کو دیکھا۔ وہ چوکس بکروں کے ہمراہ کھڑا تھا۔ مانو تین دن سے بکروں کے ساتھ بندھا تھا۔ بے خود خان کی کینہ توز نگاہیں' برابر والے گھر کے ٹیرس پر جمی تھیں۔

نوال ہر وقت فیصلے پر یقین رکھتی تھی۔

"اے... اے سنو! اوپر کھڑے کیا تماشا دیکھ رہے ہو؟ اتنی جان بنا کر رکھی ہے۔ نظر نہیں آرہا دس بجنے کو آگئے ہیں اور ابھی تک قربانی نہیں ہوئی؟ ویسے بڑے طرم خان بنتے ہو۔ آؤ! ذرا دیکھیں تو..."

انخفش تو چھوڑ ادھر چاروں لوگ بھی حق دق رہ گئے۔

"مجھے... مجھے بلا رہی ہو؟" وہ ذرا سا جھک کر حیرانی کا مظاہرہ کرنے لگا۔

"ہاں! تو تم ہی ایک گائے ہو ادھر۔" نوین نے اچھنبے سے نوال کا چہرہ پڑھنا چاہا۔

اس نے انگلش کا "گائے" کہا تھا یا اردو کی "گائے"۔

"تو تم تو سارے کام خود کرتی ہو۔ یہ بھی کر دیکھو۔" (اس سے اچھا موقع طعنہ دینے کا کب... مل سکتا تھا یا ہو)

نوال کو آگ لگ گئی۔ مگر اس کے جواب سے پہلے زینت بیگم نے اسے پکارنا شروع کر دیا۔ ساڑھی کے پلو سے آنسو پونچھتا تو وہ انہیں کب سے دیکھ ہی رہا تھا۔

"جی دادی بیگم...!" وہ ٹیرس سے غائب ہو گیا۔

"اب میرے کو کیا حکم...؟" بے خود خان اس کے کان کے پاس منمنایا۔ "یہیں بیٹھوں ناں' نظر رکھوں...؟"

"خالی تم کیوں... میری بھی کرسی لگاؤ۔"

تھوڑی ہی دیر میں سیاہ ٹراؤزر پر لمبی قمیص کی آستینیں شانوں کے نزدیک نزدیک موڑے فاتحانہ چمک اور سرشاری سے زمین پر دھمک پیدا کرتا' انخفش انعام سامنے تھا۔

وہ نہ انگلش کا "گائے" لگ رہا تھا نہ اردو کی "گائے"۔

سنڈا یعنی گینڈا... گوشت سے پُر شانے اور لال سرخ رنگت۔

"پانی وانی ڈالو بے خود!" اس نے آواز لگائی۔

"آئی مین... بکروں کو..." انخفش کی طرف دیکھ کر اس نے جملہ جیسے واضح کیا۔

بہت دل گردے' جگرے' ہمت کا کام اس نے بہت سلیقے سے جیسے پل بھر میں نبٹایا تھا۔

اب کھال اتارنے کے لیے دونوں بکروں کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار تھا۔

وہ ہاتھ دھو کر نوین کی دی چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اتنے دن بعد اتنی "باکردار چائے" نصیب ہوئی تھی۔

"آپ کوئی ہیلپ کریں گی یا میں اکیلا ہی..."

"اس نے اسے باقاعدہ جتایا تھا۔ وہ بسکٹی گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ میں بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ اسٹول پر بیٹھی نگرانی کر رہی تھی۔ فراک کے گھیر نے اسٹول کو چھپا دیا تھا۔ اچانک دیکھنے سے لگتا جیسے کوئی بارلی ڈول ہوا میں بیٹھی ہے۔

بال ابھی تک نم تھے تو کمر پر جھول رہے تھے۔

"نہیں! جس کا کام اسی کو ساجھے۔" اس نے سرخ نیل پالش کو پھونکیں مارتے ہوئے جیسے تسلیم کیا۔

"آپ کے خیالات کچھ اس سے الگ نہیں تھے؟" وہ چھڑ اروک کر کچھ یاد کروا رہا تھا۔

نیل پالش کا ڈھکن بند کرتی نوال ٹھٹکی پھر

مسکرائی۔

"معاشرت کے مخالف جایا جا سکتا ہے۔ فطرت سے روگردانی بھی کر سکتے ہیں' مگر قدرت سے پنگا نہیں لینا چاہیے۔ قادر کی قدرت کو مان لینے ہی میں بھلائی ہے' خیر ہے۔ کینوس کے اوپر لگائے ہوئے اسٹروک تصویر ہوتے ہیں۔ ایک لائن بھی باہر نکل جائے تو تصویر بگڑ جاتی ہے اور اثر کھو دیتی ہے۔ جب اللہ نے کہہ دیا کہ یہ کام مردوں کے کرنے کا ہے تو مرد کریں گے۔ میں وہی کام کرتی ہوں جن کے بارے میں مرد و عورت کی تمیز نہیں دی گئی سمجھے؟ ٹوکا دھیان سے چلانا۔ اپنا ہی ہاتھ نیچے ہے۔"

اس کی حیرانی پر اس نے اسے نرمی سے دھیان دلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

عید کا دن سب گلے شکوے بھلا کر خوش دلی سے ملنے جلنے کا تھا اور انخفش کے لیے تو یہ واقعی عید کا دن تھا... کامیابی کا۔

آخر کار وہ نوال پر اپنی برتری ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کہ ناکام ہو کر اسے مرد ہی کو پکارنا پڑا تھا اور مرد بھی کون...؟ انخفش

اب انخفش راجہ اندر بن کر بیٹھا تھا جیسے کہ ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا اور اسے نوال کی طنزیہ جتاتی نگاہوں کی قطعاً" پرواہ نہیں تھی۔ آج وہ کتنے دنوں بعد اس طرح لاڈ اٹھوا اٹھوا کر کھا پی رہا تھا۔ اس نے بارہ بجے تک بے خود خان اور بے زار خان کے ساتھ مل کر دونوں بکرے ٹھکانے لگا دیے۔ بے خود اپنے آنسو پی پی ہلکان تھا۔ اسے بکروں کے ساتھ تین دن و رات رہ کر عجیب سی انسیت ہو گئی تھی۔

زینت بیگم نے آسان الفاظ میں فلسفہ قربانی کو بیان کیا۔ بے زار خان نے بے زاری سے اس کی آنسو بھری آنکھوں کو دیکھا جو ٹکٹکی باندھ کر کبھی بکروں کے چہرے تکتا تھا' کبھی پیر... ہاہ...

"ہم تمہیں ایک بکرا لا دیں گے بے خود! تم پالنا اسے۔" نوال مسئلہ کا حل پیش کرنے پر یقین رکھتی تھی۔ مگر کوئی تسلی تشفی اترے چہرے پر رنگ لانے سے قاصر تھی۔ وہ شکوہ کناں نگاہوں سے نوال کو دیکھتا تھا۔

اتنے دن اس نے ہر پل پلک جھپکائے بنا نوال کی تمام ہدایات کے مطابق انخفش کے بُرے ارادوں' عزائم سے بکرے بچا کر کیا اسی لیے رکھے تھے کہ وہ ان کے ساتھ...

"ہائے' ہائے' ہائے!" وہ اپنی ران پر پچھتاوے کے ہاتھ مارتا تھا۔ جب جب انخفش ماہر قصائی کی طرح ٹوکا چلاتا تھا۔

مگر بعد میں بے خود نے نوین کے ہاتھ کی مزے دار کلیجی بے حد و حساب کھاتے ہوئے اپنا غم معدے کے راستے ہضم کر لیا۔

نوال کلیجی پورے سال میں ایک بار صرف قربانی والی کھاتی تھی۔ انخفش نے پہلے جی بھر کے کلیجی کھائی اور بعد میں دسترخوان پر وہ کھا کھا کر تھکتا تھا اور تھک تھک کر کھاتا تھا۔ بریانی' کھیر' نمکین گوشت اور سلاد چٹنی... نوال نے ہر چیز چکھی' مگر اس کا پیٹ بے حد بھر چکا تھا۔

وہ انخفش کے کھانے کی رفتار دیکھ حیران تو تھی ہی مگر تپ چڑھانے والی بات۔ زینت بیگم اور نوین کا اسے بڑھ چڑھ کر کھلانا تھا۔

اس نے پہلی بار ہی جب زینت بیگم اور نوین کو اسے اس طرح کھلاتے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ وہ اٹھارہ برس کا جوان بلکہ حد سے زیادہ جوان یہ موٹا ہٹا کٹا تھا (کٹا... بھینس کا بچہ جو ہل جوتنے کے لیے استعمال ہوتا ہے)

"نانو کو بچہ گود لینا تھا' ضرور لیتیں' مگر کچھ زیادہ ہی چھوٹا بچہ گود نہیں لے لیا؟" اس نے نوین سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟" نوین اچھلی۔ کیا اس نے وہی سمجھا' جو اس نے کہا یا اس کا کوئی اور مطلب تھا۔

"یا پھر یہ وہ بچہ ہے' مگر جو ہے تو بہت چھوٹا' مگر زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے یا پھر جینیٹک طور پر عمر سے بڑا بے حد بڑا دکھائی دیتا ہے۔ سائنس میں باقاعدہ اس کا نام ہے جیسے کہ۔" اس نے کسی مکار اینکر کی طرح اپنے بیان پر رہتے ہوئے لہجے کے معمولی ردوبدل سے وہی کہا' جو وہ کہنا چاہتی تھی۔

"تم بہت بدتمیز ہو نوال!" نوین بے ساختہ ہنس دی۔

"مائی پلیژر.....!" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر خمیدہ ہوئی۔

"دراصل!" نوین ماضی میں کھو گئی۔ "چار سال کا تھا انعش' جب ہما بھابھی نے دوبارہ اپنی جاب جوائن کرنے کی بات کی۔ وہ ایئر ہوسٹس تھیں اور یہ لو میرج تھی۔ شادی کے وقت انعام بھائی کے دماغ میں کلیئر تھا کہ بس! اب شادی ہو گئی۔ گھر بچہ' فیملی..... اور ضرورت ہی کیا تھی کہ ایک ٹف شیڈول جاب کو جاری رکھا جائے۔

"مجھے شوق ہے..... اگر ضرورت نہیں تو....." ہما چلائی تھیں۔

"شادی سے پہلے تم اپنا شوق پورا کر چکی ہو۔ کوئی گلٹ تو نہیں..... کہ ہائے! میں یہ کام کرنا چاہتی تھی۔ اب گھر ہے..... فیملی ہے۔ آج ایک بچہ ہے' کل اور ہوں گے۔ شادی سے پہلے شوق پورا کر لیا اب باقی زندگی گھر کے لیے وقف کرنا ہو گی۔" انعام بھائی کا جواب واضح تھا۔

مگر ہما پانچ سال سے گھر گھر کھیل کر اوب چکی تھیں۔ انعام کے لاکھ منع کرنے اور ناراضی کے باوجود جوائن کر لیا۔ انعش کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اسے اشتیاق انکل اور صوفیہ آنٹی بہت لاڈ سے پالتے تھے۔ انعام بھائی کی توجہ اپنے بزنس کی طرف تھی۔ تو وہ وقتی کمی انعش کے چاچو پوری کیا کرتے۔ وہ چچا بھی تھے۔ دوست بھی اور..... اور پھر..." نوین ماضی میں کھو گئی۔

گھر میں سرد مہری کا ماحول پیدا ہو چکا تھا۔

آئے روز کی تکرار جھگڑا..... مگر اس سے پہلے کوئی ناپسندیدہ کام ہوتا یعنی طلاق وغیرہ..... ایر کریش میں جہاز کے تمام سوار جاں بحق ہو گئے اور ہما بھابھی کی باڈی تک نہ مل سکی۔ ان کی موت اسی طرح لکھی تھی۔ مگر بعد میں دنیا کی باتیں..... گھر میں رہتی ناں..... کیوں گئی تھی نوکری کرنے..... عیش مل تو رہے تھے اور پھر بدخوئیاں کرنے والے لوگ انعش بہت بچپن سے ہی کو قصوروار سمجھتا رہا۔ اس کے دماغ میں کلیئر ہے کہ ماں گھر میں ہوتی تو کبھی نہ مرتی۔ اور وہ اپنی موت کی خود ذمے دار ہے اور یہ ایک مائنڈ سیٹ ہے جس سے شاید وہ کبھی نہ ابھرے۔ صوفیہ آنٹی کے تین تو بچے ہیں۔ دو بیٹے ایک بیٹی۔ وہ امریکا میں رہتی ہے۔ پھر وہ گھٹنوں سے معذور ہو کر جب وہیل چیئر پر آئیں تو غیر محسوس طریقے سے انعش امی کے نزدیک ہوتا چلا گیا۔ مجھ سے تیرہ چودہ برس چھوٹا ہے۔ میں تو اسے گود میں اٹھا کر کھلنے جایا کرتی تھی۔ میرے اور امی کے بیچ گھس کر سویا کرتا تھا۔" نوین کی آنکھوں میں تاسف کی گہری نمی تھی۔

ادھر امی نعمان بھائی کے باہر پڑھنے جانے کے فیصلے سے..... اور پھر بعد میں وہیں کے ہو جانے سے غیر ارادی طور انعش کے نزدیک ہوتی چلی گئیں۔ کسی سے کہنے سننے کی بات نہیں..... دو محروم افراد اپنی اپنی محرومی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امی کو نوال کھلا کر ممتا کی تسکین ملتی ہے تو یقیناً" انعش کو ان سے اٹھوا کر اپنی محرومیوں سے جان چھڑانے کا موقع ملتا ہے۔ جب ہما بھابھی کی ایسی توجہ کی ضرورت تھی اور وہ نہیں ہوتی تھیں..... اور موٹاپا زیادہ کھانے سے ہی ہے اور کچھ خاندانی بھی۔ دو چار سال بعد خود بخود اسمارٹ ہونا شروع ہو جائے گا۔ اس کے پاپا اور چاچو بھی ایسے تھے۔" نوین مسکرائی۔

"اور..... اور اس کے پاپا..... انعام بھائی؟"

"وہ امریکا میں ہیں..... وہیں شادی کر لی۔ بیٹے بیٹیاں سب ہیں۔ آتے ہیں چار پانچ سال بعد۔"

"تو یہ یہاں اکیلا رہتا ہے؟"

"نہیں! کبھی..... دادا..... دادی..... چاچو اور ابھی تو سب حج پر گئے ہیں ناں تو اس لیے....."

نوین کے چپ ہونے پر نوال نے سب سمجھ آ جانے والے انداز میں سر ہلاتے ہوئے لمبی سانس لی۔

"سب ٹھیک..... مگر مجھ سے کیوں خار کھاتا ہے؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟"

"اس کا تم نے کچھ نہیں بگاڑا..... وہ عورت کی بے جا آزادی' خود مختاری' بڑھ چڑھ کر آگے ہونے کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کے پیچھے وجہ وہی..... شاید ماں کی ضد اور ضد کے بعد موت..... سب کچھ یوں ہی لکھا تھا۔ مگر انعش کا کہنا ہے۔ عورت کو عورت بن کر رہنا چاہیے۔ مرد پر ڈیپینڈ کرنا چاہیے۔ من مانی مت کرے۔ چھوئی موئی کا پھول بن کر رہے اور کچھ یہ ہے کہ اس کی اپنی دادی معذوری کی بنا پر گھر کے تین مردوں کی محتاج ہی ہیں۔ ایک طرح سے کہہ لو میں اور امی کچھ فطرتاً" بھی ایسی ہی ہیں' کچھ ابا نے بنا دیا..... اور اہم بات یہ بھی ہے کہ انعش کی تربیت میں زیادہ ہاتھ ہمارے ابا کا ہی ہے..... ورنہ اشتیاق انکل تو..... تم ان سے ملو تو مزا آ جائے۔"

"یعنی.....!" نوال نے لمبا کھینچا۔ "دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کی برباد تربیت کے پیچھے والا خفیہ ہاتھ..... ہمارے نانا کا ہے۔" نوال نے نتیجہ نکالا۔ نوین ہنس دی۔

"اور تمہارے مرد مار کام اسے چڑاتے ہیں..... آگ لگاتے ہیں۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم نے اسے اتنا تیار کیا تھا کہ نوال یہاں رہے گی۔ یونیورسٹی میں لیڈ میشن دونوں اکٹھے لینا۔ تمہیں پتا ہے' تمہاری اور اس کی برتھ ڈے میں صرف تین دن کا فرق ہے سو دونوں لیو ہیں..... مگر تم نے تو آتے ہی دشمنی کی داغ بیل ڈال دی۔"

"لو! مجھ خواہ مخواہ میں نے..... وہی گھر میں ریس دیتا داخل ہوا تھا۔ میں سمجھی کہ..... اور ہماری دوستی نہیں ہو سکتی..... وہ میرے آنے سے اس لیے خوش ہوا ہو گا کہ ایک اور بے بس' بے عقل ڈرپوک کو وہ اپنی انگلیوں سے دکھائے گا' بتائے گا اور میں رہٹ کے بیل کی طرح "جی' جی" کروں گی ہونہہ!" نوال کا تنتنا ہنوز تھا۔

دنیا بہت روشن اور چمک دار دکھائی دے' جو آنکھوں پر ہمہ وقت اعتدال کی عینک لگی ہو۔

☆ ☆ ☆

"ہمارے گھر آ کر کیسے فرمائش کر کر کے کھاتا ہے۔ گرم گرم پراٹھے اترتے ہیں اس کے لیے..... نانو نوالے دیتی ہیں منہ میں..... اور یہ ہمیں دے گا ٹھنڈے' بچے کھچے تکے..... خود کیسے موجیں اڑا رہا ہے۔ دوستوں کے ساتھ غل غپاڑہ مچا رہا ہے۔ ویسے بڑا اچھا بنتا ہے دیکھو! ذرا اس کو۔"

نوال کے کہنے اور کر کے دکھانے پر بے خود نے بھی اس کی طرح دیوار کے ساتھ گھٹنے موڑے تھے۔ اور اگر دیوار کی دوسری جانب سے دیکھا جاتا تو ان کی فقط آنکھیں' سر دکھائی دیتا' جبکہ وہ دونوں سب کو دیکھ رہے تھے۔

تین انگیٹھیوں میں کوئلے دہک رہے تھے۔ سیخوں پر بوٹی کباب پروئے ہوئے تھے اور کچھ پراٹھے اور دوسرے دو لڑکے قیمہ چپکا رہے تھے۔ مہارت شاندار تھی۔ دھواں' خوشبو نیم نیم..... ٹھنڈی کولڈ ڈرنکس..... انعش کے علاوہ چھ لڑکے اور تھے۔ بوائز پارٹی.....

عید کے دن شام سے رات گئے تک رشتے دار اور کچھ دوست احباب عید ملنے اور گوشت دینے آتے رہے۔ دوسرے دن زینت بیگم' نوین' نوال بے خود کے ہمراہ کچھ عزیز رشتے داروں سے ملنے چلی گئیں۔ واپس آئے تو فضاؤں میں چکراتی باربی کیو کی مست اشتہا انگیز مہک پھیلی ہوئی تھی۔ نوین نے بتایا۔

"انعش عید کی دوسری رات اپنے فرینڈز کے ساتھ پارٹی کرتا ہے۔"

"ہم بھی چلیں؟"

"پاگل ہوئی ہو..... برا لگتا ہے وہاں۔"

"ارے واہ!" نوال نے چمک کر ہاتھ لہرایا۔ "ہمارے گھر آ کر تو مانگ مانگ کر کھاتا ہے اور ہمیں نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے گا بھوکا ندیدہ۔"

"یہ نہیں کہہ رہی..... جسٹ بوائز پارٹی ہے۔ ہمارا کیا کام..... وہ دے گا ناں بعد میں۔" نورین نے سمجھایا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے خالہ!" نوال نے منہ بنا کر کہا "اور آپ کہتی ہیں۔ وہ دے گا۔"

"تو آؤ ناں! میں کھانا دیتی ہوں۔" نوین نے تسلی دی۔

"نہیں! مجھے تو وہی چاہیے۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا "یونو! آئی لو باربی کیو..... یمی گرم گرم سیخ سے اتار کر جب منہ جلے..... منہ میں گرم لقمہ اور پھر منہ کھول کر دھواں نکالنا واہ واہ۔" اس نے گویا لطف لیا۔ "اور آپ کے لاڈلے کو چاہیے تھا۔ سب سے پہلے ہمیں دیتا آخر میں بچا کھچا دے گا۔" وہ آگ ہو رہی تھی۔

"اچھا! میں کہتی ہوں اس سے" نوین نے ہار مان لی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نوال نے سختی سے منع کیا اور فریج سے پائن ایپل کا ٹھنڈا ٹن نکال کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نوین تھک چکی تھی۔ وہ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

☆ ☆ ☆

چھت کی لوکیشن جانی پہچانی تھی۔ اس نے بے خود کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ پلان ٹھیک ٹھاک تھا۔

چھت پر فل ولیوم میں ڈیک چل رہا تھا۔ چھت کباڑ خانہ نہیں تھی۔ گملوں پودوں بیلوں کے ساتھ اس کی باقاعدہ آرائش کی گئی تھی۔ ایک چھوٹے سے باغ کا سا تاثر پڑتا تھا۔ انگیٹھیاں نوین اور انعش کی مشترکہ دیوار کے ساتھ لگی تھیں۔ شومئی قسمت جس ٹیبل پر چٹنی کے ڈونگے، کولڈ ڈرنک اور تیار سیخیں رکھی جا رہی تھیں، وہ ہاتھ بھر کے فاصلے پر تھی۔ بیٹھے میں پرس ملائی تھی مگر دکھائی نہیں دی۔ شاید نیچے فریج میں تھی۔

بڑا ہی سلیقہ مندی والا انتظام تھا۔ لڑکے اپنی آپ کے تحت سب سامان کین سیٹ کے پاس گئے۔ تمام سیخیں بھی چلی گئیں۔ صرف پاس انگیٹھی رہ گئی تھی۔

نوال چٹنیاں اور کولڈ ڈرنک اڑا چکی تھی۔ یہی تھا، اس نے سرعت سے آٹھ سیخیں اڑالیں۔ کامیاب ہو چکی تھی۔ بھوک چونکہ بے حد شدید، وہ وہیں شروع ہو گئے۔ بے خود نے کھانا کھانے بعد باقاعدہ بیعت لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ واہ..... لیکن۔

"یار! یہاں تو کوئی سیخ نہیں۔ خالی کوئلے دہک رہے ہیں۔ تم نے رکھی بھی تھیں کہ نہیں....." اچھنبے سے بھرپور آواز گونجی۔

نوال نے سر مزید جھکاتے ہوئے ہنسی ضبط کی۔

"اب آئے گا مزا....." اس نے بے خود کو اشارہ کیا۔ "آہستہ ہنسو۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھ..... میں نے خود چھوڑی ہیں کہ ایک سائیڈ سے ذرا کچی تھیں۔ میں نے کہا تھا کیا ابھی پانچ منٹ میں لے آؤں گا۔" یہ انعش کی آواز تھی۔ وہ غالباً اٹھ کر آیا تھا اور بھونچکا رہ گیا۔

"ہائیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ میں نے خود رکھی تھیں۔ کیوں زمان میں نے کہا تھا ناں! ایک ٹرپ سے مزے کر کے پھر ایک ساتھ اگلی لگائیں گے؟" انعش نے گواہی مانگی۔ زمان نے سر ہلایا۔ اس نے کھاتے کھاتے اس انگیٹھی کو دو ایک بار دیکھا بھی تھا۔

"تت..... تمہارے گھر میں یہاں چھت پر کوئی سایہ والیہ تو نہیں..... میری امی کہتی ہیں، شام کو پودوں کے پاس....." موٹے چشمے والا بے حد پتلا فواد کپکپایا۔

وہ ساتوں چھت کے بیچوں بیچ کھڑے تھے۔ آسمان دیکھتے، کبھی ارد گرد۔

اب کوئی بلی کتنی ہی مکار ہوتی۔ دہکتے انگاروں سے سیخ کیسے اٹھا سکتی تھی۔

"ارے، چپ کر بنت رضیہ!" فواد کے ڈرنے پر اسے لتاڑتے ہوئے انعش کو دفعتاً احساس ہوا۔

اس نے انگیٹھیاں اس دیوار کے ساتھ اس لیے لگائی تھیں کہ یہاں گملے وغیرہ نہیں تھے۔ چھت کی ساری ارینجمنٹ چاچو نے کروائی تھی۔ ساتھ والی چھت نوین آنی کی تھی۔ ان کی چھت بھی ڈیکوریٹ تھی مگر اتنی زیادہ نہیں..... اور اس درمیانی دیوار کے ساتھ اس جانب بھی کوئی گملا نہیں تھا، پھر اچانک یہاں گملے کہاں سے آ گئے۔ سمیع بھی اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔ وہ اکثر آیا کرتا تھا۔

اور انگیٹھی اس نے ہی سیٹ کی تھی۔ شام کو اس طرف گملے نہیں تھے۔ وہ دونوں یکدم اس طرف بڑھے تو باقی پانچ ڈرپوک فواد سمیت دیوار کے قریب چاپ پیدا کیے بغیر آ گئے۔

انعش اور سمیع ہی نے جھانکا۔ چھت پر قدرے اندھیرا تھا۔ ہاں! انعش کی جانب بارہویں کے چاند کی مدھم روشنی میں ہلکا سا سایہ نظر آیا۔

"ہاہ.....!" فواد کی نکلتی چیخ پرمانی نے اپنا ہاتھ جمایا۔ وہ تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کسی کا سایہ ہے

"کوئی..... چوچڑیل!"

چڑیل کا سر جھکا ہوا تھا اور گھنگھریالے بال دائیں بائیں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ کریمی کھلے پائنچوں والے پاجامے اور اورنج کرتے میں ملبوس تھی۔ اسکارف شانوں پر ٹکا تھا۔ چڑیل کا ایک مددگار جن بھی تھا یا چڑیل کا بچہ۔ دونوں چوکڑی مار کے بیٹھے تھے۔ درمیان میں سیخیں، کوک اور ہری چٹنی کا پورا پیالہ۔

دونوں کے ہاتھ اپنے منہ پر جمے تھے۔ بڑے بڑے گرم نوالے نگلتے ہوئے وہ دراصل اپنی کامیابی کی گدگداتی ہنسی سے بے حال تھے۔

"کوک تم لے جانا اور کھڑے بالکل نہیں ہونا۔ ہم بیٹھے بیٹھے پنجوں کے بل چل کر جائیں گے۔ سمجھے۔" اس کی آواز مدھم، پراسرار اور فتح کے نشے سے سرشار تھی۔

مگر.....

اس نے جب سر اٹھا کر اپنے چہرے کے گرد پھیلے جنگل کو پونی میں کسنا چاہا تو فواد کی چیخ نکل گئی۔

نوال اور بے خود نے چونک کر سر اٹھایا تو سات افراد دوسری جانب سے رکوع کی حالت میں دیوار سے جھکے ان دونوں کو بے یقینی اور حیرت سے تک رہے تھے۔ بے خود کا منہ بھرا ہوا تھا۔ وہ آواز بھی نہ نکال سکا۔

اسے کسی نے ہینڈز اپ نہیں کیا تھا مگر اس نے خود ہی ہاتھ اٹھا دیے۔

"او..... ہیلو..... ہائے!" نوال نے فوراً کہا۔ ساتھ ہی بے خود کی ٹانگ پر ٹانگ ماری کہ ہاتھ نیچے کر لے۔

"بہت مزے کے تھے..... تمہارے ہاتھ میں تو بہت ذائقہ ہے انعش..... آئی ایم امپریسڈ۔"

"آپ.....؟" زمان کی دلچسپی کی حد نہ تھی۔ باقی تو ابھی تک سکتے سے نہیں ابھرے تھے۔

"میں..... پڑوسن....." وہ قطعاً نہیں مسکرائی، مگر ہونٹ دائیں بائیں پھیلا کر مسکرانے کا تاثر دیا۔

"یہ برتن....." اس نے چٹنی کا ڈونگا اور خالی سیخیں ان کی جانب بڑھائیں، جیسے وہ سب یہی لینے آئے تھے۔ انعش شدید صدمے کے زیر اثر تھا۔ اس میں ذرا حرکت نہ ہوئی۔ سمیع نے بصد احترام برتن لے لیے۔ بے اختیاری کا عالم کیا خوب تھا۔ اس نے "تھینک یو" بھی کہا۔ (بھلا اس کا تھینک یو بنتا تھا.....؟؟؟)

"ویل کم! ہم یہ حرکت کبھی نہ کرتے..... لیکن دیکھئے ناں..... کیا آپ نے سنا نہیں، پڑوس کے کتنے حقوق ہوتے ہیں۔ خالی پیٹ اور اتنی خوشبو..... ہائے! بس اسی لیے تجبوراً" کیا۔ آپ سب کو زیب دیتا ہے کہ آپ کا پڑوسی بھوکا ہو اور آپ سب لوگ موجیں اڑائیں؟"

اس کے جملے میں موجود کاٹ اور انداز کی بے بسی..... چھ کے چھ عرق ندامت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اپنی کل زندگی کے کھانے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

اور ساتواں؟

وہ سوچ رہا تھا، وہ ڈوب مریں نہیں جاتا؟

"یار! تمہیں دینا چاہیے تھا۔" سنی کا بس چلتا تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اخفش کا گریبان پکڑ لیتا۔

"بہت غلط بات ہے یہ..... ورنہ انہیں یہ حرکت کیوں کرنا پڑتی؟" دوسرا طرف دار بھی بولا۔ باقی سب کے سر زور زور سے ہلتے تھے۔ ملامت کی مار.....

"مم..... میں دیتا..... ابھی لگاتا تو سب کے لیے بناتا۔ میں نے پہلے....."

"اس وقت تک ہماری آنتیں "قل ھواللہ" پڑھتیں۔ تمھیں پتا ہے میں نے صبح کا ناشتا کیا ہوا تھا؟" وہ بڑے مان سے بولی۔

سارے دوست حق دق تھے۔ ان کا سیدھا سادہ گولو مولو دوست اور ایک لڑکی نروٹھے پن سے کہہ رہی ہے۔ "تمہیں پتا نہیں میں صبح سے بھوکی؟؟؟"

اتنا گھنا دوست..... میسنا..... شکل مومناں۔

اس کی زندگی میں ایک لڑکی.....؟؟؟

اور وہ..... بھی اتنی شان دار 'کانفیڈنٹ' طرح دار۔

ہم اسے ایسے ہی شریف 'نیک' بے ضرر سمجھتے رہے۔ ایسی پڑوسن ہائے.....! اور بات کہاں تک بڑھی کہ گلے شکوے پر آ گئی۔ اخفش کی چھت پر پری..... گھنگھریالے بالوں والی پری۔

چھ کے چھ اپنے اپنے انداز سے سوچ رہے تھے گویا سر پیٹ رہے تھے۔

"بعد میں دیتے..... جھوٹا موٹا..... ہونہہ!" وہ پکی سہیلیوں کی طرح منہ بنا کر بولی۔

"نہیں..... نہیں۔" اخفش کے ساتھ سارے کورس میں بولے۔

"اچھا! ویسے تو میرا پیٹ بھر گیا..... مگر یو نو..... اگر برا نہ لگے تو بوٹی والے سیخ دے دو۔ ہمارے ہاتھ تو قیمے....." اس کا جملہ ابھی ادھورا تھا۔

چھ کے چھ اوندھے سیدھے گرتے پڑتے کین کی کرسیوں کی جانب بڑھے..... سب کے ہاتھ میں دو دو سیخ۔

"او تھینک یو..... بس دو کافی ہیں۔" اس نے سمیع سے ایک لی..... پھر مانی سے بے خود کے لیے۔

"رس ملائی بھی ہے..... لاؤں؟" فواد کی باریک آواز نکلی۔

"اب آپ کہہ رہے ہیں تو لے آیئے..... کیوں بے خود کھاؤ گے ناں؟"

"جی..... جی!" بے خود کی بے خودی عروج پر تھی۔ کوک سینے سے لگی تھی۔ منہ ٹھنسا ہوا ایک ہاتھ میں سیخ اور رس ملائی آ رہی تھی۔

"نانو اور خالہ کو دے جانا..... وہ ٹھنڈا کھا لیتی ہیں مجھے پسند نہیں..... آئندہ دھیان رکھنا۔" وہ شاہانہ انداز سے کہہ کر واپسی کے لیے مڑی۔

"آئندہ؟" چھ بندوں کا کورس۔ وہ کھینچ کر اخفش کے چہرے کے آگے کھینچے تھے۔

"بول گھنے..... بول..... میرے سامنے والی کھڑکی میں....."

دوسری تان..... "میری نئی پڑوسن دیکھو۔"

"جو ہو گیا تھا۔ وہ برا تھا....." اخفش نے سوچا۔ "مگر جو ہونے والا تھا' وہ یقیناً "بہت برا تھا۔" اس کے دوست..... اب وہ کیا کیا صفائیاں دے یا برائیاں کرے..... یا..... ہائے۔

☼ ☼ ☼

"اپنے بال نوچ ڈالے اس نے..... دیواروں سے ٹھوکریں مار رہا تھا کہہ رہا تھا' نوال نے اتنا زچ کیا۔ اتنا تنگ۔" نوین نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"لو خواہ مخواہ..... ہمارا اصل جرم صرف یہ ہے کہ ہم پکڑے گئے۔ ورنہ ہم نے کیا ہی کیا ہے اور اس واقعہ سے یہی سبق سیکھا ہے نوال ضمیر نے کہ جائے وقوع سے جلد از جلد غائب ہو جانا چاہیے۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ کیا کر لیتے..... مان لیتے کوئی رات کی رانی 'موتیا' کی چڑیل کا کام ہے۔"

"ہاں! تکے' کباب کھانے والی چڑیل....." نوین نے ٹکڑا جوڑا۔

"ویسے اس بور اخفش کے دوست مزے کے تھے۔ ایک پتلا دبلا' بالکل اپوزٹ موٹا چشمہ' کپکپا رہا تھا اور اس کا نام رکھا انہوں نے..... بنت رضیہ ہی ہی

ہی۔" وہ یاد کر کے مسلسل ہنس رہی تھی۔ نوین فواد کو جانتی تھی۔ اس کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"دونوں ہنس رہی ہو۔ وہ اور خفا ہو گا..... اور یہ بے خود کب سے اتنا مکار ہو گیا۔ کیسے شانہ بہ شانہ چلا..... پوچھتی ہوں اسے بھی۔" زینت بیگم کو اخفش بہت لاڈلا تھا۔

"وہ میرا رائٹ ہینڈ ہو گا۔ ہم عنقریب باقاعدہ تقریب رکھیں گے 'گنڈا باندھنے کی۔ وہ میری شاگردی میں آنے کو بے تاب ہے۔" نوال کی بے نیازی عروج پر تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا نوال! ناراضی میں بھوکا رہنے لگتا ہے۔ پھر کمزور ہو جاتا ہے وہ۔"

"ادھر اب آئے گا نہیں۔ اس کے دوستوں نے بہت تنگ کیا۔ عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے۔ تم تو لڑکوں کی فطرت جانتی ہو ناں....."

"تو اسے کیا ضرورت ہے ایسی ویسی فطرت والوں سے دوستی کرنے کی؟" اس نے الٹا اس کی غلطی پکڑی

"پہلے تو انکار کرتا رہا۔ غلط فہمی کہہ کر نفی کی۔ مگر دوست تو..... اخفش کے گھنے پن سے شاک میں تھے۔ اسے جی بھر کے رگیدا۔ جب صفائی دے دے ہار گیا تو اپنے ہی گھر کی دعوت سے کرسیوں کو ٹھوکر مار' نیچے اتر کر کمرے میں بند ہو گیا۔

اس کا ری ایکشن زیادہ اوور تھا یا پھر شاید ان سب سے زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ معذرت کرتے نیچے آئے۔ مگر اس نے دروازہ نہ کھولا۔

دادی بیگم کے سامنے بے خود کو کھڑا کر کے بیان سنوایا۔

اور اب نوال کی گوشمالی ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

زینت بیگم آنسو پونچھ پونچھ نہ تھکتی تھیں۔ نوین بھی بہت ڈھیلی سی صوفے میں دھنسی تھی۔ نوال بڑے سے بیگ کو گھسیٹ کر لاؤنج میں لے آئی۔ وہ جب آئی تھی تو چھوٹا سا بیگ تھا اور اب واپسی پر کراچی سے کی گئی شاپنگ کا ڈھیر..... اسے صبح گیارہ بجے گھر سے نکلنا تھا۔ رات ہی پیکنگ کر لی تھی۔ ابھی ناشتا کرنے کے بعد سب سامان تیار کر کے تیار تھی۔

"تمہارا دل نہیں لگا ناں..... اسی لیے جا رہی ہو۔" نوین کے آنسو بہہ نکلنے کو تیار تھے۔

"کس نے کہا میرا دل نہیں لگا..... مجھے دل لگانا آتا ہے..... اور نانو آپ بلا لیں اپنے لاڈلے کو..... میں نے سوچا ہے کہ جاتے وقت تو میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ لوگ مجھے گاڑی میں چھوڑ سکتی ہیں۔ مگر پھر واپسی میں آپ لوگ تنہا ہوں گی۔ گاڑی رک گئی یا کچھ اور..... تو آپ لوگوں سے ہینڈل نہیں ہو گا۔ خواہ مخواہ کا مسئلہ' پھر ایئر پورٹ بہت دور بھی ہے..... مجھے فکر رہے گی۔"

"وہ خفا ہے۔ کبھی نہیں آئے گا اور وہ بھی تمہارے کام سے....."

"میرے جانے کا بتائیں..... سر کے بل آئے گا۔ بلا جو سر سے ٹلے گی۔ واپسی میں آپ کو خوشی کے مارے آئس کریم نہ کھلائی تو کہیے گا۔" نوال کا تجزیہ ستھرا تھا۔

"تو تمہاری وجہ سے دوستوں سے خفا ہو گیا سب سے کٹ کر بیٹھا ہے۔" زینت بیگم نے گلہ کیا۔

"توبہ نانو....." اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔ "بندے کی بات میں اتنا اثر ہونا چاہیے..... بات مدلل ہونی چاہیے کہ جو کہا ہے' وہی صحیح ہے۔ اسی کو مانو..... پرسنالٹی یوں ہونی چاہیے کہ آپ کا کہا حرف آخر ہو اور کسی کو اپنی مرضی کی زیر زبر لگانے کی ہمت نہ ہو۔"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں نوال! بچپن کے کچھ مسائل....."

"بچپن ختم ہو گیا ہے خالہ!" اس نے صاف گوئی سے ٹوک دیا۔

"اگر اتنا ہی دکھی ہے اور اس سے اتنی معمولی بات نہیں ہو سکتی تو میں اس کے دوستوں سے ایک ملاقات کر کے کہہ دیتی ہوں کہ اخفش ایک نیک 'شریف'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باکردار، نگاہیں زمین پر ٹکا کر چلنے والا مردِ مومن ہے اور مجھے تو جانتا تک نہیں اور...."

"اب بس کرو...." نوین کی نگاہ پھر پیکز پر تھی۔

نوال کو ابھی بہت دن رہنا تھا۔ پھر اسے جامعہ میں داخلہ وغیرہ کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ مگر قریبی فیملی فرینڈز کے گھر اچانک شادی کا شور اٹھا۔ ثنا تینوں کی دوست تھی۔ منگیتر اچانک باہر سے آگیا۔ سو گھر والوں نے شادی کا ارادہ کرلیا۔

نوال گویا سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہی تھی۔

"میں آؤں گی نانو.... شادی کے فوراً بعد.... قسم سے۔"

"تمہارا دل نہیں لگا ناں....؟" زینت بیگم کی ایک ہی گردان تھی۔ نوین ہم خیال....

گہری خاموشی، اداسی

نوال بھی خاموش تھی۔ وہ کیسے تسلی کروائے، پھر اسے دھیان آیا۔

☼ ☼ ☼

اخفش نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ دوستانہ مسکراہٹ لیے دروازے پر کھڑی تھی۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گے؟"

"تم کیا اجازت بھی طلب کرتی ہو؟"

"نہیں.... ہاں! اگر کوئی راستہ روکے کھڑا ہو تو.... مانگنی پڑ جاتی ہے۔ مے آئی کم ان.... ویسے اکیلے ہو یا....؟"

"یوں تو بڑی بولڈ بنتی ہو...." اس نے فوراً جتایا۔ "ہر فن مولا.... بہادر۔"

نوال کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"بہادر ہونے اور بے وقوف ہونے میں بڑا فرق ہے۔ میرا اس وقت اکیلا پوچھنا یوں ہے کہ تمہارے دوست وغیرہ تو نہیں ہیں ناں؟"

"تم دوستوں کا خیال کرتی ہو کیا؟" اس نے فوراً طعنہ دیا۔

"بالکل کرتی ہوں.... تو پھر جاؤں یا تم اندر آنے دو گے؟" اس نے سادگی سے اس کا چہرہ کھوجا۔

"او.... آؤ.... آؤ.... آجاؤ۔"

اخفش کے راستہ دیتے ہی وہ ترنت اندر آگئی۔

"اندر چلیں.... یا یہیں لان میں....؟"

"جہاں تم بتاؤ.... ویسے تمہارا لان بھی بہت خوب صورت ہے، باغ جیسا۔" وہ کہتے کہتے سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔ اخفش کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب دونوں بینچ کے سروں پر درمیان میں خوب خالی جگہ چھوڑ کر بیٹھے تھے۔

"میں جا رہی ہوں.... فلائٹ ہے دو بجے کی.... شادی آگئی ہے اچانک ہمارے فیملی فرینڈز ہیں.... سوچا تم سے ایکسکیوز کرلوں....

"ایکسکیوز فار واٹ...."

"ایکسکیوز فار اینی تھنگ.... تم میری وجہ سے کافی خفا رہے۔ آئی ایم سوری! بٹ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں.... بلکہ تھینک فل ٹو یو کہ تم نانو اور خالہ کا اتنا خیال رکھتے ہو.... لیکن خیر! وہ تم سے بہت محبت بھی تو کرتی ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"میں نے بہرحال تمہیں جان بوجھ کر کبھی تنگ نہیں کیا جبکہ تم نے...."

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ ہدایت کے مطابق بے خود خان چھوٹے گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی جو نانو نے اپنے لاڈلے کے لیے سجائی تھی۔ وہ اسے لیے سیدھا کچن میں چلا گیا۔

"میں جانتی ہوں تم مجھے پسند نہیں کرتے۔" بات اس سے کر رہی تھی، مگر چہرہ بے تاثر اور نگاہیں سامنے کیاری پر ٹکی تھیں۔

اخفش کو ایک دم شرمندگی نے گھیر لیا۔

مہمان تھی بیس بائیس دن کے لیے.... اسے اتنا اوور ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آخر اس کو چلے ہی جانا تھا۔ اب چند روز کے لیے آنے والا اپنی عادتیں، فطرت، خیال تو نہیں بدل سکتا ناں۔ وہ زندگی میں جب اس کے بارے میں سوچے گی "اچھا تو

سوچے گی۔ مجھے سوری کہنا چاہیے۔"

"اور سچ یہ ہے کہ میں بھی تمہیں پسند نہیں کرتی...." یہ صاف گوئی تھی یا....

"دھت تیرے کی...." ہے ناں مکار لومڑی.... ابھی میرے دل میں شرمندگی پیدا کی اور ابھی کیسے اپنا ہی پیر اوپر رکھ دیا.... خبردار! اخفش انعام جو تم ذرا بھی شرمندہ ہوئے۔"

"لیکن ہمارا ایک دوسرے کو پسند کرنا، نہ کرنا ناٹ امپورٹنٹ تھنگ از کہ ہم دونوں کی توجہ کا مرکز ایک ہی ہے۔ ہم دنوں کی لڑائی کی وجہ بہرحال! نانو اور خالہ کی بہتری ہی تھی.... تمہارا اپنا طریقہ اور میرا اپنا طریقہ.... ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں.... مگر ایک بات۔" وہ گردن موڑ کر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"ہم دونوں نانو اور خالہ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ ان کی پروا کرتے ہیں۔ بلکہ اگر نمبر دیے جائیں تو...." وہ رکی "تمہیں زیادہ ملیں گے۔"

اخفش کے چہرے پر مسکراہٹ پہلی بار چمکی۔

"بیگم صاحبہ نے بولا تھا، ناشتا ابھی کرلیں.... نوال باجی! آپ کے لیے جوس بھی بھیجا اور لاؤں یا گھر چل کے...." وہ باقاعدہ اخفش سے منہ موڑے کھڑا تھا۔

اخفش کی جان پھر جل گئی۔ "بھائی جان، بھائی جان۔" کرنے والا اکثر اسے گھورتا پایا گیا تھا۔

"نہیں، یہیں! پی لیتے ہیں۔ ہمیں اپنا گھر نہ دکھاؤ گے۔ خالہ کہہ رہی تھیں تم صرف چھت اور لان پر فدا ہو رہی ہو۔ کبھی اندر سے گھر دیکھنا۔" اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ اور اشتیاق تھا۔

وہ پہلی بار گھر آئی تھی۔ اخفش کو تو خود دعوت دے کر بلانا چاہیے تھا، مگر ایسے تعلقات بن ہی نہ سکے۔

"آؤ.... اندر چلتے ہیں۔" وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ نوال کے پیچھے پیچھے باڈی گارڈ.... بے خود خان۔

"واؤ...." پہلے مرحلے ہی پر نوال کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔

وہ گردن اٹھائے چار اطراف گھومتے ہوئے بری طرح امپریس ہو چکی تھی۔ سجاوٹ، ذوق، صفائی و سلیقہ مندی ہر شے سے ٹپک رہی تھی۔

"یہ سب کس کا کمال ہے؟"

"سب کا۔ آل فیملی ممبرز۔" وہ پہلی بار کھل کے مسکرایا۔

وہ سیاہ و سرخ کیبنٹ اور سلیب سے آراستہ کچن میں کھڑا تھا اور ناشتے کے لوازمات دیکھ کہ بھوک چمک اٹھی تھی۔

"تم جوس لو گی یا ناشتا۔" نوال سوچ میں پڑ گئی۔ اخفش نے پل بھر میں فیصلہ کرلیا۔

اس نے بے خود کو سیب چھیلنے کا اشارہ کیا۔ جسے اس نے نوال باجی کی جانب دیکھنے کے بعد بحالت مجبوری قبول کیا۔ چھوٹے ساس پین میں میکرونی ابالنے رکھ دی۔ سیب کے کیوب کٹ گئے تو انگور، آم کے چھوٹے کیوبز اور ٹیٹرا پیک کریم میں چینی پھینٹ کر اس نے منٹوں کے اندر فروٹ سلاد تیار کرلی تھی۔

"میں نے تمہیں اکثر فروٹس ہی کھاتے دیکھا ہے۔" اس نے توجیہہ پیش کی۔

"ویری گڈ...." نوال نے سراہا۔ "مگر وہ فروٹس اتنی ملائی کے بغیر ہوتے ہیں۔"

"او سوری.... ڈائٹ کانشس؟"

"ناٹ مینشن بٹ لیس...." وہ پیالہ پکڑ کر ٹہلنے لگی۔ دیواروں پر کثرت سے تصاویر تھیں۔ اسے افسوس سا ہوا، وہ پہلے کیوں نہ آئی۔ دیوار گیر آرائشی اشیا نوادرات میں شمار کی جاسکتی تھیں۔

اس نے جس جس چیز کو چھوا، وہ گرد مٹی کے بغیر تھی اور اس کی معلومات کے مطابق گھر میں کوئی عورت، یہاں تک کہ ملازمہ بھی نہیں تھی۔

"ان سب چیزوں کو مین ٹین کون رکھتا ہے؟ آئی مین! تمہاری دادی تو حج کے لیے...."

"وہ ہوتیں بھی تو کچھ نہیں کرتیں۔ تمہیں آنی نے بتایا نہیں، وہ پیرالائز ہیں؟ یہ سب کام ملازمہ کرتی ہے۔ ہاں! اس کے سر پر ہم کھڑے ہوتے ہیں۔ اب آج کل تو ملازمہ ہی نہیں ہے تو میں ہی کرتا ہوں۔"

"تو تمہارا کہنے کا مطلب ہے کہ یہ موجودہ صفائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ستھرائی تمہارا کمال ہے؟" وہ بہت دل سے مسکرائی۔

"ہاں ہے..... تو؟" وہ اتنی جان دار مسکراہٹ سے کوئی معنی اخذ نہ کر سکا۔

"میں تمہیں ایکسپلین کر سکتی ہوں کچھ چیزیں۔" وہ اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"کون سی چیزیں.....؟"

"تم یہ عورتوں والے کام سجانا' اٹھانا' سنبھالنا' صفائی جھاڑ پونچھ خود کیوں کرتے ہو؟"

"یہ کیسا سوال؟"

"تم جواب دو..... بس۔"

"ابھی تو بتایا ہمارے گھر میں دادو کے علاوہ اور کوئی عورت نہیں.... اور دادو پیرالائز ہیں تو اب ہم گرد کے ڈھیر پر تو نہیں بیٹھیں گے ناں....! اور صفائی رکھنے اور کرنے میں کیا عار....."

"یعنی تم یہ سب اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں شوق ہے اور مجبوری بھی.....؟"

"ہاں! شوق بھی اور مجبوری بھی..... صفائی نصف ایمان ہے۔ دوسری جماعت کے اردو کے قاعدوں میں لکھا ہے۔ تم نے نہیں پڑھا۔" وہ بے فضول سوالوں سے عاجز آگیا۔

"بالکل! پڑھا ہے۔"

"آئی ایم ایٹین ایرز اولڈ" (میری عمر اٹھارہ سال ہے) وہ شروع ہو گئی۔ اخفش نے الجھ کر اس کی صورت دیکھی۔ وہ ناشتا شروع کر چکا تھا۔

"میں آٹھ سال کی تھی' جب میرے ڈیڈ روڈ ایکسیڈنٹ میں پیرالائز ہو گئے۔ ان کی ٹانگیں گھٹنوں کے پاس سے کاٹ دی گئیں۔ وہ وہیل چیئر پر ہوتے ہیں تب سے آج تک..... بہت چھوٹی تھی میں۔ بڑی دونوں بہنیں مشعال آپی اور گلال ہم عمر ہیں' جبکہ میں بہت بعد میں پیدا ہوئی۔ مشعال آپی ڈاکٹر ہیں اور گلال آپی جرنلزم میں ماسٹرز کے بعد ایک چینل میں کام کرتی ہیں۔

ڈیڈ کے ایکسیڈنٹ کے وقت وہ ینگ گرلز تھیں۔ اسکول کے لاسٹ ایئر..... ممی ہاؤس وائف..... ایبٹ آباد کے ماحول میں وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکل پاتی تھیں..... ڈیڈ جسمانی ٹوٹ پھوٹ سے زیادہ نفسیاتی گرہوں کا شکار ہو چکے تھے' وہ باقاعدہ روتے تھے۔ جھک جھک کر گھٹنوں کے نیچے اپنے پیر ٹٹولتے تھے اور پھر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔

چڑچڑے' افسردہ' خاموش یا پھر چیختے چلاتے..... وہ ممی کو' آپیوں کو کسی کو اپنے گرد برداشت نہیں کرتے تھے۔ میں چھوٹی تھی اور ان سے بہت پیار کرتی تھی۔ وہ چاہے جو بھی برتاؤ کرتے' میں ان کے پاس سے نہیں ہٹتی تھی۔

میں نے ڈاکٹر انکل سے کہا' آپ میری ٹانگیں کاٹ کر ڈیڈ کو لگا دیں.....

"تو پھر آپ کیسے چلو گی بیٹا.....!" وہ بولے تھے۔

"ڈیڈ مجھے گود میں اٹھا لیں گے..... میرے پاس یہی حل ہے انکل..... میں چھوٹی ہوں ناں! ڈیڈ آرام سے مجھے گود میں لے کر موو کر سکتے ہیں' جبکہ ڈیڈ بڑے ہیں' میں انہیں گود میں بھر کر نہیں گھوم سکتی۔ میرے ہاتھ چھوٹے ہیں ناں۔" میں نے اپنے بازو سامنے کر دیے۔

"اور پھر جب تم بڑی ہو گی تو تب کیا کرو گی۔"

"جب میں بڑی ہوں گی تو گھٹنوں کے نیچے سے ٹانگیں بھی بڑی ہو جائیں گی ناں! مجھے تو ابھی بہت بڑا ہونا ہے۔ ڈیڈ تو اب بڑے نہیں ہو سکتے۔ ڈیڈ کی نئی ٹانگیں نہیں آسکتیں..... میری آجائیں گی۔"

ان فضول' بے معنی باتوں کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ایک آٹھ سالہ بچی کی فکر کا انداز.....

"مگر ڈیڈ پر یہ مکالمے جادو اثر ثابت ہوئے..... وہ یکدم بدل گئے..... میرے دوست بن گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔

"مجھے بہت جلد احساس ہو گیا کہ ٹانگیں کاٹ کر لگائی نہیں جا سکتیں' مگر میں ان کے پیر بن کر چل تو سکتی ہوں ناں۔ میں ان کی جگہ نہیں لے سکتی' مگر عارضی طور پر خالی سیٹ پر بیٹھ جانے میں کیا حرج ہے۔"

اخفش ناشتا کرنا چھوڑ چکا تھا۔ وہ شاید سانس بھی

نہیں لے رہا تھا۔ البتہ نوال کے چہرے پر پر سکون ندی جیسی خاموشی تھی۔ وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے یوں بول رہی تھی' جیسے کوئی سبق پڑھ رہی ہو۔

"امی سبزی گوشت کی محتاجی سے بیٹھی تھیں۔ بل بھرنے سے رہ جاتے' خراب استری ٹھیک کروانے کون جائے؟ بجلی کے چھوٹے موٹے کام.....

میرے ڈیڈ ایک گھر گر ستی والے آدمی تھے' مطلب وہ بینک میں کام کرتے تھے اور چھٹی ہوتے ہی گھر میں گھستے تو اگلی صبح ہی باہر نکلتے..... گھر میں سو کام..... ورنہ اپنی لاڈلی بیٹیوں کو گود میں بٹھا کر ہوم ورک کروانا یا کارٹون دیکھنا بھی تو کتنا اہم کام ہوتا تھا ان کے لیے۔

لمبی کہانی ہے اخفش انعام..... کبھی سناؤں گی تفصیل کے ساتھ.....

مگر.....

ہمارے گھر میں کسی بھی انسان کا آنا منع ہو گیا۔ انہیں ہر شخص دشمن دکھائی دیتا۔ مکینک آکر بھید لے کر جائے گا' اس گھر میں ایک معذور آدمی اپنی بیٹیوں کے ہمراہ رہتا ہے۔

دودھ والا مخبر بنے گا۔ اخبار والا اخبار پھینکتے خود بھی دروازہ پھلانگ لے گا۔ انہیں اس ٹراما سے ابھارنے کے لیے ہر بندے نے محنت کی' اپنے حساب سے۔ دوست' ہمارے چچا' ممی..... دوبارہ بینک جوائن کیا اور..... میں کیا کر سکتی تھی۔ ان کی ٹانگیں تو نہ بن سکی' بازو بن گئی۔

گھر کے چھوٹے چھوٹے کام جو وہ پہلے خود کرتے تھے۔ نجانے کب میں ان سب میں ماہر ہو گئی۔

میری خود اعتمادی نے ڈیڈ کا اعتماد بحال کیا۔ کون کون سے کام ہیں جو مجھے نہیں آتے..... میں تو گھر میں گھسنے والے چور کو گن سے زخمی کر کے گرفتار تک کرا چکی ہوں۔

میرے یہ سارے اعمال بالکل اسی طرح سمجھے جا سکتے ہیں اخفش انعام..... جیسے تم اپنی دادو کے پیرالائز ہونے پر سلیقہ مند عورتوں کی طرح گھر کو سنبھال سکتے ہو۔ اس سے تمہاری مردانگی پر کیا حرف آئے گا؟ کیا یہ اچھا لگتا کہ تم گند کے ڈھیر پر براجمان رہتے کہ جی صفائی ستھرائی عورتوں کا ڈپارٹمنٹ ہے۔ مردوں کو مردوں والے کام کرنے چاہئیں' صفائی نصف ایمان ہے' دوسری جماعت میں پڑھا تھا۔" آخر میں وہ شریر ہو گئی' مسکرا دی۔

اخفش مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے بھی نہ دے سکا۔

بے خود کی آنکھیں لبالب بھری تھیں۔

"اور تمہارے ڈیڈ اب کیا کرتے ہیں؟"

"انہیں کیا کرنا ہے' بینک جاتے ہیں۔ ریٹائر ہونے والے ہیں' بڑی آپی کی رخصتی کے بعد یہاں کراچی شفٹ ہوں گے۔ گلال کی جاب وغیرہ ہے..... کراچی میں تمام بڑے چینلز کے ہیڈ آفس ہیں ناں۔

فل کانفیڈنٹ..... بریو مین..... آئی لو مائی ڈیڈ.....

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

میں عبدالقادر ہوں
ثروت نذیر
قیمت -/225 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جہاں تک تمہارا سوال ہے میں نے کبھی تمہیں جان بوجھ کر نہیں چڑایا۔ میں ایسی ہی ہوں جبکہ تم نے ..... "اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"جبکہ تم نے ..... میں نے کیا کیا؟" اخفش نے ادھورے جملے کی تفصیل مانگی۔

"ابھی رہنے دو ..... میں جا رہی ہوں ..... ابھی ابھی بائے۔"

"نہیں، نہیں! تم بولو..... میں نے کیا کیا؟" وہ مصر ہوا۔

نوال گردن پیچھے گرا کے ہنس دی۔ وہ جتاتی نگاہوں سے بے خود کو دیکھ رہی تھی۔ ایک اسی کو تو اس نے راز میں شریک کیا تھا۔

اخفش نے دونوں کی صورتیں دیکھیں ..... بے خود بھی جانتا ہے ..... مگر کیا؟

"تم نے ..... تم ہماری موٹر کی بیلٹ کاٹی ..... تم نے ..... ہمارے پردے کی ریلنگ اکھاڑی ..... پردہ پوری طاقت سے کھینچ کے ..... تم نے ہمارے گھر کے مین پلگ کے تار کاٹے اور ..... "وہ قصداً" رکی۔

"اور آپ امارے بکروں کو بھی مار دیتے اگر ام نگرانی نہ کرتے ..... یا نقصان پہنچاتے۔" بے خود کا تو ایک ہی گلہ تھا۔

"یہ ..... یہ کس نے کہا؟" وہ تڑپ اٹھا۔

"بی بی نے اور کس نے ..... آپ انتقام کی آگ میں جل رہے ہوں گے اس لیے ..... "

"دماغ خراب ہے ..... جانوروں کا کیا قصور؟" وہ بھنا گیا۔ (اس نے غصے میں باقی سب کا اعتراف کر لیا گویا ....)

"ہم اپنے جانے انجانے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنے آئے ہیں اور تم کردہ، جانے پہچانے کی بھی معذرت نہیں کرتے؟" نوال ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر تسلی سے بیٹھی۔

"ہم نے ایک بار بھی تمہیں جان بوجھ کر ہٹ نہیں کیا۔ جبکہ تم نے باقاعدہ پلاننگ سے ....." نوال نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ یہ سب میں نے کیا ہے؟ ایسے کام تو گھروں میں نکلتے ہی رہتے ہیں۔"

"مجھے ایسے پتا کہ میرا ضمیر ابھی زندہ ہے اور یہ میں نے اپنے باپ کے لیے نہیں کہا۔ ضمیر مطلب میری عقل، سمجھ بوجھ، اندازہ قیافہ، گمان ..... میرا اندر۔" وہ زور سے ہنس دی۔

اخفش "فوراً" ناشتے پر جھک گیا ..... شاید جھینپ مٹانے کو۔

نوال اٹھ کر سامنے والی دیوار پر لگی تصاویر کے پاس آرکی۔ وہ سب ایک ہی بندے کی تھیں۔

بے حد اسمارٹ، خوش شکل، نہیں بلکہ خوب صورت جوان۔

"یہ کون؟"

"میرے چچا ہیں اخطب اشتیاق۔"

"بہت اسمارٹ ہیں۔ میرڈ ہیں کیا؟ یہی جج پر گئے ہیں ناں ...؟"

"ہوں! یہی گئے ہیں۔"

"فیملی کے ساتھ ....؟"

"نہیں! میرڈ نہیں ہیں۔"

"اتنا ڈیشنگ بندہ اور ابھی تک کنوارا .....؟" نوال ہر تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے سنو! اتنا ہینڈسم بندہ اور ابھی تک شادی نہیں کی۔ کمال ہے! کیوں نہیں کی؟" وہ سچ مچ حیران تھی۔

"تمہاری خالہ بھی اتنی خوب صورت، اسمارٹ ہیں۔ انہوں نے ابھی تک شادی کیوں نہ کی؟"

اخفش نے الٹا ایک بالکل الگ سوال جڑ دیا ..... جلا سڑا انداز ۔ بے زار سا۔

"پ ..... پتا نہیں ..... میں نے کبھی سوچا نہیں، مطلب غور نہیں کیا۔" نوال ہکلا کر بولی۔

"جا کر پہلے اس سوال کا جواب لاؤ۔" وہ بڑا سا لقمہ منہ میں ٹھونس کر بولا۔

نوال کچھ نہ سمجھی ..... پھر یکدم کلک سا ہوا۔

"یعنی اس میں کچھ بات ہے؟" وہ چلائی۔

"اور وہی اصل بات ہے۔" اخفش نے پانی کا بڑا گھونٹ حلق سے اتارا۔

"واقعی؟"

"جی ہاں ....."

"مگر ایسا کیوں .....؟"

"ویسے بڑی عقل مند، ہر فن مولا بنتی ہو۔ معلوم کرو ناں!" وہ شاید اکسا رہا تھا۔

"کیا تم وہی کہنا چاہتے ہو جو میں سمجھ رہی ہوں۔" نوال بے یقینی کی انتہا پر تھی۔

"ہو سکتا ہے۔" اخفش نے شانے اچکائے۔

"پھر خالی خولی معلوم کیوں کرنا ..... ہم تو انجام پر یقین رکھتے ہیں۔"

"ہیپی اینڈ کی بات کر رہی ہو ناں؟؟؟

جب تک اینڈ ہیپی نہیں ہو گا۔ ہم کہانی کا انجام لکھیں گے ہی نہیں۔" اس پر جیسے یکدم انکشافات کے در وا ہو گئے تھے۔

اخفش کو پہلی بار نوال کا جملہ اور خود اعتمادی جی بھر کے بھائی۔

وہ ایک تصویر اتار کے بغور دیکھ رہی تھی۔

"آر یو شیور؟"

"یس! آئی ایم ....." وہ مسکرائی۔ اخفش نے کچھ سوچ کر ہاتھ آگے بڑھایا۔

"فرینڈز؟"

نوال سوچ میں پڑ گئی ۔ وہ بڑھے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

"یس فرینڈز ....." اس نے ہامی بھر لی۔ مگر ہاتھ نہ بڑھایا۔ وہ ذرا سا خمیدہ ہو گئی تھی۔

اخفش ذرا سا جھینپ گیا، مگر اگلے ہی پل اسے نوال کا اپنے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا پسند آگیا تھا۔

وہ بھی جاپانی اسٹائل میں جھک گیا۔

"لیکن تم تو جا رہی ہو ....." اخفش کو یکدم دھیان آیا۔

"لیکن میں واپس آنے کے لیے جا رہی ہوں۔" اس نے یقین سے کہا۔

"مجھے واپس تو آنا ہی تھا۔ پہلے نانو اور خالہ کی تنہائی کے خیال سے اور اب ....." اس نے ڈرامائی وقفہ دیا۔

"اور اب تنہائی ختم کرنے کے یقین سے ..... ٹھیک ہے ناں؟"

"کیا تم کر لو گی؟" اخفش تمام سیاق و سباق سے آگاہ تھا۔

"کیا تمہیں اب تک میری صلاحیتوں کا یقین نہیں آیا؟" نوال کھلکھلا کر ہنس دی۔

اخفش خاموش ہو گیا۔ اس کا سر جُھک سا گیا۔ اسے اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہی مردانہ انا ..... تسلیم کرنے کا دل ہی نہیں کرتا۔

نوال کی رکتی ہنسی ایک بار پھر شروع ہو گئی۔ وہ بے خود کو اشارہ کرتی باہر نکل گئی۔

اخفش ہلتے پردے کو تکتا رہا پھر اس نے چاچو اخطب کی تصویر اٹھا لی بے ترتیبی برداشت نہ تھی۔ اسے جگہ پر لگانا تھا۔

چیزوں کو صحیح ٹائم پر ہی جگہ پر لگا دینا چاہیے اور اگر وہ نوال کے یقین پر یقین کرے تو ابھی ٹائم باقی تھا۔

سو قارئین! آپ سب بھی انتظار کریں کہ نوال واپس آئے اور اس گتھی کو سلجھائے کہ .....

اخفش کے اتنے شدید قسم کے اسمارٹ، ڈیشنگ چاچو نے اب تک شادی کیوں نہ کی۔

اور اس سوال کا جواب ڈھونڈے کہ اتنی حسین شاعر کی غزل، نظم کے عنوان، مصنف کے گمان جیسی خالہ ابھی تک کنواری کیوں پھر رہی ہیں؟

تو آپ بھی اخفش کی طرح دن گن رہی ہیں ناں۔

ایک ..... دو ..... تین ..... نوال کی صلاحیتوں پر یقین تو ہے ناں؟؟؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سدرہ سحر عمران

من سسرال و سواس

اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

وہ اپنے سامنے افسانے کو حقیقت بنا دیکھ رہی تھی مگر اسے پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے شاپنگ بیگ بونٹ پہ رکھ کر آنکھیں مسل کر دوبارہ دیکھا۔ بلکہ ایک نہیں کئی بار دیکھا اور ہر بار وہ منظر تھا۔ اس شاپنگ مال میں وہ کبھی کبھار ہی آتی تھی ورنہ تو اپنی قریبی مارکیٹ سے خرید و فروخت کر لیتی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا۔ آج اسے یہ منظر بھی دیکھنا پڑے گا۔

ویسے تو آج کے دن کا آغاز ہی بہت برا ہوا تھا۔ صبح سات بجے ہی اس کی نند نے فون کھڑکا دیا تھا کہ وہ آج شام کی ٹرین سے بال بچوں سمیت آرہی ہے اور اس کی کوئی تاویل اور جواز سنے بغیر کھٹ سے فون بند کر دیا تھا۔ وہ اگلے دس منٹ تک مسلسل بڑبڑاتی رہی تھی کیونکہ اللہ کے فضل سے اس کی چھ نندیں تھیں۔ ہر ماہ ہی کوئی نہ کوئی چھوٹے بھائی سے ملنے کی غرض سے آتی رہتی اور وہ تو ان دو ڈھائی سالوں میں جی بھر کر بیزار ہو چکی تھی۔ کل اس کا ارادہ اپنی امی کے گھر جانے کا تھا لیکن آج اس کی منجھلی نند نے آنے کا مژدہ سنا دیا تھا۔ وہ نیند میں دھت عامر کو صلواتیں سنا کر اپنا غصہ اس غریب پہ اتارتی رہی لیکن وہ کون سا سن رہا تھا۔

دس بجے تک وہ ماسی کا انتظار کرتی رہی مگر اسے نہ آنا تھا نہ آئی۔ ناچار سارے گھر کی صفائی خود کرنی پڑی۔ کوکنگ کے لیے تو عامر نے اس پہ ترس کھاتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ وہ باہر سے لے آئے گا۔ اس نے کلمۂ شکر پڑھا تھا تاہم اپنی کنجوس فطرت کے باعث چند چیزیں گھر پہ ہی تیار کر لی تھیں کہ پیسے بچ جائیں گے۔

شام سات بجے تک انہوں نے آنا تھا۔ پانچ بجے وہ کام کاج سے فارغ ہوئی تو خیال آیا کہ نند صاحبہ اور اس کے تین عدد بچوں کے لیے کپڑے آج ہی جا کر لے آئے تو بہتر ہو گا کیونکہ پھر انہیں ساتھ لے کر جانا پڑتا تھا اور موصوفہ ان سوٹوں پر ہاتھ رکھتیں جس کی قیمت سے وہ چار پانچ سوٹ بنا لیتی تھی۔ اس لیے ان کی آمد سے پہلے ہی شاپنگ کرنے چلی آئی۔ ایک گھنٹے کی خواری کے بعد اسے مناسب قیمت پر کپڑے مل گئے تھے وہ خاصی مطمئن سی ہو کر پارکنگ کی طرف جا رہی تھی جب اس نے اتفاق سے ہی شاپنگ مال سے انہیں نکلتے دیکھ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"طیبہ! تمہیں میری باتیں بری لگی ہوں تو سوری! لیکن میں تمہیں اس لیے بتا رہی تھی کہ تمہارے گھر کے حالات میرے سامنے ہیں۔ افضل بھائی تو ویسے ہی اپنی ماں بہنوں کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان ہی کے کانوں سے سنتے ہیں۔" بیڈ کی چادر درست کرتے ہوئے وہ جلدی جلدی کام ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں بھابھی! آپ کی باتیں کیوں بری لگیں گی مجھے۔ آپ تو میرے بھلے کے لیے ہی کہتی ہیں۔ افضل کی کزن نیچروائز تو بہت اچھی ہیں۔"

"اگر اتنی ہی اچھی ہوتیں تو تمہاری ساس افضل بھائی سے ان کی نسبت ختم ہی کیوں کرتیں۔"

"وہ تو ان کے بڑوں کے درمیان اختلافات ہو گئے تھے' اس لیے منگنی ٹوٹ گئی تھی۔ اب پھر سے صلح ہو گئی ہے۔"

"مجھے تو تم پر حیرت ہوتی ہے کہ تم نے افضل بھائی کو کیسے شتر بے مہار چھوڑ رکھا ہے۔ مرد کی نیت کا کیا بھروسا ..... کب پھسل جائے۔" اس کی سادگی پر تاسف سے سر ہلاتے ہوئے وہ اب ٹیبلز کی گرد صاف کر رہی تھی۔

"عامر بھی تو مرد ہی ہیں بھابھی۔" طیبہ نے مسکرا کر کہا تو وہ یقین سے بولی۔

"اب پانچوں انگلیاں برابر بھی نہیں ہوتیں۔ عامر نے مجھ سے لو میرج کی ہے۔ لو میرج میں یہی تو فائدہ ہوتا ہے یار! عامر تو جان چھڑکتا ہے مجھ پر۔"

"افضل بھی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں بھابھی! گو کہ ہماری قطعی ارینج میرج ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں پرسوں تمہارے گھر گئی تھی تو افضل بھائی خوب ہنس ہنس کر اپنی کزن سے باتیں بگھار رہے تھے اور آج تو حد ہو گئی دونوں لڈو کھیلنے میں مشغول تھے اور تم ان کے لیے چائے بنا رہی تھیں۔ تمہارے جیسی بے وقوف لڑکی میں نے کبھی نہیں دیکھی طیبہ۔"

"بیوی اپنے شوہر کا ہر انداز سمجھتی ہے بھابھی..... افضل کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں' وہ ایسے نہیں ہیں۔"

"تو میں نے کب کہا وہ ایسے ہیں' میں تو ان خاتون کی بات کر رہی ہوں جو تمہارے مجازی خدا کی سابقہ منگیتر رہ چکی ہیں اور اب بھی صرف منگنی شدہ ہیں۔" اس نے جیسے زچ ہو کر کہا تھا۔ طیبہ صاف ستھری ذہنیت کی مالک کافی ہنس مکھ اور سادہ مزاج تھی۔ ڈیڑھ سال پہلے وہ ان کے ہمسائے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ اب تو طیبہ اور مریم کی اچھی خاصی دوستی تھی لیکن اس میں بھی کچھ تکلف طیبہ کی طرف سے ہی تھا اسے "آپ جناب" سے بات کرنے کی عادت تھی۔

"شاید آپ کی بات درست ہو بھابھی! لیکن وردہ آپی سمیہ کی شادی میں شرکت کی غرض سے آئی ہیں اور میں خوامخواہ افضل پہ پابندیاں عائد کر کے کوئی بدمزگی نہیں چاہتی ..... میرا تو اس بات پر یقین ہے بھابھی کہ جس کو بھٹکنا یا راستہ بدلنا ہوتا ہے' وہ پابند راہوں میں بھی سبیل بنا لیتا ہے۔ جو راستے میں چھوڑ جانے کے خوگر ہوں' انہیں محبت کے مقابر میں مقید نہیں کیا جاتا..... محبت حصار ہے لیکن بے جا پابندیاں بھی بغاوت کو جنم دیتی ہیں۔ چاہے یہ جذبوں کی بغاوت ہو یا رسموں کی۔"

اس نے نپے تلے انداز میں پتے کی بات کہی تھی۔ مریم کندھے اچکا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شادی میں دو دن ہی رہ گئے تھے۔ یہ مریم کی برین واشنگ کا اثر تھا کہ طیبہ افضل کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھنے لگی تھی۔ آج مایوں کی رسم تھی اور مریم کچھ دیر قبل ہی آکر بیٹھی تھی اور اب طیبہ کی ساس سے ان کے دور کی باتیں سن کر جی بھر کر بور ہو رہی تھی لیکن لبوں پر ازلی مسکان ہی سجی تھی۔ اس کی یہی خوبی تمام خوبیوں پر حاوی تھی۔ وہ ہمیشہ ہر حال میں خوش رہنے کا ہنر جانتی تھی اور عامر کو بھی اس عادت نے دیوانہ کیا تھا۔ ہاں شادی کے بعد بس یہ ہوا تھا کہ وہ عام خواتین کی طرح تنقید بہت کرنے لگی تھی۔ ہنستے ہنستے ہی بہت کچھ جتا جاتی تھی۔

"خالہ جی! مانا کہ شادی والا گھر ہے مگر آپ کی چار عدد بہویں ہیں' ماشاء اللہ آج تو سب جمع ہیں یہاں پھر بھی سمیہ بے چاری مایوں کا جوڑا پہنے کچن میں برتن دھو رہی ہے۔" وہ ہال کمرے میں ان کے تخت پر بیٹھی تھی مگر نگاہیں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں۔

"اے ہے..... پانی کا گلاس لینے گئی ہے میرے لیے۔ حلق خشک ہو رہا تھا تو اس سے کہہ دیا۔ بہویں تو سب ہی مہمانوں کی آؤ بھگت میں لگی ہیں۔ یہ طیبہ بچاری تو دوسرے جی سے ہے۔ اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی پھر بھی سب کے کپڑے اسی نے استری کیے۔"

مریم نے بہت کم انہیں اپنی بہوؤں کی برائیاں اور بدخوئیاں کرتے دیکھا تھا اور ایسے عالم میں اسے اپنی ساس یاد آجاتیں جن کے ساتھ وہ بمشکل تین ماہ رہی تھی اور تین ماہ میں ہی انہوں نے اسے زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ انہیں خاموش ہونے کی تو عادت ہی نہیں تھی ہر وقت بولتی ہی رہتی تھیں۔

"یہ آپ کی بھتیجی زیادہ تر آرام ہی فرماتی رہتی ہیں۔" وردہ سے تو اسے جانے کیوں اتنی چڑ تھی (شاید اس لیے کہ وہ اسی کے مزاج کی تھی)

"نہیں تو ہم بھی ہی بیٹھی ہے بچاری۔" انہوں نے جلدی سے سائیڈ لی۔

"خالہ جی! آپ کو تو پوری دنیا ہی بے چاری لگتی ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

پھر شادی تک اس کا زیادہ تر وقت طیبہ کے ہاں گزرا تھا اور یہ پہلا موقع تھا جب وہ ان سب کے مزاج عادات سے واقف ہوئی تھی' واپس آکر وہ تمام رپورٹ عامر کے گوش گزار کرتی تھی اور چونکہ اس میں تنقیدی پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ اس لیے عامر تو آدھی داستان سن کر ہی جمائیاں لینے لگتا تھا۔

اگلے دن وردہ کو جانا تھا' وہ مریم سے ملنے آگئی۔ اس نے اس وقت مشین لگا رکھی تھی۔ پورا گھر ہی الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ وردہ سے اس کے تعلقات ہرگز بھی اس قدر خوش گوار نہ تھے کہ وہ اس کی آمد کی منتظر رہتی اس لیے اسے دیکھ کر کلس گئی مگر لبوں پر وہی رسمی مسکان.....

"آپ نے ماسی نہیں رکھی ہوئی ہے کپڑے دھونے کے لیے؟" وردہ نے آتے ہی جملہ اچھالا تھا۔

"نہیں۔ مجھے ماسیوں کے ہاتھ سے دھلے کپڑے پسند نہیں آتے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی اور اسے ڈرائنگ روم میں لے کر آگئی جو تین چار دن کی مصروفیات اور غفلت کی وجہ سے زیادہ بہتر حالت میں نہ تھا۔

"آپ نے تو پورے گھر میں ہی کارپٹ بچھا رکھا ہے۔ آپ کو علم ہے کارپٹ مضر صحت ہے۔ ڈسٹ الرجی ہو جاتی ہے اس سے اور سانس کی بیماریاں بھی۔" صوفے پر بیٹھتے ہوئے وردہ' مریم ہی کے انداز میں بولی تھی۔

"جو میری طرح صفائی کا خیال رکھتے ہیں ان کے لیے مضر صحت نہیں۔" وہ اپنی ہی دھن میں بول گئی تھی پھر خیال آنے پر کھسیا گئی۔

"جی..... جی لگ رہا ہے۔ آپ بہت صفائی پسند ہیں۔"

"یہ تو شادی کی مصروفیت کی وجہ سے ایسا ہے ورنہ طیبہ سے پوچھ لو' میں اپنا گھر کتنا صاف ستھرا رکھتی ہوں کیوں طیبہ؟" اس نے پنکھا فل اسپیڈ میں چلا دیا تھا۔

"جی جی۔ بھابھی کا گھر تو ہر وقت ہی چمکتا رہتا ہے۔" طیبہ جلدی سے سر ہلا کر اس کی تعریفیں کرنے لگی تھی اور وہ ان کی خاطر مدارت کے لیے کچن میں چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ ٹھیک کہتی تھیں بھابھی! مگر میری آنکھوں پر ہی افضل کی محبت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔" "یہ تقریباً" شادی کے ایک ہفتہ بعد کی بات تھی جب طیبہ منہ لٹکا کر اس کے پاس آئی تھی۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ اس وقت کچن میں اپنے لیے چائے بنانے لگی تھی طیبہ کو آتے دیکھ کر ایک کپ پانی اور ڈال دیا۔

"افضل واقعی پہلے سے بہت بدل گئے ہیں۔ جب سے وردہ آپی گئی ہیں وہ چپ چپ سے ہو گئے ہیں مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"ہیں اچھا! دیکھا میرا اندازہ درست نکلا نا۔" اسے اپنے اندازے کی درستی پر خوشی ہوئی تھی پھر طیبہ کی شکل دیکھ کر بولی۔

"تم ہی بڑا وردہ آپی' وردہ آپی! کرتی ان کے آگے پیچھے پھرتی تھیں' اب کیا ہوا؟"

"مجھے لگ رہا ہے افضل ان سے محبت کرتے تھے۔" وہ افسردگی سے کہتی کرسی پر ٹک گئی۔

"ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ آفٹر آل وہ ان کی منگیتر رہ چکی ہے۔"

"لیکن بھابھی! افضل مجھ سے کہتے ہیں تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔" وہ بہت زود رنج ہو رہی تھی۔

"ہاہاہا..... اور تم نے یقین کر لیا۔" وہ ہنسی۔

"تو اور کیا کرتی؟"

"یہ تو مرد ہر اس لڑکی سے کہتے ہیں جو ان کی زندگی میں آئے۔"

"کیا عامر بھائی بھی آپ سے ایسا کہتے ہیں؟" اس نے ایک دم ہی سوال پوچھا تھا اور مریم کو تو اپنے عامر پر خود سے زیادہ بھروسا تھا۔

"دن میں ہزار بار کہتا ہے وہ تو....."

"آپ یقین کر لیتی ہیں؟" وہ الجھن میں تھی۔

"یس آف کورس..... کیونکہ ایسا ہی ہے۔ مجھے عامر کی آنکھوں میں اس بات کی سچائی نظر آجاتی ہے طیبہ!" وہ کپوں میں چائے انڈیلنے لگی۔

"سچ تو مجھے افضل بھی لگتے ہیں لیکن اب اتنے دن ہو گئے ہیں' وہ جیسے مجھ سے نظریں چرانے لگے ہیں۔ اکثر کسی نہ کسی سوچ میں گم بیٹھے ہوتے ہیں..... میں بلاؤں بھی تو ہوں ہاں کرتے رہتے ہیں۔"

"یہی تو بات ہے ساری۔" اس نے سلیب پر ہاتھ مارا پھر ٹرے سمیت اس کے سامنے آبیٹھی۔

"وہ تمہاری نک چڑھی وردہ آپی ان کے ذہن و دل پہ سوار ہو کر رہ گئی ہے۔ انہیں رہ رہ کر اپنی پہلی محبت یاد آتی ہو گی۔ وہ تم میں اس کی شبیہہ ڈھونڈتے ہوں گے اور ناکامی پر ملال ہوتا ہو گا۔"

"ہاں بھابھی! مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے..... مگر میں اب کیا کروں۔"

"میں ایک عامل بابا کو جانتی ہوں..... تم ان سے تعویذ لے کر آنا۔ دو دن میں ان کے مزاج درست ہو جائیں گے۔" اس نے چٹکی بجا کر کہا۔

"استغفر اللہ بھابھی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں ان تعویذ دھاگوں پہ یقین نہیں رکھتی۔" وہ جیسے دہل کر بولی تھی۔

"تو اب اس میں کیا ہے..... آخر ان عامل لوگوں کے تعویذوں میں اثر ہوتا ہے' اسی لیے تو لوگ ان کے پاس بھاگے جاتے ہیں۔ بلکہ سچ بتاؤں تمہیں میں نے بھی عامر کے لیے تعویذ لا کر رکھے ہوئے ہیں۔ میری آپی مجھے ان کے پاس لے کر گئی تھیں' اس لیے تو مجھے عامر پر اتنا بھروسا ہے۔ وہ کبھی میرے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اللہ کو مانیں بھابھی! کیوں اس کی ذات میں کسی کو شریک کرتی ہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہ تو لوگوں کے عقیدے کی کمزوری ہے، جو ان کے دلوں میں رہتا ہے اس کی ذات سے غافل ہو کر وسیلے تلاش کرتے ہیں۔ میں ایسی باتوں پر عمل کرنا تو کیا انہیں سننا بھی گناہ سمجھتی ہوں۔"

"اپنے اپنے یقین کی بات ہے۔" مریم بدمزہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"ہاں واقعی بھابھی ٹھیک کہا۔ اپنے اپنے یقین کی بات ہے اور اللہ کا شکر ہے مجھے صرف اللہ پر یقین ہے۔ میرا ایمان سلامت ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے مزید استقامت دے۔ بھابھی! خود سوچیں اگر یہ عامل اور نجومی لوگ ہی خدائی کا دعوا کرنے لگیں تو ایمان کس پہ رکھا جائے؟"

"خدائی کا دعوا کب کس نے کیا ہے؟"

"یہ خدائی کا دعوا ہی تو ہو گیا ہے ایک ہی تعویذ میں کام ہو جاتا ہے، جو دوسرے نہیں کر سکتے، وہ ہم ایک تعویذ میں کر دکھائیں گے۔ جادو ٹونے، بندشوں کے عملیات کے ذریعے توڑ۔ کتنے فخر سے یہ اپنے کالے کرتوتوں کے اشتہار لگواتے ہیں۔ مجھے تو بہت دکھ ہوا بھابھی یہ جان کر کہ آپ بھی ان باتوں پہ یقین رکھتی ہیں۔" اسے واقعی میں دکھ ہوا تھا۔

"میں تو بس آپی کے کہنے پر ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔" مریم کو اس کے کہنے پہ قدرے شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

"اگر میں آپ سے کسی درس کی محفل میں یا قرآن کی تفسیر کی کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے ساتھ چلنے کو کہتی تو آپ کے پاس سو سو بہانے موجود ہوتے نہ جانے کے۔ مگر ایسی باتوں پہ ہمیں فوراً یقین آجاتا ہے۔ فوراً ہی ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔"

"یہ تم کیا قصے لے کر بیٹھ گئیں۔ افضل بھائی کا مسئلہ تو بیچ میں ہی رہ گیا اور یہ چائے تو پی لو۔"

"چھوڑیں بھابھی! ہونا تو وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے پتا نہیں کیسے میں افضل سے متنفر ہو گئی ہوں ہو سکتا ہے انہیں کوئی کاروباری مسئلہ ہو۔ سمیر کی شادی پہ انہوں نے ایک دوست سے قرضہ لیا تھا اسی کی فکر نہ ہو۔۔۔۔ یہی تو بری عادت ہے ہم عورتوں کی، عقیدے اور ایمان کی کمزوری، فوراً" بہک جاتی ہیں۔ وسوسوں میں پڑ جاتی ہیں۔ اپنے لیے خود پریشانیاں پیدا کر لیتی ہیں۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ طیبہ جیسی عورتیں ہوتی ہیں جو آنکھ بند کر کے بیٹھی رہتی ہیں اور جب شوہر کسی اور طرف لگ جائے تو خود ہی اندر اندر کھلتی رہتی ہیں۔" وہ فون پر اپنی بہن کو طیبہ کے متعلق ہی بتا رہی تھی۔

"مجھے تو صاف لگ رہا تھا کہ افضل بھائی اپنی کزن میں انٹرسٹڈ ہیں۔ اسے ضرورت سے زیادہ توجہ دیتے۔ اس کے ساتھ خوب ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہتے تھے اور جب میں اس بے وقوف سے کہتی تو سر جھٹک دیتی کہ آپس میں فرسٹ کزن ہیں۔ بچپن کی بے تکلفی ہے۔ اب اتنے دن سے شکل لٹکا رکھی ہے۔ مجھے تو کہہ گئی تھی کہ عورت دوسروں کی باتوں میں آ کر بہک جاتی ہے۔ اب جو اس کا شوہر بہک گیا ہے وہ؟" آخری بات پر اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

"اچھا۔۔۔۔ وہ فرح چڑیل۔۔۔۔ وہ تو زہر لگتی ہے مجھے۔ وہ آپ کو کہاں مل گئی۔ انتہائی چلتر باز اور تیز طرار لڑکی ہے آپی! پورے خاندان کے لڑکوں کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے اور شادی کسی سے بھی نہیں کی۔ میری نندیں تو خار کھاتی ہیں اس سے۔"

"ارے آپی! کہاں پھنس گیا آپ کا غریب دیور۔۔۔۔ وہ تو اچھے اچھوں کو گھاس نہیں ڈالتی اسے کہاں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ پوسٹ تو کافی اچھی ہے ایسی لوز کریکٹر عورتیں پیسہ ہی دیکھتی ہیں مردوں کا۔"

"دو ہفتے ہو گئے۔ آپ کے کہنے پر تعویذ پلا رہی ہوں ورنہ وہ طیبہ تو مجھے خوب باتیں سنا کر گئی ہے۔ بس آپی! انسان جس طرف کو اپنا ذہن لگا لے۔۔۔۔ میں

چولہے پر چنے کی دال ابلنے کے لیے رکھ کر آئی تھی آپی مجھے جلنے کی بو آ رہی ہے غالباً" نیچے لگ رہی ہے۔ آپ ہولڈ کریں میں ابھی آتی ہوں۔"

ریسیور سائیڈ پہ رکھ کر وہ سرعت سے نچلی منزل کی سیڑھیاں اترنے لگی تو سامنے طیبہ کے گھر میں طیبہ اور افضل بائیک کے پاس کھڑے کہیں جانے کی تیاریوں میں تھے۔ اسے دیکھ کر طیبہ نے ہاتھ ہلایا۔

"لگتا ہے ان کی صلح ہو گئی ہے۔ کافی خوش لگ رہے ہیں دونوں" وہ ان ہی کے متعلق سوچتی برنر بند کر کے دوبارہ اوپر آئی۔ لائن منقطع ہو چکی تھی۔ شاید اس کی آپی کا بھی کچھ جل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور یہ اسی رات کی بات تھی جب اس نے عامر کے کوٹ کی جیب میں ادھ کھلے گلاب کی کلی کی جھلک دیکھی تھی۔ وہ بڑی فرصت میں تیار ہوتے ہوئے سیٹی کی شوخ دھن پہ کچھ گنگنا بھی رہا تھا۔

"میں بھی چلوں تمہارے ساتھ؟" اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے ارادہ ظاہر کیا۔

"ارے نہیں یار۔۔۔۔ آفیشل گیٹ ٹوگیدر ہے۔ تم وہاں جا کر بور ہو جاؤ گی اور ہو سکتا ہے میں کچھ لیٹ بھی ہو جاؤں۔" وہ فراخدلی سے خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کر رہا تھا۔

"اب بس بھی کرو۔" مریم کو یہ فضول خرچی پسند نہیں آئی۔

"لیں محترمہ! بس کیا۔" وہ آج بہت موڈ میں تھا۔

"میں گھر پر رہ کر بھی بور ہی ہوں گی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" اسے جانے کیوں بے چینی سی ہو رہی تھی۔

"پھر وہی بات ڈارلنگ! پہلے کبھی منع کیا ہے میں نے تمہیں۔ اب بھی کسی وجہ سے ہی کہہ رہا ہوں۔" وہ محبت جھاڑنے لگا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس کے رومینٹک موڈ پہ

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف ڈال کر وہ وجہ میں الجھنے لگی جو اسے اگلی صبح نظر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ادھ کھلے گلاب کی کلی اس کے ذہن پر بری طرح سوار تھی۔ وہ سرخ گلاب اگر عامر اس کے لیے نہیں لایا تھا تو پھر کس کے لیے لایا تھا۔ اسی مخمصے میں الجھی وہ طیبہ کی طرف آ گئی اور اسے باہر بلایا کہ سڑک پر ٹہل لیں۔ طیبہ فارغ ہی تھی اس لیے فوراً چلی آئی۔

"اور بھابھی! سنائیں کیا حال چال ہیں؟"

"میرے تو حال ٹھیک ہی ہیں۔ تم سناؤ معاملات سلجھے کیا؟"

"الحمد اللہ بھابھی! مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی آفیشل پرابلم ہی ہے اور یہی حقیقت تھی۔ افضل کے آفس میں ورکرز کو نکالا جا رہا تھا۔ افضل پریشان تھے کہ کہیں ان کا نام بھی نہ آ جائے مگر اللہ کا شکر ہے اس نے عزت رکھ لی۔"

"اور وہ وردہ صاحبہ کا قصہ......" وہ اپنا دھیان بٹانا چاہ رہی تھی۔

"وہ تو میرے ذہن کا شیطانی وسوسہ تھا بھابھی! افضل نے مجھ سے کہا کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تم کن خدشات میں الجھی رہتی ہو لیکن وردہ کے ساتھ میرا بھائیوں جیسا تعلق تھا۔ ہماری منگنی بھی ہماری مرضی کے برخلاف کی گئی تھی کیونکہ وردہ پہلے ہی کسی میں انوالو تھی اور میں یہ بات جانتا تھا۔ اس لیے ہم دونوں چاہتے تھے کہ بات ختم ہو جائے اور ایسا ہی ہوا اور تھینک گاڈ کہ میں نے اس سلسلے میں افضل سے خود کوئی بات نہیں کی تھی ورنہ بہت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔"

وہ مطمئن اور آسودہ تھی جبکہ مریم کا دل پریشان تھا۔ یہی شیطانی وسوسے آج کل اسے پریشان کرتے تھے۔ طیبہ سے باتیں کرتے ہوئے بھی وہ الجھی الجھی سی رہی جسے طیبہ نے بھی محسوس کر لیا تھا اور وہ ہنس کر ٹال گئی۔ اور جب رات کو عامر اس کے لیے گجرے اور آئس کریم لے کر آیا تو وہ آئس کریم کی طرح ہی پگھل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"رات گئی بات گئی" کے مصداق وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ رات عامر سے کتنی متنفر ہو رہی تھی۔ وسوسوں اور واہموں نے اس کی جان عذاب کر دی تھی اور پھر اس کی قربت میں وہ سب فراموش کر گئی تھی یہ بھی کہ اس نے ادھ کھلے گلاب کی کلی کسے دی تھی۔

اور اب اس کا واہمہ اور خدشہ حقیقت کی صورت اس کے سامنے تھا۔ شاپنگ مال کی سیڑھیوں پہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے وہ دونوں چہرے اس کے لیے اجنبی نہیں تھے۔

عامر...... اس کا شریک حیات جس پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی تھی۔ وہ جو دن میں ہزار بار اسے یقین دلاتا تھا کہ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ وہی عامر اس وقت فرح کے پہلو میں کھڑا بہت مسرور اور شاداب لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔ اسے دوسروں کے گھر کی فکر تھی کہ کہیں اس میں نقب نہ لگ جائے مگر نقب تو اس کے اپنے گھر میں ہی لگ چکی تھی۔

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ خبطی سی دیوانی سی	600/- روپے
آرزو نکھر آئی	500/- روپے
تھوڑی دور ساتھ چلو	400/- روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمرہ احمد

جنت کے پتے

سلیمان صاحب کے دو بچے ہیں۔ حیا اور روحیل۔ روحیل پڑھائی کے سلسلے میں امریکا گیا ہوا ہے۔ حیا سلیمان کا ایک برس کی عمر میں سبین پھپھو کے بیٹے جہان سکندر سے نکاح ہو چکا ہے۔ سبین پھپھو ترکی میں رہتی ہیں۔ بائیں سال پہلے ہونے والے نکاح کو سب جیسے بھول چکے ہیں مگر حیا کے لیے وہ رشتہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تایا فرقان کے بیٹے داور کی مہندی کے فنکشن میں حیا اور ارم (تایا فرقان کی بیٹی) کے ڈانس کی ویڈیو کوئی انٹرنیٹ پر چلا دیتا ہے۔ حیا بدنامی کے خوف سے سائبر کرائم سیل سے رابطہ کرتی ہے' وہاں میجر احمد اس کی شکایت پر وہ ویڈیو ہٹا دیتا ہے۔ داور کی شادی میں سلیمان صاحب حیا کے نکاح کو بھول کر اپنے دوست کے بیٹے ولید لغاری سے شادی کی غرض سے تعارف کرواتے ہیں۔ وہ ولیمہ والے دن حیا سے بیہودگی کرتا ہے تو ایک خواجہ سرا ڈولی' حیا کی عزت بچاتا ہے۔ ڈولی اور اس کا دوست پنکی حیا کو اکثر اہم مواقع پر ملتے رہتے ہیں۔ حیا یورپی یونین کی طرف سے ملنے والے اسکالرشپ پر اپنی کالج فیلو خدیجہ عرف ڈی جے کے ساتھ ترکی جاتی ہے۔ اسلام آباد جاتے ہوئے فلائٹ میں انہیں عثمان شبیر ملتے ہیں اور ابو ظہبی ایئرپورٹ پر ایک حبشی فون بوتھ پر ان کی مدد کرتا ہے۔ ترک لڑکی ہالے ان کو ہر جگہ گائیڈ کرتی ہے۔ ترک روایت کے مطابق مسز عبداللہ حیا اور ڈی جے کی دعوت کرتی ہیں۔ وہاں حیا کو پاشا کے متعلق پتا چلتا ہے۔ حیا جہان کے گھر جاتی ہے۔ جہان سرد مزاجی سے ملتا ہے' تاہم سبین پھپھو بہت محبت سے ملتی ہیں۔ جہان کے گھر میں حیا کو سفید پھول ملتے ہیں۔ جہان خفا ہوتا ہے۔ جہان کو حیا کے ساتھ

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے نکاح کا علم ہے۔ اپنے باپ کے غدار ہونے پر اسے شرمندگی ہے۔ ویلنٹائن کی رات حسب معمول حیا کو ملنے والے سفید پھولوں کے ساتھ کاغذ پر حیا کے دوست معتصم کو لیموں کا رس لگا محسوس ہوتا ہے۔ وہ ماچس کی تیلی جلا کر کاغذ کو تپش پہنچاتا ہے تو وہاں "اے آر پی" لکھا ہوتا ہے۔ حیا، جہان اور ڈی جے جزیرہ بیوک ادا کی سیر پر جاتے ہیں۔ وہاں ایک بنگلے پر اے آر پاشا لکھا ہوتا ہے۔ ایک بچہ حیا کا پرس چھین کر اسی بنگلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ حیا اس کے پیچھے پیچھے اس بنگلے میں داخل ہو جاتی ہے، جہاں اس کی ملاقات عبدالرحمن پاشا کی ماں سے ہوتی ہے۔ وہ حیا کو بتاتی ہے کہ پاکستان میں ایک چیریٹی شو میں پاشا نے پہلی بار حیا کو دیکھا تھا اور اسی رات پہلی مرتبہ سفید پھول بھیجے تھے اور میجر احمد سے پاشا نے ہی کہہ کر ویڈیو ہٹائی تھی۔ میجر احمد کرنل گیلانی کا بیٹا ہے، جسے جہان کے ابا پھنسا کر ترکی چلے گئے تھے۔ پاشا حیا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ حیا کہتی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔ پاشا کی ماں وعدہ کرتی ہے کہ وہ اب کبھی حیا کے راستے میں نہیں آئے گا اور اسے اس کا کلچ دے کر جانے دیتی ہے۔ حیا، پاشا سے جہان کے ریسٹورنٹ کے لیے مدد مانگتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے جہان کے ریسٹورنٹ میں توڑ پھوڑ کی خبر ملتی ہے۔ حیا سخت پچھتاتی ہے۔ ترکی میں ڈی جے مر جاتی ہے۔ اس کی میت کے ساتھ حیا اور جہان بھی پاکستان آجاتے ہیں۔ جہان سے حیا کی والدہ کے علاوہ تمام لوگ سرد مہری سے ملتے ہیں، تاہم آخر میں سلیمان صاحب کے دل میں بھی جہان کے لیے پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

مہوش کی شادی والے دن پنکی، حیا کو ڈولی کی طرف سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا ڈبا دیتا ہے، جو ایک پہیلی سے کھلے گا اور جب تک وہ کھولے گی، ڈولی اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ وہ چھ حرفی کوڈ کھولنے کی حیا بہت کوشش کرتی ہے، جہان سے بھی کہتی ہے، پھر ترکی لے جاتی ہے۔ ڈبا کھلوانے کے لیے حیا، معتصم کی مدد لیتی ہے۔ ڈبے کا کوڈ یونانی مفکر ہراقلیطس کے کسی فلسفے میں پوشیدہ ہے۔ مسز عبداللہ کے گھر سے نکلتے ہوئے کوئی اسے اغوا کر لیتا ہے۔ وہاں ایک روسی حیا کے سر پر گرم گرم ویکس ڈالتا ہے اور گرم سلاخوں سے اس کے بازو پر who لکھ دیتا ہے۔ حیا، عثمان شبیر کے بیٹے سفیر کو فون کرتی ہے۔ وہ پاشا کو اطلاع دیتا ہے اور حیا وہاں سے پاشا کے بنگلے پر پہنچ جاتی ہے جہاں عائشے اور بہارے اس کی خدمت کرتی ہیں اور ان کی دوستی ہو جاتی ہے۔ مختلف پہیلیوں پہ رکھے گئے کوڈ والے وہ ڈبے عائشے اور بہارے بناتی ہیں۔ حیا کے اغوا سے سب بے خبر ہیں سوائے میجر احمد کے۔ میجر احمد حیا کو بتا دیتا ہے کہ وہی پنکی ہے اور ڈبے پر پہیلیاں بھی وہی لکھتا ہے۔ جہان حیا سے ملنے بیوک ادا آتا ہے۔ باتوں میں حیا کو پتا چلتا ہے کہ جہان اور روحیل ایک دوسرے سے رابطے میں ہیں۔ وہ روحیل سے تصدیق کرتی ہے۔ وہ اقرار کر لیتا ہے کہ جہان کو گولی لگی تھی اور اس نے جہان کی مدد کی تھی۔ ارم کی منگنی ہو جاتی ہے۔ عائشے اور بہارے کی غیر موجودگی میں حیا، پاشا کے کمرے کی تلاشی لیتی ہے۔ اسی وقت پاشا کا فون آتا ہے اور اس کے کمرے میں جانے پر حیا کو ڈانٹتا ہے۔

بہارے کا پزل باکس کھل گیا۔ اس میں سے نیکلس نکلتا ہے مگر وہ سمندر کی لہروں میں بہہ جاتا ہے۔ حیا کو پتا چلتا ہے کہ پاشا کا ایک چھوٹا بھائی بھی ہے، جو بظاہر یونان میں ہے۔

پاشا اپنی سیکریٹری دیمت سے اپنے مسئلے پر مشورہ کرتا ہے۔ ساتھ ہی اسے زبان بند رکھنے کے لیے اس کے ایک راز سے اپنی واقفیت بھی ظاہر کر دیتا ہے۔

جہان بیوک ادا آتا ہے۔ حیا اس کا پیچھا کرتی ہے مگر کچھ جان نہیں پاتی۔ اخبار میں چھاپنے کے لیے ایک کہانی وہ جہان اور پاشا کو سناتی ہے۔ جہان اسے شائع کروانے سے منع کرتا ہے جبکہ پاشا بھڑک اٹھتا ہے۔ پاشا بیوک ادا آتا ہے تو اسے حیا کا پزل باکس ملتا ہے۔ وہ اسے چھپا لیتا ہے۔ بہارے کو علم ہوتا ہے پھر جب عائشے گل اور حیا اسے ڈھونڈتی ہیں تو بہارے چپکے سے اسے لا کر دے دیتی ہے۔ اس پر پاشا بہارے سے ناراض ہوتا ہے۔

سلیمان صاحب ترکی آتے ہیں۔ حیا ہوٹل مرمرا میں ملنے جاتی ہے تو ان کے ساتھ ولید لغاری اور اس کا باپ موجود ہوتا ہے۔ حیا جہان کو فون کر کے بلا لیتی ہے۔ وہاں جہان اپنا تعارف حیا کے شوہر کی حیثیت سے کرواتا ہے۔ حیا اپنا موبائل مرمت کرانے جاتی ہے تو دکان والا بتاتا ہے کہ اس کے فون میں ٹریسر لگا ہے۔ حیا اسے لگا رہنے دیتی ہے۔ سلیمان

صاحب اپنی بہن کے ساتھ مل کر حیا اور جہان کی باقاعدہ منگنی کرتے ہیں۔

عائشے گل کے کہنے پر حیا اسکارف پہننا شروع کر دیتی ہے۔ ایک کافی شاپ میں پاشا سے سامنا ہوتا ہے تو حیا اس کے منہ پر کافی پھینک کر بھاگ جاتی ہے۔

ایک سیمینار میں شرکت کرنے کے بعد حیا باقاعدہ نقاب لینا شروع کر دیتی ہے۔ حیا کا پزل باکس کھل جاتا ہے مگر اندر ایک اور پہیلی نکلتی ہے۔ جس کے سلسلے میں وہ سسلی امانت لا کر جاتی ہے۔ وہاں اسے پاشا کا میسج ملتا ہے کہ برگر کنگ میں ایک سرپرائز ہے۔ وہ سب چھوڑ کر جہان کے ریسٹورنٹ پہنچتی ہے۔ وہاں پاشا اور جہان ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ حیا جہان کا پاشا سے تعلق نکلنے پر بے حد خفا ہوتی ہے اور ترکی چھوڑ کر فوراً پاکستان آجاتی ہے۔

۹
نویں قسط

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ایک ہاتھ میں ڈبی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اس کا ڈھکن کھولا۔ اندر سیاہ مخمل پہ ایک چھوٹی سی فلیش ڈرائیو رکھی تھی۔ اس نے فلیش ڈرائیو اٹھا کر کھولی۔ ڈرائیو کا سلور یو ایس بی پلگ چمک رہا تھا۔ حیا نے ڈھکن بند کیا، اور اپنے سے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ انگلی کے دو پوروں برابر ننھی سی ڈرائیو کا کور سیاہ تھا، وہاں کہیں کچھ نہیں لکھا تھا۔

اس میں کیا ہو سکتا تھا بھلا؟ تصاویر؟ ڈاکومنٹس؟ کتابیں؟ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی میموری کتنی ہے کیونکہ اس کے اوپر لکھا نہیں تھا، مگر یہ تو واضح تھا کہ اس میں دنیا جہاں کی چیزیں سما سکتی تھیں۔ اندر جو بھی تھا، وہ تب ہی کھلتا، جب وہ اسے کمپیوٹر سے جوڑتی اور کمپیوٹر...... اوہ...! ڈی جے کو خراج دیتے ہوئے وہ لیپ ٹاپ اپنے پاس نہیں رکھ سکی تھی۔ اب اس میں جو بھی تھا، وہ اسے گھر پہنچ کر ہی دیکھ سکتی تھی۔

اس نے فلیش ڈرائیو واپس ڈبیا میں ڈالی اور احتیاط سے پرس کے اندرونی خانے میں رکھ دی یہ قیمتی چیز تھی اور اسے اس کی حفاظت کرنی تھی۔

حیا نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور جلتی آنکھیں موند لیں۔ صبح کے واقعات اور اس ہنگامہ خیز فیصلے و تیاری نے اسے تھکا دیا تھا۔ بخار، سردرد اور تکان، ان سب کی تکلیف اس تکلیف سے کہیں چھوٹی تھی، جو آج جہان نے اسے دی تھی۔ وہ کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر تمام واقعات اُمڈ اُمڈ کر آنکھوں کے سامنے چلتے نظر آ رہے تھے۔

بے اعتباری کا دکھ زیادہ بڑا تھا یا خود کو جہان کے لیے بلیک میلنگ کا ہتھیار بنائے جانے کا خوف، وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔ البتہ ایک بات طے تھی۔ اگر ان پچھلے پانچ ماہ میں اس نے کچھ فیصلے صحیح کیے تھے تو پاکستان واپس جانے کا فیصلہ ان میں سے ایک تھا۔ اپنے گھر، باپ اور بھائی کے تحفظ سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ اسے ترکی اب بھی اتنا ہی پسند تھا، مگر ترکی کے کچھ لوگوں سے اب اسے خوف آنے لگا تھا۔ بس بہت ہو گئے ایڈونچرز، اب اس نے ہار مان لی تھی۔ وہ جہان کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ہی چلی آئی تھی۔ مگر وہ جانتی تھی کہ یہی صحیح تھا۔ اس کو سنبھلنے اور سوچنے کے لیے وقت چاہیے تھا۔

جہان کے لیے بھی شاید یہ درست تھا۔ اب کم از کم پاشا اسے حیا کی وجہ سے بلیک میل نہیں کر سکے گا۔ جہان سکندر سے شدید ناراضی کے باوجود لاشعوری طور پر بھی اس نے اس کا اچھا ہی سوچا تھا۔

فجر کے قریب وہ اسلام آباد پہنچی۔ ابا کو آنے سے منع کر دیا تھا، سو اس کی تاکید کے مطابق انہوں نے ڈرائیور بھیج دیا تھا۔

سردرد، بخار اور بوجھل دل...... وہ گولی لے کر سوئی تو ظہر کے قریب اٹھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنا بڑا سرپرائز!" اسے ہاتھوں سے بال لپیٹتے ہوئے لاؤنج میں آتے دیکھ کر فاطمہ نے مسکرا کر کہا۔ صبح وہ سو رہی تھیں اور ان کی ملاقات اب ہو رہی تھی۔

"اماں!" وہ آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گئی۔ گھر، تحفظ، اماں۔ اس کے آنسو ایڈجسٹ کر آرہے تھے۔

"سین پریشان ہو رہی تھی کہ اتنی اچانک حیا کیوں چلی گئی؟"

اپنے بیٹے سے پوچھنا تھا نا!

"جہان کو بتایا تھا، وہ شاید بتانا بھول گیا ہو... کچھ کھانے کو ہے؟" وہ نگاہیں چرا کر کچن کی طرف جانے لگی۔ وہی سماجی سے پڑی ہر کام خود کرنے کی عادت۔ فاطمہ نے ہاتھ سے پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"آرام سے بیٹھو۔ نور بانو کھانا لگا ہی رہی ہے۔" پھر ذرا چونکیں "تمہیں بخار ہے۔" جب وہ گلے لگی تھی تو اس وقت اتنے عرصے بعد ملنے کے جوش میں انہیں محسوس نہیں ہوا تھا شاید۔

"نہیں، سفر کی وجہ سے۔" اس نے دھیرے سے ہاتھ چھڑایا۔

پچھلی دفعہ جب وہ پاکستان آئی تھی تب بھی اسے بخار تھا۔ تب اس نے استقلال اسٹریٹ میں ڈی جے کو کھویا تھا۔ اب بھی اسے بخار تھا... اور اس دفعہ شاید اس نے جہان کو کھویا تھا۔ اسی جگہ استقلال اسٹریٹ میں۔ آزادی کی گلی... جس سے وہ کبھی اپنی زندگی آزاد نہیں کر سکتی تھی۔

شام میں جب وہ عصر پڑھ کر جائے نماز تہہ کر رہی تھی تو لاؤنج کی چوکھٹ پہ تایا فرقان نے ہولے سے دستک دی۔ وہ چونک کر مڑی، پھر مسکرا دی۔

"تایا ابا!" وہ آگے بڑھ کر ان سے ملی۔

"ارے یہ ترکی والے کہاں سے آگئے؟" انہیں جیسے اس کا نماز کے انداز میں لیا دوپٹا بہت اچھا لگا تھا۔

"بس ایگزامز ختم ہو گئے تھے۔ آخری مہینہ ترکی گھومنے کے لیے تھا۔ میں نے سوچا اس میں پاکستان آجاتی ہوں، پھر جولائی میں کلیئرنس کروانے چلی جاؤں گی۔" اس نے رسان سے وہ وضاحت دی جو اب اسے بہت سی جگہوں پہ دینی تھی۔

"یہ تو بہت اچھا کیا۔ ابا کدھر ہیں تمہارے؟ کچھ کام تھا۔"

"پتا نہیں! آفس میں ہوں گے۔ گھر پہ تو نہیں ہیں۔"

"اچھا! میں کال کر لیتا ہوں۔" وہ کہہ کر مڑنے لگے تو وہ جائے نماز رکھ کر ان کے ساتھ ہی چلی آئی تاکہ سب سے مل لے۔

صائمہ تائی اپنے مخصوص "مسکراتے" انداز سے ملیں۔ ارم کمرے میں تھی۔ اسے دیکھ کر ذرا حیران ہوئی۔

"خیر! اچھا کیا، اب کم از کم تم میری "منگنی" تو اٹینڈ کر ہی لوگی۔" تلخ مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولی مگر اسے خوش گوار سی حیرت ہوئی۔

"تمہاری منگنی، کب؟"

"ایک ڈیڑھ ہفتے تک ہے۔ ان کے کچھ رشتے دار باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کی روانگی سے پہلے پہلے ہی فنکشن ہو گا۔" ارم بہت ناخوش لگ رہی تھی۔ وہ زیادہ دیر اس کے پاس بیٹھ نہیں سکی اور باہر آگئی۔

سونیا کچن میں تھی۔ اس سے اپنے فطری خوش خلق انداز میں ملی۔ بیٹھنے کو کہا، مگر وہ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ پاکستان اور خاندان والے۔ وہی پرانی زندگی لوٹ آئی تھی، ترکی اور ترکی کے وہ چار ماہ کسی ست رنگے بلبلے کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اسٹڈی روم کی کھڑکی کے سامنے کھڑا وہ نیچے نظر آتی گلی کو دیکھ رہا تھا۔ پتھریلی سڑک پہ ایک بگھی سیاحوں کو لیے جا رہی تھی۔ ادالار کی سب سے شاہانہ سواری۔ مگر اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

کھلے دروازے سے عائشے اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں پرچ پیالی تھی۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ اس نے

اسٹڈی ٹیبل پہ پیالی رکھی۔

"عبدالرحمن! تمہاری کافی۔"

عبدالرحمن نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ عائشے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ روئی روئی سبز آنکھیں، اس کے دیکھنے پہ اس نے نگاہیں جھکا دیں۔ اس کا مطلب تھا آنے اسے مطلع کر چکی تھیں اور وہ دکھی تھی۔

"میں امید کرتا ہوں، تم میرے ساتھ تعاون کرو گی۔" وہ اپنے ازلی خشک انداز میں کہتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ "آنے کو ان کا بیٹا واپس مل رہا ہے، اس سے زیادہ بڑی خوشی ان کو کبھی نہیں مل سکتی۔ تم ان ماں بیٹے کے فیصلے میں ان کا ساتھ نہ دے کر ان کی خوشی ختم کرو گی، مگر میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرو گی۔"

عائشے نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں جانتی ہوں کہ مجھے اور بہارے کو وہیں رہنا ہے، جہاں آنے کو رہنا ہے۔ اگر وہ ادالار نہیں آ سکتا... اور یہ ضروری ہے کہ ہم سب یہاں سے چلے جائیں تو میں رکاوٹ نہیں ہوں گی۔ میں نے پیکنگ شروع کر دی ہے۔" وہ لمحے بھر کو رکی۔ "کیا واقعی سب ایسا ہی ہو گا، جیسا تم کہہ رہے تھے؟ کیا واقعی باہر جا کر وہ ہمارے ساتھ ہی رہے گا؟"

"ہاں! اور تم جانتی ہو، میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔" وہ اب بھی کھڑکی سے باہر ہی دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے! میں بہارے کو سمجھا دوں گی۔ وہ کوئی مسئلہ نہیں کرے گی۔ ہم اتنی ہی خاموشی سے ترکی سے چلے جائیں گے۔ جتنی خاموشی سے تم چاہتے ہو۔"

"شیور! کیا اب تم مجھے اکیلا چھوڑ سکتی ہو؟"

عائشے سر ہلا کر پلٹ گئی۔ عبدالرحمن نے گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھا... اور پھر دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ کاریڈور کے سرے کے آگے غائب ہو گئی۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور بولا۔

"بہارے گل! کیا تم میز کے نیچے سے نکلنا پسند کرو گی؟"

اور اسٹڈی ٹیبل تلے بیٹھی، کان لگا کر باتیں سنتی بہارے گل نے بے اختیار زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ اللہ، اللہ، وہ ہر بار کیوں پکڑی جاتی تھی؟ جب وہ دونوں باتیں کر رہے تھے، تب وہ اتنی خاموشی سے دبے قدموں آئی تھی اور میز تلے چھپ گئی تھی۔ زمین تک لٹکتے میز پوش نے چاروں اطراف سے اسے ڈھانپ دیا تھا، مگر عبدالرحمن پھر بھی جان گیا تھا۔

"بہارے گل!" وہ ذرا سختی سے بولا تو وہ رینگتی ہوئی باہر نکلی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ معصومیت سے مسکراتے ہوئے کپڑے جھاڑتی اٹھی۔

"کیا کر رہی تھیں تم؟"

وہ شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ باندھے خاموشی سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کچھ بولو گی نہیں؟"

بہارے نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ بہارے گل چپ زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

عبدالرحمن سر جھٹک کر واپس کھڑکی کی طرف مڑ گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ وہ جیسے کچھ سوچ رہا تھا یا شاید پریشان تھا۔

"میں ادھر بیٹھ جاؤں؟" بہارے نے اسٹڈی ٹیبل کی ریوالونگ چیئر جس کے ساتھ ہی عبدالرحمن کھڑا تھا، کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے دھیرے سے گردن اثبات میں ہلائی۔ وہ بڑی سی کرسی پہ بیٹھ گئی اور میز کی سطح پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔

"جب حیا ادھر تھی تو وہ یہیں بیٹھ کر اپنے پزل باکس پہ غور کیا کرتی تھی۔" وہ چونکا۔

"وہ چلی گئی۔"

بہارے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں حیرت پنہاں تھی۔

"کہاں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اپنے ملک' واپس۔"

"مگر کیوں؟ اس نے بتایا بھی نہیں۔ میرا نیکلس بھی نہیں خریدا۔ میں اسے فون کروں؟"

"نہیں! بالکل نہیں۔" وہ سختی سے بولا تو بہارے کرسی سے اٹھتے اٹھتے ٹھہر گئی۔

"اور اب تم اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھو گی۔ سمجھیں؟"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس کے چہرے پر اداسی اتر آئی۔ وہ ان ہی سخت تنبیہہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بس! کہہ دیا تو کہہ دیا۔"

چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر وہ جیسے ڈرتے ڈرتے آہستہ سے بولی۔

"کیا ہم کہیں جا رہے ہیں؟ نہیں! میں نے کچھ نہیں سنا۔ میں تو بس دیکھ رہی تھی کہ تمہاری میز نیچے سے کیسی لگتی ہے۔ بس! تھوڑا سا خود بخود سنائی دیا تھا۔" وہ جلدی سے وضاحت کرنے لگی۔

"تمہارا "خود بخود" سمجھتا ہوں میں اچھی طرح۔" اسے گھور کر وہ واپس باہر دیکھنے لگا۔ بہارے کی سمجھ میں نہیں آیا' اس کا موڈ کس بات پہ خراب تھا۔

"عبدالرحمٰن!"

"بہارے! میری بات غور سے سنو۔ بعض دفعہ انسان کو اپنا گھر' شہر' ملک' سب چھوڑنا پڑتا ہے۔ قربانی دینی پڑتی ہے۔ میں تم سے ایک قربانی مانگ رہا ہوں۔ میں تمہارے انکل کو واپس لے آیا ہوں۔ وہ اب تمہارے ساتھ رہے گا' مگر اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ ادالار میں نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اس نے ایک دوسرے ملک میں تم سب کے رہنے کا انتظام کیا ہے۔ وہ ادھر ہی ہے اور تمہارے' عائنشے اور آنے کے لیے گھر سیٹ کروا رہا ہے۔ اسی ہفتے تم لوگ ادھر چلے جاؤ گے۔ اور پلیز! نہ روؤ گی' نہ ہی شور ڈالو گی' نہ تم مجھے تنگ کرو گی۔ تم ادالار چھوڑ دو گی اور میرے خلاف جانے کی ضد نہیں کرو گی' سمجھیں؟" وہ باہر دیکھتے ہوئے بے لچک' سرد انداز میں کہتا گیا۔ بہارے کا چہرہ بجھتا چلا گیا۔

"یہ رہا تمہارا پاسپورٹ۔" اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ننھی سی کتاب نکال کر بہارے کو تھمائی۔ بہارے نے بے دلی سے اسے کھولا۔ اندر اس کی تصویر لگی ہوئی تھی۔

"ہم یہاں کیوں نہیں رہ سکتے؟"

"سوال نہیں کرو گی تم' سنا تم نے؟"

بہارے کا سر مزید جھک گیا۔ وہ پژمردگی سے پاسپورٹ کے صفحے پلٹ رہی تھی۔ ایک جگہ وہ ٹھہر گئی۔ وہ نہ پاسپورٹ کے رنگ کو دیکھ رہی تھی' نہ ہی دوسری تفصیلات کو۔ وہ صرف ان دو حروف کو پڑھ رہی تھی' جو وہاں نمایاں کر کے لکھے تھے۔

"Hannah Kareem"

"عبدالرحمٰن! غلطی ہو گئی ہے۔ میرا نام غلط لکھ دیا ہے۔ حنہ کریم۔ یہ تو میرا نام نہیں ہے۔" وہ حیرت اور الجھن سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اب یہی تمہارا نام ہے۔"

بہارے حیرت زدہ رہ گئی۔ کبھی وہ اس پاسپورٹ کو دیکھتی تو کبھی عبدالرحمٰن کے بے تاثر چہرے کو۔ اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"اور ایک آخری بات۔" وہ اس کی طرف مڑا اور سابقہ انداز میں بولا۔ "میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

سفید محل' ادالار' ترکی' اپنا نام' شناخت' بہارے کل ہر چیز چھوڑ سکتی تھی' مگر اس آخری بات نے تو اس کی سانس ہی روک دی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر عبدالرحمٰن کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"تم۔۔۔ تم ہمارے ساتھ نہیں رہو گے؟"

"نہیں! اور تم کوئی رونا نہیں ڈالو گی۔"

"مگر تم ہمیں ایسے نہیں چھوڑ سکتے۔ تمہیں۔۔۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اوہ کم آن! مجھے تمہاری بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔" وہ برہمی سے کہتے ہوئے مڑا اور باہر نکل گیا۔

بہارے کو اپنے اندر سے ایک آواز آئی تھی۔ جیسی مرمر کے پانی میں پتھر پھینکنے کی ہوتی ہے۔ جیسی دل ٹوٹنے کی ہوتی ہے۔

آنسو لڑیوں کی صورت اس کے رخساروں پہ گرنے لگے۔ عبدالرحمٰن کو اس کی ضرورت تھی' تب ہی تو اس نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ اگر وہ مر گیا تو بہارے اسے جنازہ دے گی اور اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گی۔ چاہے پورا ترکی اسے چھوڑ دے' بہارے گل اسے کبھی نہیں چھوڑے گی۔

اس نے اپنی کمر سے بندھے گلابی پرس کو کھولا اور پاسپورٹ اس میں ڈال دیا۔ پھر وہ کرسی سے اتری اور دبے قدموں میز کے نیچے چلی آئی۔ چاروں طرف سے گرتے میز پوش نے پھر سے اسے ڈھک دیا۔

وہ لکڑی کی ٹانگ سے سر ٹکائے بیٹھی ہولے ہولے سسکنے لگی۔ وہ سب کچھ چھوڑ سکتی تھی' مگر عبدالرحمٰن کو نہیں۔ پھر اب کیوں۔۔۔

آنسو اس کی گردن سے پھسلتے ہوئے فراک کے کالر میں جذب ہو رہے تھے۔ اس نے دیکھنا چاہا کہ نیچے سے میز کیسی لگتی ہے' مگر وہ اسے دھندلی ہی دکھائی دی۔

بھیگی' آنسوؤں سے لدی۔

عبدالرحمٰن نے باہر نکلتے ہوئے جب آخری دفعہ گردن موڑ کر دیکھا تھا تو بہارے اسے کرسی پہ سن سی بیٹھی' بے آواز روتی دکھائی دی تھی۔ وہ اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکتا تھا' سو تیزی سے باہر آ گیا۔

پچھلے باغیچے میں وہ عائنشے کی ورک ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا اداریوں ہی آسمان کو دیکھنے لگا۔ اس کا اپنا دل بھی بہت دکھی تھا۔ ان دونوں بہنوں کو اس کی وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑے گی' اس نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا' مگر وہ جانتا تھا کہ وہی اس سب کا ذمہ دار ہے۔ اس کی اور اس کے کاموں کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا' مگر پھر بھی وہ بے قصور تھا۔ بہارے سے سختی اور سرد مہری سے بات کر کے اس نے اپنے تئیں ان کی روانگی آسان بنانے کی کوشش کی تھی' شاید یوں کرنے سے بہارے اس سے محبت کرنا چھوڑ دے اور پھر جلد اسے بھول جائے۔ یہ سب آسان نہیں ہو گا' مگر عائنشے سنبھال لے گی اسے۔

اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے باغیچے میں بیٹھے دیکھ کر عائنشے نے بے اختیار سوچا تھا کہ بہارے کو تو وہ سنبھال لے گی' مگر خود کو کیسے سنبھالے گی؟ چند ماہ قبل اس کی اور عبدالرحمٰن کی شدید لڑائی کے بعد اسے علم ہو گیا تھا کہ جلد یا بدیر وہ عبدالرحمٰن سے الگ ہو جائیں گی۔ وہ ان کا کبھی نہیں تھا۔ وہ ان کے لیے بنا ہی نہیں تھا۔ وہ ایک غیر فطری زندگی گزار رہے تھے' مگر اب وہ فطری طریقے پہ واپس آ جائیں گے۔ دادی' چچا' چھوٹی بہن۔۔۔ عائنشے کے تین ساتھی' فیملی ممبرز۔ اصل زندگی' حقیقی گھر' مکمل فیملی۔

اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا بھگا گوشہ صاف کیا اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ آنے صبح سے تیاری میں لگی تھیں۔ وہ بہت خوش تھیں' سو اسے بھی اب تیاری مکمل کر لینی چاہیے۔

رہی محبت۔۔۔ تو وہ اچھی لڑکیوں کو بھی ہو ہی جاتی ہے' لیکن جب انہیں یہ پتا چل جائے کہ وہ محبت انہیں مل ہی نہیں سکتی' تو وہ خاموش رہتی ہیں۔ اچھی لڑکیاں خاموش ہی اچھی لگتی ہیں۔

دکھی دل کے ساتھ اس نے دراز سے اپنی قیمتی چیزیں نکالنی شروع کیں۔ وہ ان سب کو ایک جیولری باکس میں ڈال رہی تھی۔ سب سے اوپر اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر رکھی۔ یہ اسے عبدالرحمٰن نے اس کی سالگرہ پہ تحفے میں دی تھی اور وہ اسے کبھی نہیں اتارتی تھی۔ جواب میں اس نے عبدالرحمٰن کو اپنی سالگرہ پہ کیا دیا تھا۔ اس نے اپنے جیولری باکس کی سب سے آخری' چھوٹی سی دراز کھولی۔ وہ خالی تھی۔ کبھی اس میں وہ شے ہوتی تھی' جو اس نے عبدالرحمٰن کو دے دی تھی۔ مگر اس بے رحم آدمی نے اس کے تحفے کے ساتھ کیا کیا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عانشے نے آزردگی سے سر جھٹکا۔ زندگی میں سب سے زیادہ خوف اسے اسی بات پر آتا تھا کہ کہیں وہ جانتا تو نہیں کہ وہ کیا سوچتی ہے۔

مگر نہیں، وہ کبھی نہیں جان سکتا تھا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

وہ غلط تھی۔

☆ ☆ ☆

زارا اس سے ملنے آئی تھی۔ اتنے عرصے میں زارا کو تو وہ جیسے بھول ہی گئی تھی۔ اب دونوں مل کر بیٹھیں تو وہ ترکی کی باتیں ہی کیے گئی۔ بس یہی وہ موضوع تھا جس پر ــــ وہ زارا سے بات کر سکتی تھی۔ بعض دفعہ دوست تو وہی ہوتے ہیں، مگر وقت انسان کو اتنا آگے لے جاتا ہے کہ وہ اپنے دوست کے مدار سے ہی نکل آتا ہے۔ پھر کتنا ہی میل ملاقات رکھ لے، وہ درمیانی فاصلہ ناقابل عبور بن جاتا ہے۔ وہ بھی زارا کے مدار سے نکل آئی تھی۔ اس کی دوستیں تو صرف عانشے گل اور بہارے گل تھیں، جن کو وہ بتا کر بھی نہیں آئی تھی۔

آج فون کیا تو عانشے کا سیل آف تھا، سو اس نے میل کر دی۔

زارا گئی تو فاطمہ نے اسے بلا لیا۔ صائمہ تائی آئی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

"شکر ہے بیٹا! تم ہو... ورنہ میں کیا کرتی۔ ارم کے سسرال والوں کی شاپنگ کرنی ہے۔ منگنی کے تحائف وغیرہ۔ ارم کو تو کچھ سمجھ نہیں ہے، تمہارا ٹیسٹ اچھا ہے۔ میرے ساتھ چلو۔" تائی کی زبان میں جو حلاوت تھی، چکنائی بھری حلاوت عانشے بہارے ہالے بمعصم، ڈی جے، یہ لوگ اس چکنائی سے کتنے دور تھے نا۔

"شیور تائی اماں! میں ذرا عبایا لے آؤں۔" وہ ہامی بھر کر اٹھنے لگی تو فاطمہ چونکیں۔

"تم نے عبایا لیا ہے؟"

"جی اماں! ایک فرینڈ نے گفٹ کیا تھا۔ میں نے سوچا اب باہر جاتے ہوئے لے لیا کروں گی۔" وہ بظاہر بہت لاپروائی سے کہتی اٹھ آئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنے پاؤں کو چھوتے، حریر کے عبایا میں سیاہ اسٹول سلیقے سے چہرے کے گرد لپیٹ کر باہر آئی تو وہ دونوں پل بھر کو حیران رہ گئیں۔

"یہ اچھا کیا تم نے ــــ تم پہ اچھا بھی بہت لگ رہا ہے۔ فیشن بھی ہے آج کل عبایا کا۔" صائمہ تائی مسکرا کر بولیں۔ "ویسے! تمہارے تایا نے دیکھا تو بہت خوش ہوں گے۔"

(مجھے تایا سے سرٹیفکیٹ تو نہیں چاہیے تائی اماں!

"ہاں! عبایا تو اچھا ہے، مگر بہت سمپل نہیں ہے؟" فاطمہ ذرا متذبذب تھیں۔

چونکہ اس کا عبایا سادہ تھا اور سوائے آستین کے سبز اسٹونز کے جو اتنے مدھم تھے کہ توجہ نہ گھیرتے، کوئی کام نہ تھا، سو انہیں قلق تھا۔

"اور میں جب حج پہ گئی تھی تو کتنا کہتی رہی کہ تمہارے لیے عبایا لے آؤں، مگر تم نے انکار کر دیا تھا۔" فاطمہ تین سال پرانی بات دہرانے لگیں۔ وہ اس لیے اصرار کرتی رہی تھیں کہ ان کی بھابھی جوان کے ساتھ حج پر تھیں، اپنی بیٹیوں کے لیے قیمتی اور کامدار عبایا لے رہی تھیں۔ حیا نے صاف منع کر دیا تھا۔ عبایا کے بجائے اس کی کزنز کے برقعے عروسی ملبوسات لگتے تھے۔

"بس! اب دل چاہ رہا تھا۔" وہ نقاب کی پٹی سر کے پیچھے باندھنے لگی۔

"تم نے نقاب بھی شروع کر دیا؟" صائمہ تائی کو اب واقعتاً جھٹکا لگا تھا۔

"چلیں تائی!" وہ گاڑی کی چابی پرس سے نکالتے ہوئے بولی۔ اس کے نظر انداز کرنے کے باوجود تائی کہنے لگیں۔

"چلو! اچھا لگ رہا ہے، مگر دیکھتے ہیں کہ تم کتنے دن

کرتی ہو۔"

"اس نے دو دن بعد ہی چھوڑ دینا ہے۔" فاطمہ مسکرا کر بولیں۔

"چلیں! دیکھتے ہیں لیڈیز۔" وہ شانے اچکا کر کہتی باہر نکل آئی۔

استنبول بلاشک و شبہ ایک بہت خوب صورت اور شان دار قسم کا شہر تھا۔ وہ مانتی تھی، مگر جو بھی ہو، پاکستان، پاکستان تھا۔ اپنے ملک کا کوئی مقابلہ نہیں ہوتا۔ بہت عرصے بعد وہ اپنے اسلام آباد کی سڑکیں، درخت اور مارکیٹ دیکھ رہی تھی۔

تائی کو پورا ایف مین پھرا کر وہ دونوں شام ڈھلے واپس آئیں تو ابا اور تایا فرقان لان میں ہی بیٹھے تھے۔ حیا شاپرز اٹھائے چلتی ہوئی آئی تو تایا ذرا سیدھے ہوئے۔ شاید انہیں لگا کوئی مہمان ہے۔

"میں ہوں تایا!" اس نے سر کے پیچھے بندھی پٹی اتار کر نقاب چہرے سے علیحدہ کیا تو وہ دونوں واقعی حیرت زدہ رہ گئے۔

"تم نے کب سے برقع لینا شروع کر دیا؟"

"ترکی میں شروع کیا تھا اور بس! ایسے ہی شروع کر دیا تھا۔" وہ بہت عام سے انداز میں اپنے برقعے کی بات کر رہی تھی۔ تاکہ کوئی مذاق نہ اڑا پائے۔

مگر صائمہ تائی کسی اور ہی موڈ میں تھیں۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے حیا کے برقعے کی تعریفیں کرنے لگیں۔ ابا اب مسکرا رہے تھے۔ انہیں کچھ خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ تایا البتہ بہت خوش ہوئے۔

"ہم آج حیا سے کہہ رہے تھے کہ دیکھتے ہیں! کتنے دن تم برقع کرتی ہو۔"

"نہیں! ان شاء اللہ میری بیٹی قائم رہے گی۔" تایا کی بات پہ وہ پھیکا سا مسکرا دی اور اندر چلی آئی۔

برقعہ ہی تھا، اتنا کیوں ڈسکس کرنے لگے تھے سب۔ اسے اچھا نہیں لگا تھا، مگر شاید وہ بھی حق بجانب تھے۔ وہ پہلے اس کے برعکس لباس پہنتی تھی، سو ان کی حیرانی بجا تھی۔

خیر! جو بھی ہے۔ عبایا اتار کر لٹکانے تک وہ ان تمام سوچوں سے چھٹکارا پا چکی تھی۔ اب اسے وہ کام کرنا تھا جس کے لیے وہ سارا دن مارکیٹ میں مضطرب رہی تھی۔ کل اسے یاد ہی نہیں رہا۔ تھکاوٹ ہی اتنی تھی اور آج موقع نہیں ملا۔ مگر اب مزید انتظار نہیں۔

اس نے لیپ ٹاپ آن کر کے بیڈ پہ رکھا اور پرس سے وہ فلیش ڈرائیو نکالی۔ وہ جب بھی اسے کھولتی، دل عجیب طرح سے دھڑکتا تھا۔

پتا نہیں، کیا ہو گا اس میں؟

اس نے فلیش ڈرائیو کا پلگ لیپ ٹاپ میں لگایا۔ روشن اسکرین پہ ایک چوکھٹا ابھرا۔ اس پہ ایک مختصر سا پیغام تھا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ اس فائل پہ پاس ورڈ لگا تھا اور پاس ورڈ درج کرنے کے لیے ایک ہی کوشش کی جا سکتی تھی۔ صحیح پاس ورڈ درج کیا تو فائل کھل جائے گی۔ غلط درج کیا تو فائل خود کو خود ہی ختم کر دے گی یعنی وہ کبھی نہیں جان سکے گی کہ اس میں کیا تھا۔

پیغام چند لمحوں بعد ہی غائب ہو گیا۔ اب اسکرین پہ ایک خالی چوکھٹا چمک رہا تھا، جس میں آٹھ خانے بنے تھے۔ کسی آٹھ حرفی لفظ کے لیے یا کسی آٹھ ہندسوں کے عدد کے لیے۔

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ابھری۔ اسے ایک نئی پہیلی دیکھ کر بالکل بھی غصہ نہیں چڑھا۔ میجر احمد نے اسے چیلنج کیا تھا اور اسے اب یہ چیلنج جیت کر دکھانا تھا۔ کہیں نہ کہیں سے اسے اس کا پاس ورڈ مل ہی جائے گا اور پھر وہ اسے کھول لے گی۔

اس نے فائل کو آگے پیچھے ہر طرح سے کھولنے کی کوشش کی، مگر اس کا پروگرام خاصا پیچیدہ تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ویسے یہ عجیب بات تھی کہ اس دفعہ احمد نے پہیلی نہیں دی تھی۔ اب وہ پاس ورڈ کیسے ڈھونڈے؟ خیر! کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔ وہ پرامید تھی۔

ترکی سے واپس آنے کے بعد آج اس نے فون آن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تھا۔ اپنی پرانی سم وہ نکلوا چکی تھی۔ ابھی دو گھنٹے ہی گزرے تھے کہ فون بجنے لگا۔ وہ جو لیپ ٹاپ پہ اپنی اور ڈی جے کی تصاویر دیکھ رہی تھی، چونک کر سیدھی ہوئی جلتی بجھتی اسکرین پہ چمکتے الفاظ دیکھ کر ایک گہری سانس اس کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"خبر مل گئی آپ کو میجر صاحب؟" فون کان سے لگاتے ہوئے وہ بولی۔

"مل تو گئی مگر میں کافی حیران رہ گیا۔ آپ واپس کیوں آگئیں؟" وہی نرم، دھیما شائستہ انداز۔ وہ جیسے اس کے انداز پر مسکرایا تھا۔

"حیرت ہے، آپ کو پہلی دفعہ پوری بات کا علم نہیں ہوا۔"

"لگتا ہے، آپ بہت غصے میں ہیں۔ کیا ہوا ہے؟"

"پتا نہیں۔" وہ بے زار سی بولی۔ پہلی بار اسے شدید احساس ہوا کہ وہ میجر احمد سے مزید بات نہیں کرنا چاہتی۔

"آپ کی آواز کافی بوجھل لگ رہی ہے۔ اداس بھی ہیں اور پریشان بھی۔ اگر آپ وجہ نہیں بتائیں گی تو میں اصرار نہیں کروں گا۔ بس اتنا بتا دیں! آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہی فکر مند انداز۔ وہ کیوں کرتا تھا اس کی اتنی فکر۔

"جی! میں ٹھیک ہوں اور کچھ نہیں ہوا۔" اگر اسے نہیں معلوم تھا تو وہ خود ــــ اپنے شوہر کی کسی کمزوری سے اسے آگاہ نہیں کرے گی۔

اور بتاتی بھی تو کیا، کہ اس نے عبدالرحمٰن کے ساتھ دیکھا ہے جہان کو؟ اور وہ ان کی باتیں؟

ان ساری باتوں کو از سر نو یاد کرتے ہوئے وہ ٹھہری گئی۔ عبدالرحمٰن نے اسے ٹیکسٹ کر کے بلایا تھا۔ جب وہ پینٹری کی کھڑکی کے قریب پہنچی تو اسے وہاں سے پاشا کا چہرہ سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ ہو سکتا ہے، اس نے اسے آتے ہی دیکھ لیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ جان بوجھ کر یہ سب کہہ رہا ہو تاکہ وہ بد دل ہو جائے اور جہان کو چھوڑ دے۔ ہو سکتا ہے اس نے حیا کو "سیٹ اپ" کیا ہو۔ آخر! اس نے جہان کی طرف کی کہانی تو نہیں سنی تھی۔ ابھی پورا مہینہ حائل تھا اس کی اور جہان کی ملاقات میں۔ تب تک وہ.....

"حیا؟" وہ چونکی، پھر سر جھٹکا۔

"یہ جو آپ کی فلیش ڈرائیو پہ پاس ورڈ ہے، اسے کھول کر کوئی اور پزل بھی نکلے گا کیا؟"

"نہیں! یہ آخری لاک ہے۔ پھر میری امانت آپ دیکھ لیں گی۔"

"اور اس کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"وہ آپ جیسی ذہین خاتون کو چند منٹ میں ہی مل جائے گا۔"

"اچھا! آپ طنز کر رہے ہیں؟" وہ بے اختیار ہنس دی۔

"نہیں! سچ کہہ رہا ہوں۔ بہت ہی آسان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے پزل کا آخری ٹکڑا ابھی جوڑ لیں گی۔"

"ٹھیک ہے! اگر مجھے مزید آپ کی ضرورت نہیں ہے تو پھر آپ آئندہ مجھے کال مت کیجئے گا۔ میں مزید آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔" اس کا لہجہ بہت خشک ہو گیا تھا۔ چند ثانیے وہ کچھ کہہ نہیں پایا۔

"مگر آپ کے شوہر کو علم تو ہے، پھر.....؟"

"میں بغیر کسی ضرورت کے آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی اور اب مجھے ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے آئندہ میں آپ کی کال اٹینڈ نہیں کروں گی۔ خدا حافظ۔"

کس لمبی بحث سے بچنے کے لیے اس نے از خود فون بند کر دیا۔ احمد نے فوراً دوبارہ کال کی تھی۔ اس نے نہیں اٹھائی۔ اب اسے احمد کی مزید کال نہیں اٹھانی تھی۔ کل کو کوئی اونچ نیچ ہوئی تو سب سے پہلے اس کا حجاب بدنام ہو گا۔ وہ جانتی تھی کہ اب اسے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اس نے موبائل تکیے پہ ڈال دیا۔ احمد سے قطع تعلق کر کے اسے کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ اس

کے لیے کبھی بھی، کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ مطمئن تھی۔

☆ ☆ ☆

اس شام وہ کچن میں کھڑی سلاد تیار کر رہی تھی۔ فاطمہ بھی ساتھ ہی کام میں مصروف تھیں۔ نور بانو برتن دھو رہی تھی۔ ابا لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ ذرا بلند آواز میں ان تینوں افراد کی مصروفیت سے بے نیاز ان کو ترکی کی باتیں سنا رہی تھی۔ جب اپنے اندر کی اداسی، جہان کی خاموشی اور یادوں سے تنگ آجاتی تو اسی طرح بولنے لگ جاتی اور آج کل تو اس کی ہر بات ترکی سے شروع ہو کر ترکی پہ ختم ہوتی تھی۔ سفر نامہ استنبول، یہ وہ موضوع تھا جس سے گھر والے اب بور ہو چکے تھے۔ مگر وہاں پروا کسے تھی۔

اپنے گھر میں یہ سہولت تھی کہ کوئی مرد ملازم نہ تھا۔ تایا فرقان کا کک ظفر بہت ہی کم ادھر آیا کرتا تھا۔ ان کا خاندان ویسے بھی روایتی تھا۔ تایا کی تربیت تھی کہ رو حیل نہیں ہے تو ان کے بیٹوں کو ادھر نہیں آنا اور خود بہت کم، سوائے کسی کام کے، ادھر نہیں آتے تھے۔ سو وہ اپنے گھر میں آزادی سے گھوم پھر سکتی تھی۔

"پتا ہے نور بانو! وہاں توپ قپی پیلس کے پیچھے والے ریسٹورنٹ میں کیا ملتا تھا؟"

اب نور بانو کے تو فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ توپ قپی پیلس کس جگہ کا نام ہے۔ وہ بے چارگی سے نفی میں سر ہلائے گئی۔ مگر وہاں جواب کا انتظار کر کون رہا تھا۔ وہ کٹنگ بورڈ پہ سبزیاں کھٹ کھٹ کاٹتی بولے چلی جا رہی تھی۔

"وہاں ایک مشروب ملتا تھا، ایران نام کا۔ بالکل لسی کی طرح ہوتا تھا۔ اتنا مزے دار کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ میں ریسپی لائی ہوں۔ کبھی مل کر بنائیں گے۔"

لاؤنج میں رکھا لینڈ لائن فون بجنے لگا تو ابا نے ہاتھ

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
Herbal
سوہنی شیمپو
SOHNI SHAMPOO

اس کے استعمال سے چند دنوں میں خشکی ختم
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
قیمت -/75 روپے
رجسٹری سے منگوانے پر اور منی آرڈر سے منگوانے والے
دو بوتلیں -/200 روپے
تین بوتلیں -/275 روپے
اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ
بیوٹی بکس 53، اورنگزیب مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔
دستی خریدنے کے لیے:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھا کر ریسور اٹھایا۔ حیا نے گردن اٹھا کر ان کو دیکھا۔ لاؤنج اور کچن کی درمیانی دیوار اوپر سے آدھی کھلی تھی، سو وہ ان کو با آسانی دیکھ سکتی تھی۔

"ہاں سبین! کیسی ہو؟" وہ اب مسکرا کر بات کرنے لگے تھے۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ لمحے بھر کو اسے توپ قمپی اور ایران بھول گیا۔ وہ بالکل چپ سی ہوئی، ذرا ست روی سے ہاتھ چلانے لگی۔ سماعت ادھر ہی لگی تھی۔

"کیا..... کب؟" ابا کے تاثرات بدلے۔ وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھے۔

اس نے چھری گاجر میں لگی چھوڑ دی اور پریشانی سے ابا کو دیکھا۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

"انا للہ و انا الیہ راجعون!" وہ بہت دکھ سے کہہ رہے تھے۔ فاطمہ بھی جیسے گھبرا کر باہر گئیں۔ تب تک ابا فون رکھ چکے تھے۔

"کیا ہوا؟" فاطمہ پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔ حیا اسی طرح مجسمہ بنے کھڑی، سانس روکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"سکندر کا انتقال ہو گیا ہے۔"

ابا کے الفاظ نے پورے لاؤنج کو سکتے میں ڈال دیا۔ ملال بھرے سکتے میں۔ حیرت، شاک، دکھ۔ وہ ملی جلی کیفیات میں گھری کھڑی تھی۔

"وہ لوگ دو ایک روز میں باڈی لے کر آ رہے ہیں۔ میں فرقان بھائی کو بتا دوں۔" ابا تاسف سے کہتے فون اٹھا کر نمبر ملانے لگے۔

ایک لمحہ، بس ایک لمحہ انسان سے اس کی شناخت چھین کر اسے باڈی بنا دیتا ہے۔

اس کے اندر کہیں بہت سے آنسو گرے تھے۔ بے اختیار اسے ڈی جے یاد آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سلیمان صاحب کے بنگلے پہ فوتگی والے گھر کی سوگواریت چھائی تھی۔ لان میں قنات لگا کر مردوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جبکہ خواتین اندر لاؤنج میں تھیں، جہاں فرنیچر ہٹا کر چاندنیاں بچھا دی گئی تھیں درمیان میں کھجور کی گٹھلیوں کا ڈھیر تھا۔ رشتے دار خواتین سادہ حلیوں میں تھیں، مگر عابدہ چچی، سحرش اور ثنا بالکل سفید، نئے لباس پہن کر آئی تھیں۔ پتا نہیں یہ رواج کہاں سے چل نکلے تھے۔ اس نے البتہ چاکلیٹی رنگ کی لمبی قمیص، چوڑی دار کے ساتھ پہن رکھی تھی۔ ہم رنگ دوپٹا ٹھیک سے سر پہ لیے، گٹھلیاں پڑھتے وہ لاشعوری طور پہ ایسی جگہ پہ بیٹھی تھی، جہاں سے کھڑکی کے باہر لان صاف نظر آتا مگر باہر والوں کو اندر نہیں نظر آتا تھا کہ دوپہر کا وقت تھا۔ لان میں خاندان کے مرد جمع تھے۔ ابا، تایا اور کچھ کزنز البتہ نہیں تھے۔ وہ لوگ پھپھو اور میت کو لینے ایرپورٹ گئے تھے۔ آج تین روز بعد سکندر انکل کی باڈی کلیئرنس حاصل کر کے اپنے ملک لائی جا رہی تھی۔

اور وہ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ وہ جہان کا سامنا کیسے کرے گی؟

خیر! خفت اسے ہونی چاہیے، نہ کہ حیا کو۔ وہی قصوروار تھا، وہی باشا کا ساتھی تھا اور اتنی تو وہ مضبوط تھی ہی کہ اپنے تاثرات چہرے پہ نہیں آنے دے گی۔ جو بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ اس کے باوجود جب باہر شور سا مچا اور وہ لوگ پہنچ گئے تو اس کا دل اتنی زور سے دھڑکنے لگا کہ وہ خود حیرت زدہ رہ گئی۔

اتنے برس بعد پھپھو آئی تھیں، وہ بھی تابوت کے ساتھ۔ لاؤنج کے دروازے پہ خواتین ان سے ملتے ہوئے رو رہی تھیں۔ اونچا بین، بلند سسکیاں۔ وہ دور دراز کی رشتہ دار عورتیں جو ہر شادی میں سب کی طرف سے گاتی اور ہر فوتگی میں سب کی طرف سے روتی تھیں، سب سے آگے تھیں۔

پھپھو بہت نڈھال لگ رہی تھیں۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ فاطمہ سے مل رہی تھیں۔ وہ سب ہی کھڑے ہو چکے تھے۔ لڑکے تابوت اندر لا رہے تھے حیا ذرا ایک طرف ہو گئی۔ اور دوپٹے کا پلو ذرا ترچھا کر کے چہرے پہ ڈال کے، ہاتھ سے پکڑ لیا۔ دوپٹا پیشانی سے کافی آگے تھا اور یوں ترچھا کر کے ڈالنے سے گال، ہونٹ، ناک، سب چھپ گیا تھا۔ یہ اس کا غیر محسوس سا انتخاب تھا۔ اب اگر وہ نقاب کرتی ہی تھی تو منافقت کیسی کہ باہر کے مردوں سے کرے اور کزنز سے نہ کرے؟ ایک فیصلہ کیا ہے تو اسے صحیح سے نبھائے بھی۔

مرد باہر چلے گئے تو وہ آگے بڑھ کر پھپھو کے گلے لگی۔

"حیا..... تم کہاں چلی گئی تھیں؟ جہان بہت اپ سیٹ تھا۔" بے آواز آنسو بہاتی پھپھو اس سے الگ ہو کر آہستہ سے بولی تھیں۔ وہ سخت شرمندہ ہوئی۔ کیا تھا اگر پھپھو کو ایک فون ہی کر لیتی؟ اس نے جواب نہیں دیا۔ جواب تھا بھی نہیں۔

پھر جب وہ اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھی تو نگاہ کھڑکی پہ پھسل گئی۔ باہر لگے مجمع میں وہ جہان کو کھوجنے لگی اور پھر ایک دم وہ چونکی۔

اس نے بہت سی باتیں سوچی تھیں۔ جہان اتنا غیر متوقع تھا کہ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیسا رویہ رکھے گا، مگر جو جہان نے کیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

جہان سکندر پاکستان آیا ہی نہیں تھا۔

"جہان نہیں آیا چچی!" فرخ پتا نہیں کب اندر آیا تھا اور قریب ہی کھڑا فاطمہ کو بتا رہا تھا۔ "پھپھو بتا رہی تھیں کہ وہ کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔"

فرخ بتا کر آگے بڑھ گیا۔ فاطمہ تو فاطمہ، وہ خود بھی ششدر رہ گئی۔ ایسی بھی کیا مجبوری کہ بندہ باپ کے جنازے پہ بھی نہ آئے۔ وہ اتنی حیران تھی کہ گٹھلیاں بھی نہیں پڑھ پا رہی تھی۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ صرف حیا کا ساتھ دینے وہ ڈی جے کے وقت آ سکتا تھا تو اپنے باپ کے ساتھ کیوں نہیں.....؟

"جب تک انسان دوسرے کی جگہ پہ کھڑا ہو کر نہیں دیکھتا، اسے پوری بات سمجھ نہیں آتی۔"

کہیں دور سے جہان کی آواز ابھری تھی۔ شاید وہ وضاحت اس نے اسی لمحے کے لیے دی تھی۔

☆ ☆ ☆

سب بہت متاسف اور غمزدہ سے تھے۔ گھر میں خاموشی نے سوگواریت طاری کی ہوئی تھی۔

اگلا روز قل تھا۔ گھر میں کچھ کرنے کے بجائے تایا اور ابا نے وہی کیا تھا، جس کا رواج آج کل اسلام آباد میں چل نکلا تھا۔ تمام عزیز و اقارب کو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کے لیے فیملی واؤچرز دے دیے گئے کہ بمع خاندان جا کر ڈنر کریں اور مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے دعا کریں۔ اسلام آباد بھی کبھی کبھی اسے لگتا کہ استنبول بنتا جا رہا ہے۔ اس سے یہ ہوا کہ لوگوں کے سوال اور گڑے مردے اکھاڑے جانے سے تایا اور ابا محفوظ رہے۔ مگر حیا نے سوچا ضرور کہ تایا فرقان کے اسلام کو اب کیا ہوا؟

فاطمہ فون سننے اٹھیں تو وہ کافی کا کپ لیے پھپھو کے پاس آ گئی۔ وہ اکیلی بیٹھی تھیں۔ خاموش، تھکی ہوئی۔ ایک سفر تھا جو تمام ہوا۔ ایک مشقت تھی جو ختم ہوئی۔

"تھینک یو بیٹا!" اس نے کپ بڑھایا تو وہ چونکیں، پھر بھیگی آنکھوں سے مسکرائیں اور کپ تھام لیا۔

"تمہارے ساتھ بیٹھ ہی نہیں سکی۔"

"شرمندہ مت کریں پھپھو! میری ہی غلطی ہے، میں نے سوچا، جہان کو میرا میسج مل گیا ہو گا اور وہ آپ کو بتا دے گا۔" ایک مبہم سی وضاحت دے کر وہ اپنا کپ لیے ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

"نہیں! وہ کہہ رہا تھا، تم بغیر بتائے چلی گئی ہو۔ بہت پریشان تھا۔ شاید کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"وہ..... آیا کیوں نہیں؟" سرسری سے انداز میں اس نے پوچھ ہی لیا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں، جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہوں کہ وہ کتنا جانتی ہے۔

"وہ ترکی سے باہر گیا ہوا تھا۔ فلائٹ کا مسئلہ تھا کچھ ابھی ایک دو روز میں آ جائے گا۔"

"پھر آپ کو تو بہت مشکل ہوئی ہو گی، اکیلے سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ مینیج کرنا۔"

"حیا! میں نے ساری زندگی سب کچھ تنہا ہی مینیج کیا ہے۔ میرے ساتھ تب بھی کوئی نہیں تھا' جب میں اور میرا بیٹا جلاوطنی کاٹ رہے تھے۔" وہ آہستہ آہستہ نرمی سے کہہ رہی تھیں۔ "اور اب تو میں اتنی مضبوط ہو چکی ہوں کہ اپنے مسئلے حل کرنے کے لیے مجھے اپنے خاندان کے مردوں کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔"

وہ بس ان کو دیکھے گئی۔ ان کے چہرے کی لکیروں میں برسوں کی مشقت کی داستان تھی' جسے پڑھنے کی آنکھ حیا کے پاس نہیں تھی۔

"تمہیں بھی اتنا ہی مضبوط بننا چاہیے۔"

ان کی آخری بات پہ بے اختیار وہ چونکی تھی۔

یہ ماں بیٹا بعض اوقات کتنی مبہم باتیں کر جاتے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ گہری نیند میں تھی' جب کوئی آواز سیٹی کی طرح اس کی سماعت میں گونجی۔ کافی دیر بعد اس نے بھاری پپوٹے بمشکل اٹھائے اور اندھیرے میں جلتے بجھتے روشنی کے منبع کی طرف دیکھا۔

موبائل۔

بدقت اس نے بازو بڑھا کر بجتا ہوا موبائل اٹھایا۔

جہان کالنگ۔

اس کی ساری نیند اڑ گئی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی اور کال پک کی۔ ساری نااضی رات کی خاموشی میں تحلیل ہو گئی تھی۔

"جہان؟" اس کی آواز ابھی بھی نیند سے بوجھل تھی۔

"حیا!" وہ رکا۔ "کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں اور تم؟" ہیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے اس نے ریموٹ اٹھا کر اے سی آف کیا۔ کمرا بہت ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"فائن تم سو رہی تھیں؟"

"ہاں!"

اس وقت میں فٹ بال تو کھیلنے سے رہی' اس نے سوچا۔

"ممی سو رہی ہیں؟"

"ظاہر ہے! اٹھاؤں انہیں؟"

"نہیں' نہیں! ان کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ ماموں ہیں یا ڈرائیور؟" وہ جیسے سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

"نہیں! ابا اور اماں شام میں لاہور گئے ہیں۔ کوئی فوتگی ہو گئی تھی۔ صبح ہی آجائیں گے' کیوں؟" وہ ایک دم چونکی "تم کہاں ہو؟"

"میں ایئرپورٹ پہ ہوں اور مجھے تمہارے گھر کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ تم مجھے لینے آسکتی ہو؟"

"اوہ ہاں! تم رکو۔ میں آرہی ہوں۔" وہ لحاف پھینک کر تیزی سے بستر سے اتری۔

منہ دھو کر عبایا پہن کر وہ چابی لیے خاموشی سے باہر نکل آئی۔ ڈرائیور ابا کے ساتھ گیا تھا۔ ویسے بھی وہ پارٹ ٹائم تھا۔ ایسے میں وہ خود جائے' اس کے علاوہ کوئی دوسرا حل نہیں تھا۔

اسلام آباد کی خوب صورت' صاف ستھری سڑکیں خالی پڑی تھیں۔ ابھی رات باقی تھی۔ اسٹریٹ پولز کی زرد روشنی سڑک کو جگمگا رہی تھی۔ ایئرپورٹ پہ پہنچ کر اس نے جہان کو کال کر کے آنے کا پیغام دیا۔ اس کا ترکی کا نمبر رومنگ پہ تھا۔

"السلام علیکم!" چند ہی منٹ بعد وہ دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا۔ ایک چمڑے کا بھورا دستی بیگ اپنے قدموں میں رکھا اور سیٹ بیلٹ لینے لگا۔

"وعلیکم السلام!" اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے حیا نے ذرا کی ذرا نگاہ پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ سیاہ پینٹ پہ آدھے آستین والی گرے ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہی ماتھے پہ گرتے ذرا بکھرے بکھرے سے بال۔ ایئرپورٹ کی بتیاں اندھیرے میں اس کے چہرے کو نیم روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ اسے پہلے سے ذرا کمزور لگا۔ اسے ترکی سے آئے ڈیڑھ ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا' مگر پھر بھی

فرق واضح تھا۔

کار سڑک پہ رواں دواں تھی۔ دونوں خاموش تھے۔ آخری ملاقات کا بوجھل پن اور تناؤ ابھی درمیان میں حائل تھا۔

"ممی! اٹھیں تو نہیں؟"

"نہیں!" وہ ذرا دیر کو رکی۔ "تم آئے کیوں نہیں؟ سب پوچھ رہے تھے۔"

"مصروف تھا۔" وہ گردن ذرا ترچھی کیے باہر ویران اندھیری سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ کہنے کو جیسے کچھ نہیں تھا۔

"کیا تم مجھے پہلے قبرستان لے جاسکتی ہو؟"

حیا نے سر ہلا دیا۔ قبرستان گھر سے زیادہ دور نہ تھا۔ جلد ہی وہ پہنچ گئے۔ باہر نیلا سا اندھیرا چھایا تھا۔ سوالیہ نشان کی صورت بنے سات بہن بھائی' ستارے آسمان پہ چمک رہے تھے۔

"چھوپھا کی قبر آپ کے دادا کی قبر کے ساتھ ہی ہے۔" حیا نے اسے بتایا۔

احاطے میں جہان کے والد اور دادا کی قبریں داخلی دروازے کے ساتھ ہی ایک طرف تھیں۔ ایک درخت اس کے دادا کی قبر پہ سایہ کر رہا تھا۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے قبرستان کے داخلی دروازے پر ہی کھڑی ہو گئی۔ یہاں سے وہ جہان کو بہ آسانی دیکھ سکتی تھی۔

جہان آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا دونوں قبروں کے پاس آیا پھر دھیرے سے وہ سکندر شاہ کی قبر کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھتا گیا۔ دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اب وہ دعا مانگ رہا تھا۔ حیا اس کے عقب میں تھی' سوا اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

دعا کے بعد وہ کافی دیر سر جھکائے' ایک گھٹنے کے بل قبر کے سامنے بیٹھا رہا۔ انگلی سے وہ مٹی پہ لکیریں کھینچ رہا تھا' پھر جب وہ اٹھا تو حیا جانے کے لیے پلٹ گئی۔

گھر آکر وہ اندر داخل ہوا تو حیا نے آہستگی سے لاؤنج کا دروازہ بند کیا اور دو انگلیوں سے نقاب نیچے کھینچتے ہوئے اتارا۔

"تم آرام کر لو۔ میں اوپر کمرا دکھاتی ہوں۔" وہ اجنبی سے انداز میں کہتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ جہان خاموشی سے اس کے پیچھے اوپر آیا۔ دستی بیگ ہاتھ سے پکڑ کر کندھے پہ ڈال رکھا تھا۔

حیا دروازہ کھول کر ایک طرف کھڑی ہو گئی صاف ستھرا سا گیسٹ روم۔

"کچھ کھاؤ گے؟" اس نے چوکھٹ پہ کھڑے کسی رسمی میزبان کے لہجے میں پوچھا۔ جہان نے بیگ بیڈ پہ رکھا اور ساتھ بیٹھا۔

"بس! ایک کپ چائے۔ میرے سر میں درد ہے۔" وہ جھک کر جوگرز کے تسمے کھول رہا تھا۔

وہ الٹے قدموں واپس پلٹی۔ چند منٹ بعد جلدی جلدی چائے بنا کر لائی۔

وہ بیڈ پہ نیم دراز آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے تھا۔

"چائے!" اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا۔ وہ ہلا تک نہیں۔

"جہان!" مگر وہ سو چکا تھا۔

حیا کی نگاہیں اس کے پاؤں پہ پھسلیں۔ جوگرز کے تسمے کھول چکا تھا' مگر اتارے نہیں۔ پتا نہیں کیوں اسے ترس سا آیا۔ شاید وہ تھکا ہوا تھا۔ شاید بیمار تھا۔ اس نے اے سی آن کیا اور دروازہ بند کر کے باہر آگئی۔

صبح وہ دیر سے اٹھی۔ لاؤنج میں آئی تو فاطمہ اور پھپھو چائے پی رہی تھیں۔ گیارہ بج چکے تھے۔

"نور بانو! میرا ناشتا!" نور بانو کو پکار کر وہ ان کے پاس آبیٹھی۔ فاطمہ لاہور والوں کا تذکرہ ہی کر رہی تھیں۔

"آپ لوگ کب آئے؟"

"صبح آٹھ بجے پہنچ گئے تھے۔ تم سو رہی تھیں۔" فاطمہ مسکرا کر کہنے لگیں۔

"ہوں' اچھا! جہان اٹھ گیا؟" حیا کی نگاہ سیڑھیوں کے اوپر پھسلی تو یونہی لبوں سے نکلا وہ دونوں ایک دم اسے دیکھنے لگیں۔

"جہان؟"

"اوہ..." وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ "وہ صبح پہنچ گیا تھا۔ اوپر کمرے میں ہے۔ آپ کو نہیں پتا چلا؟"

"نہیں... وہ آگیا؟" سین سکندر کے چہرے پہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک دم چمک سی ابھری۔ خوش گوار سی حیرت۔ وہ باپ کے جنازے کے تیسرے دن پہنچ رہا ہے' مگر ادھر کوئی ناراض نہیں۔

"جی! میں دیکھتی ہوں۔" وہ خود ہی اٹھ آئی۔

اوپر اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بند بستہ ہو چکا تھا۔ اے سی تب کا آن تھا۔ اس نے جلدی سے اے سی بند کیا اور پنکھا چلا دیا۔

جہان اسی حالت میں جوتوں سمیت لیٹا تھا۔ آنکھوں پہ بازو رکھے۔ وہ شاید نیند میں بھی کسی کو اپنی آنکھیں پڑھنے نہیں دیتا تھا۔ تپائی پہ دھری چائے ٹھنڈی اور پرانی ہو چکی تھی۔ سوچا اٹھا لے' پھر خیال آیا کہ رہنے دے۔ اس کو پتا تو چلے کہ وہ اس کے لیے چائے لے آئی تھی۔

وہ دوپہر کے کھانے تک بھی نہیں اٹھا۔ پھپھو اس کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھیں' سو اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ سہ پہر میں زارا آ گئی۔ موسم اچھا تھا۔ دونوں نے شاپنگ پلان کر لی' مگر جب وہ عبایا پہن کر باہر آئی تو پھر سے ایکشن ری پلے شروع ہو گیا۔

"تم نے عبایا کب سے لینا شروع کر دیا؟"

وہی حیرت' سوال' تفتیش' تشویش۔

ایک لمبا اور جامع سا جواب دے کر بھی اسے لگا کہ زارا غیر مطمئن ہے اور غیر آرام دہ بھی۔ شاپنگ کرتے' جوتے دیکھتے' کپڑے نکلواتے اور پھر آخر میں راحت بیکرز کے سامنے پارکنگ لاٹ میں بیٹھے "اسکوپ" کا سلش پیتے ہوئے زارا بار بار ایک غیر آرام دہ نگاہ اس پہ ڈالتی جو پورے اعتماد سے عبایا اور نقاب میں بیٹھی' سلش پی رہی تھی۔

"یار! چہرے سے تو اتار دو۔"

"زارا! میرا نہ دم گھٹ رہا ہے' نہ ہی مرنے لگی ہوں۔ میں بالکل کمفرٹیبل بیٹھی ہوں۔ اگر تم نہیں ہو تو بتاؤ۔" وہ ایک دم بہت سنجیدگی سے کہنے لگی۔

وہ حیا سلیمان تھی۔ وہ عائشے گل کی طرح ہر بات نرمی سے سمجھ جانے والی نہیں تھی۔ جب وہ اپنے زمانہ جاہلیت کے لباس پہ کسی کو بولنے کا موقع نہیں دیتی تھی تو اب نقاب پہ کیوں کسی کو بولنے دے؟ صرف حجابی لڑکی صبر کیوں کرے؟ اس کی رائے میں بہت زیادہ چپ رہنے کو بھی کمزوری سمجھا جاتا تھا۔

"نہیں' نہیں! میں تو تمہارے لیے کہہ رہی تھی۔" زارا ذرا بوکھلا گئی تھی۔

وہ سر جھٹک کر سلش پینے لگی۔

باہر پارکنگ لاٹ میں چند ماہ پہلے کے مناظر اب بھی رقم تھے۔ ڈولی اسے سب سے پہلے اسی جگہ پہ ملا تھا۔ میجر احمد یعنی پنکی سے مل کر جو اسے الجھن ہوتی تھی کہ وہ پنکی کیسے بنا' اب وہ ختم ہو گئی تھی۔ وہ تو اس کی جاب کا حصہ تھا۔ پتا نہیں' وہ یہ بات پہلے کیوں نہیں سمجھ سکی؟

وہ واپس آئی تو دل ذرا بوجھل تھا۔ زارا اور اس کا مدار اب مختلف ہو گیا تھا۔ پتا نہیں' ڈی جے اگر ہوتی تو کیسا ردعمل دیتی؟ اب اجنبی کا ٹیگ جو پیشانی پہ لگ گیا تھا۔

لاؤنج میں سب بڑے بیٹھے تھے۔ تایا' تائی' ابا' اماں' پھپھو اور سامنے ایک صوفے پہ سنجیدہ سا بیٹھا جہان۔ وہی صبح والے کپڑے' مگر بال گیلے تھے۔ شاید ابھی ابھی فریش ہو کر نیچے آیا تھا۔ وہ سلام کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پہ پہنچ کر اسے لگا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ جہان تایا فرقان کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اندر آ گئی۔

دوبارہ اس کی جہان سے ملاقات رات کے کھانے پہ ہوئی۔

وہ ذرا دیر سے ڈائننگ ٹیبل پہ پہنچا تھا۔ ابا مرکزی کرسی پہ تھے۔ حیا' فاطمہ کے ساتھ ایک طرف تھی۔ جہان نے جو کرسی کھینچی' وہ حیا کے بالمقابل تھی' مگر وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ بھی یہی کر رہا تھا۔ بلکہ وہ تو شاید ہمیشہ سے یہی کرتا آیا تھا۔

"کتنی چھٹی ہے تمہاری؟" ابا کھانے دوران پوچھنے لگے۔ وہ سر جھکائے' کانٹے سے سلاد کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے بولا۔

"کچھ کنفرم نہیں ہے۔"

"چھٹی کیسی؟ اپنا ریسٹورنٹ ہے اس کا۔ بلکہ پاشا بلڈنگ۔" اس نے تلخی سے سوچا۔

"ایک ڈیڑھ ہفتہ تو ہوں' پھر شاید چلا جاؤں۔ ممی کو بیسن اپارٹمنٹ لے دوں گا۔"

حیا نے چونک کر سر اٹھایا۔

"پھپھو! آپ اب یہیں رہیں گی؟" اس کے چہرے پہ خوش گوار سی حیرت امڈ آئی تھی۔ بیسن پھپھو نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"صرف سکندر کے لیے وہاں تھی۔ اب ادھر رہنے کا جواز نہیں ہے۔"

"تو جہان! آپ بھی یہیں شفٹ ہو جاؤ۔"

فاطمہ نے ذرا دبے دبے سے جوش سے کہتے ہوئے ایک نظر سلیمان صاحب کو دیکھا۔ وہ بھی ذرا امید سے جہان کو دیکھنے لگے۔ وہی' بیٹی کو اپنے قریب رکھنے کی خواہش۔

"اور اپارٹمنٹ کی کیا ضرورت ہے؟ یہی گھر ہے بیسن کا۔"

جہان ہلکا سا مسکرایا۔ وہ پورے دن میں پہلی دفعہ مسکرایا تھا۔

"رہنے دیں مامی! میرے نصیب میں پاکستان میں رہنا لکھا ہی نہیں ہے۔"

اس کی آواز میں کچھ تھا کہ حیا ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ سر جھکائے کھانا کھا رہا تھا' مگر چہرے پہ وہی مسکراہٹ' وہی چمک تھی' جو وہ کبھی کبھی اس کے چہرے پہ دیکھا کرتی تھی۔ خاص موقعوں پہ' خاص باتوں پہ۔

خیر! کبھی نہ کبھی وہ اس کی وجہ بھی جان ہی لے گی۔

وہ دھیرے سے سر جھٹک کر کھانا کھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

صبح فجر پڑھ کر سونے کی بجائے وہ اوپر آ گئی۔ جہان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک نظر اس نے بند دروازے پہ ضرور ڈالی تھی۔ کچھ چیزیں کرنے سے انسان خود کو کبھی روک نہیں پاتا۔

چھت پہ ہر طرف لہلہاتے گملوں کی سرحد بنی تھی۔ ابا کا شوق' منڈیر وہاں سے کافی اونچی تھی۔ منڈیر کے ساتھ ہی کین کا ایک جھولا رکھا تھا۔ اس خوب صورت صبح میں وہ جھولے پہ آ بیٹھی اور گردن موڑ کر منڈیر کے سوراخ سے باہر دیکھا۔ منڈیر اس کے سر سے اونچی تھی' مگر ڈیزائن کے طور بنے بڑے بڑے سوراخوں سے نیچے کالونی اور سڑک صاف نظر آتی تھی۔ وہ یونہی ترچھی ہو کر بیٹھی کالونی پہ اترتی صبح دیکھے گئی۔ ہر سو خاموشی اور تازگی تھی۔ کبھی کبھی پرندوں کے بولنے کی آواز آ جاتی یا پھر کسی کے بھاگنے کی۔

وہ ذرا چونکی۔ دور سڑک پر کوئی بھاگتا آ رہا تھا۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس' جاگنگ کرتا شخص۔ اسے ایک لمحہ لگا تھا پہچاننے میں۔

"جہان!"

وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ کب اٹھا' کب گھر سے نکلا' معلوم نہیں۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ جہان اب گھر کے سامنے سے گزر کر مخالف سمت دوڑتا جا رہا تھا۔ وہ گردن پوری موڑ کر اس کو دیکھے گئی۔

چند قدم دور وہ رکا' اور ٹھٹک کر پیچھے سڑک کو دیکھا۔ جیسے اسے محسوس ہوا ہو کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ سڑک پر ہی دیکھ رہا تھا' اوپر نہیں۔ وہ جلدی سے جھولے پر سے اٹھی اور اندر دوڑ گئی۔

وہ پھر سے پکڑے نہیں جانا چاہتی تھی۔ سبز ٹیولپ' پھولوں کی مارکیٹ اور وہ دکاندار..... اسے سب یاد تھا۔

☆ ☆ ☆

جب جہان نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ کتابیں کھولے بیٹھی تھی۔ دستک پہ چونکی اور پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اسے سامنے کھڑے دیکھ کر دل عجیب سی متضاد کیفیات کا شکار ہونے لگا۔

"حیا! کیا تم فارغ ہو؟" وہ بہت دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں! کیوں؟" اس نے دروازہ ذرا زیادہ کھول دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاکہ وہ بستر پہ پھیلی اس کی کتابیں دیکھ کر جان لے کہ وہ ہرگز بھی فارغ نہیں ہے۔

"اوکے! تم فارغ ہی ہو ٹھیک۔" اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔ "یعنی تم میرے ساتھ مارکیٹ چل سکتی ہو؟"

"شیور!" اس نے شانے اچکا دیے۔

حالانکہ اسے اس پہ بہت غصہ تھا۔ وہ اس سے مخاطب بھی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے ہمیشہ غلط بیانی ہی کی تھی۔ اسے جہان سے بہت گلے تھے مگر پھر بھی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ وہ اسے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا خریدنا ہے؟ تاکہ اسی حساب سے مطلوبہ جگہ پہ جائیں۔"

"کپڑے وغیرہ۔ جلدی میں نکلا تھا۔ زیادہ سامان نہیں اٹھا سکا۔"

ایک تو جب وہ مہذب اور شائستہ ہوتا تھا تو اس سے زیادہ نرم خو کوئی نہیں تھا۔ وہ اندر ہی اندر تلملاتی ہوئی باہر آئی تھی۔ کوئی اور نہیں ملا تھا اسے ساتھ لے جانے کے لیے۔ اسے ضرور گھسیٹنا تھا اپنے ہمراہ۔

شاپ پہ اس کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی ریک پر کپڑوں کے ہینگرز الٹ پلٹ کے دیکھتی رہی۔ جہان ایک کرتے کا ہینگر کندھے سے لگاتے ہوئے سامنے قد آور آئینے میں خود کو دیکھ رہا تھا۔ حیا اس کے قریب ہی کھڑی تھی، سو آئینے میں وہ بھی نظر آ رہی تھی۔ اس کا عکس دیکھتے ہوئے جہان ذرا سا مسکرایا۔

"تم نے وہ کارٹون دیکھے ہیں نجا ٹرٹلز؟" وہ مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے پوچھنے لگا تو اس نے سادگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں تو؟" وہ جواب دیے بنا بے ساختہ امڈ آتی مسکراہٹ دباتے ہوئے ہینگر پکڑے پلٹ گیا۔

چند لمحے وہ الجھی کھڑی رہی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ پھر قد آور آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو فوراً" سمجھ میں آ گیا۔ غصے کا شدید ابال اس کے اندر اٹھا تھا۔ بمشکل ضبط کرتے ہوئے اس نے نگاہوں سے جہان کو تلاشا۔ وہ وہی کرتا لیے کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔

وہ بدتمیز انسان اس کے نقاب کو نجا ٹرٹلز کی آنکھوں کی پٹی سے تشبیہ دے گیا تھا؟ اس کا موڈ واپسی کا سارا راستہ آف رہا، مگر وہاں پروا کسے تھی۔

☼ ☼ ☼

کچن میں شام کی چائے دم پہ چڑھی تھی۔ الائچی اور تلتے کبابوں کی ملی جلی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ وہ نور بانو کے سر پہ کھڑی ٹرالی میں برتن رکھوا رہی تھی۔ ذمہ داری وہ پہلے بھی تھی، مگر ترکی سے آنے کے بعد ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے لگی تھی۔ اب بھی نور بانو سے زیادہ وہ کام کر رہی تھی۔

باہر لاؤنج میں تایا فرقان اور صائمہ تائی آئے بیٹھے تھے۔

اماں، ابا، پھپھو اور جہان بھی وہیں تھے۔ کام کرتے ہوئے مسلسل اسے احساس ہوتا رہا کہ جہان اسے دیکھ رہا ہے، مگر جب وہ رک کر گردن موڑ کر دیکھتی تو وہ کسی اور جانب دیکھ رہا ہوتا۔

جہان کے ساتھ ایک ہی گھر میں وہ دو دفعہ رہی تھی۔ ایک جب ڈی جے کی بارہ وہ اکٹھے پاکستان آئے تھے تب اسے اپنے غم سے وقت نہ ملا تھا۔ دوسرا جب اپنی "منگنی" کی رات وہ پھپھو کے گھر رک گئی تھی اور تب جہان کو اپنی فون کال کے انتظار سے وقت نہ ملا تھا۔ یوں اب نارمل حالات میں پہلی دفعہ وہ ایک چھت تلے تھے اور اسے اب احساس ہوا تھا کہ وہ بہت بے ضرر، خاموش اور دھیما سا انسان تھا۔

یہ اس کا ایٹی ٹیوڈ نہیں فطرت تھی۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ سلام کر لیتا، حال احوال پوچھتا اور بس۔ ہاں! گھر میں فارغ رہ رہ کر وہ اکتا جاتا تو نور بانو کے ساتھ کچن میں کبھی برتن دھونے لگ جاتا تو کبھی اسے سبزیاں کاٹ کر دیتا۔ نور بانو بے چاری حق دق رہ جاتی۔ اگر باہر جاتا تو صبح جاگنگ پہ۔

اسے پہلی دفعہ معلوم ہوا تھا کہ وہ جاگنگ، واک، ورزش، ان چیزوں کا بہت خیال رکھتا تھا، پھر جب گھر

میں بہت بور ہو گیا تو ایک دفعہ فاطمہ کے کہنے پہ حیا اسے باہر لے گئی، مگر وہ اتنا تنگ کر دینے والا تھا "یہاں سے مڑ جاؤ، وہاں لے جاؤ، نہیں! اب پیچھے چلو۔ لیفٹ سے کیوں مڑ رہی ہو، رائٹ سے مڑو" اب اس نے اپنی گاڑی کی چابی جہان کو دے دی تھی۔ جہاں جانا ہے، خود چلے جاؤ جیسے تاثرات کے ساتھ۔ اس کے پاس انٹرنیشنل لائسنس تھا، سو مسئلہ نہیں تھا۔

اب وہ کبھی کبھی باہر نکل جاتا۔ گھر کے قریب اس نے جم بھی ڈھونڈ لیا تھا — جہان کے ساتھ رہنے میں ایک مسئلہ تھا۔ وہ اتنی خاموشی سے بنا چاپ پیدا کیے گھر میں داخل ہوتا کہ پتا ہی نہ چلتا اور وہ آپ کے پیچھے کھڑا ہوتا تھا۔ اب آتے جاتے چند ایک رسمی باتوں کے علاوہ ان کی بات نہ ہو پاتی۔ چاندی کے مجسمے یا تو چیخ چکے تھے یا بالکل پتھر چکے تھے۔

آج بھی وہ اسے دیکھ رہا تھا، مگر وہ اسے پکڑ نہیں پائی تھی۔ وہ کچھ کہتا نہیں ہے۔ اسے الجھن ہوتی۔ وہ اسے بے اعتبار قرار دے کر چھوڑ آئی تھی۔ وہ گلہ کیوں نہیں کرتا۔ صفائی نہ دے، مگر شکایت تو کرے۔ لیکن وہاں ازلی خاموشی تھی۔

وہ ٹرالی دھکیلتی لاؤنج میں لائی۔ دوپٹا شانوں پہ پھیلا کر اس نے لمبے بالوں کو سمیٹ کر کندھے پہ آگے کو ڈالا ہوا تھا۔

"واقعی! دل تو نہیں کرتا۔ سکندر بھائی کو گئے ہفتہ بھی نہیں ہوا، مگر وہ لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ جلدی مچائی ہوئی ہے۔" صائمہ تائی کہہ رہی تھیں۔ شاید ارم کی منگنی کا معاملہ تھا۔

حیا بچوں کے بل کاربٹ پہ بیٹھی، چائے کے کپ پرچ میں رکھ کر باری باری سب کو پکڑانے لگی۔

"بھابھی! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جب ہمیں اعتراض نہیں ہے تو لوگوں کا کیا ہے۔ آپ اللہ توکل کر کے فنکشن کی تیاری شروع کریں۔" پھپھو بہت رسان سے واضح کر رہی تھیں کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

"اصل میں اسجد کے بھائی اور بھابھی باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کی موجودگی میں وہ فنکشن کرنا چاہتے ہیں تھینکس!"

تایا نے مسکرا کر اس سے کپ پکڑا تو وہ واپس آئی اور آخری کپ جہان کی طرف بڑھایا۔ وہ جو غور سے اب تائی کی بات سن رہا تھا، ذرا سی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور کپ پکڑ لیا۔

"وہ اسی اتوار کا کہہ رہے تھے۔"

"تو بھائی! آپ ہاں کر دیں نا۔ مجھے خوشی ہو گی۔"

"اتوار کا فنکشن!" حیا نے سوچا۔ کیا پہنے گی؟ وہ چائے سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی اور الماری کھول کر کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگی۔ کوئی سلیولیس تھا۔ کسی کی آستینیں شیفون کی تھیں۔ کسی کا دوپٹا باریک تھا۔ اس کا ایک جوڑا بھی "آئیڈیل حجابی لباس" پہ پورا نہیں اترتا تھا۔

دوسری الماری کو لاک لگا تھا۔ اس نے چابی نکالنے کے لیے پرس میں ہاتھ ڈالا تو انگلیاں مخملیں ڈبی سے ٹکرائیں۔ وہ مسکرا اٹھی۔ میجر احمد کا چیلنج ڈبی کی امانت۔

اس نے ڈبی کھولی۔ سیاہ بوالیس بی فلیش اندر محفوظ رکھی تھی۔ پزل باکس کھل گیا۔ جواہر کا لاکر بھی کھل گیا، مگر اس لاک کو کیسے کھولے؟ آخری لاک۔ اس کی تو پہیلی بھی نہیں تھی، مگر پہیلی ہونی چاہیے تھی۔ میجر احمد نے پہیلی کے بغیر کبھی کوئی پزل اسے نہیں دیا تھا۔ وہ تالے کے ساتھ اس کی چابی بھی ہمیشہ دیا کرتا تھا۔

"اوہ... ڈبی تو میں نے دیکھی ہی نہیں۔" ایک دم اسے خیال آیا۔

وہ بیڈ پہ آ بیٹھی اور فلیش باہر نکالی۔ وہ صاف تھی۔ کوئی لفظ، نشان وغیرہ نہیں۔ اب اس نے ڈبی اوپر نیچے سے دیکھی۔ کچھ بھی نہیں۔ اس نے اندر رکھے مخملیں فوم کو انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا۔ نیچے ڈبی کے پیندے پہ سیاہ مخمل کا ایک اور ٹکڑا رکھا تھا۔ اس نے ٹکڑا نکال کر پلٹ کر دیکھا۔

وہاں سنہری دھاگے سے دو الفاظ سلے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسٹوری سویپڈ؟" اس نے اچنبھے سے دہرایا۔ یہ فلیش ڈرائیو کی پہیلی تھی۔ اس کو حل کرکے ہی وہ آخری تالا کھول سکتی تھی۔ مگر اس سطر کا مطلب کیا تھا۔ کہ کہانی کو "swap" کرنے سے کیا مراد ہوا بھلا؟ کیا یہ سطر انگریزی گرائمر کے لحاظ سے درست بھی تھی؟ ادل بدل کی گئی کہانی؟ کہانی کو swap کرنے سے مراد تو یہی ہوتا ہے نا! کہ آپ اپنی کہانی کسی کو پڑھنے دیں اور وہ جواب میں اپنی کہانی آپ کو پڑھنے دے۔ اس عجیب سی سطر کا یہی مطلب نکلتا تھا۔ مگر کون سی کہانی؟

شاید پروفیسر گوگل کچھ کرسکے۔ یہی سوچ کر اس نے کمپیوٹر آن کیا اور گوگل پہ یہی الفاظ لکھ کر ڈھونڈا، مگر لاحاصل۔ دو متفرق سے الفاظ تھے جن کو احمد نے جمع کر دیا تھا۔ یہ کل بارہ حروف تھے، سو پاس ورڈ نہیں ہوسکتے تھے، مگر پاس ورڈ ان ہی میں چھپا تھا۔

رات سونے سے پہلے تک وہ ان ہی دو الفاظ کو سوچتی رہی تھی۔ مگر کسی بھی نتیجے پہ پہنچنے سے قبل ہی نیند آگئی۔

☼ ☼ ☼

ارم کی منگنی کا **فنکشن** تایا فرقان کے لان میں منعقد کیا گیا تھا۔ **فنکشن** خواتین کا تھا۔ مردوں کا انتظام باہر تھا، مگر تیار ہوتے وقت وہ جانتی تھی کہ یہ **فنکشن** بھی اتنا ہی **سیگریگیٹڈ** (غیر مخلوط) ہوگا، جتنا داور بھائی کی مہندی کا **فنکشن** تھا۔ برائے نام "زنانہ حصہ" جہاں ویٹرز، مووی میکر، لڑکے کزنز، سب آجا رہے ہوں گے۔ پتا نہیں، پھر بے چارے باقی مردوں کو علیحدہ کیوں بٹھایا جاتا تھا، یا پھر ایسی شادیوں کو **سیگریگیٹڈ** کہنے کی منافقت کیوں تھی؟ سوسائٹی کے ــــــ معیارات جن پہ کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس نے اپنی بائیس سالہ زندگی میں کبھی کوئی مکمل طور پر **سیگریگیٹڈ** شادی نہیں دیکھی تھی۔ تایا کی سختی تھی کہ منگنی پہ دلہا نہیں آئے گا، انگوٹھی ساس پہنائے گی، مگر جو خاندان کے لڑکے کام کے بہانے چکر لگا رہے ہوں گے، ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

باہر وہ عبایا لیتی تھی۔ اصولاً اسے ادھر بھی عبایا لینا چاہیے تھا، مگر منگنی کا **فنکشن** برائے نام ہی سہی تھا تو **سیگریگیٹڈ**۔ لڑکے وغیرہ تھے، مگر وہ ذرا دور تھے۔ وہ مکمل طور پہ مکسڈ گیدرنگ نہیں تھی۔

"عبایا کا مقصد زینت چھپانا اور چہرہ چھپانا ہی تھا تو وہ یہ کام اپنے لباس سے بھی کرسکتی تھی، سو اس نے عبایا نہیں لیا، مگر لباس کا انتخاب عبایا کے متبادل اور مترادف کے طور پہ کیا۔

کچے سیب کے رنگ کا سبز پاؤں کو چھوتا فراک، نیچے ٹراؤزر اور کلائی تک آتی آستین۔ یہ ایک مشہور برانڈ کا جوڑا تھا اور اس کے ساتھ نیٹ کا دوپٹا تھا، سو اس نے الگ سے بڑا سا دوپٹا بنوا لیا تھا، کچے سیب کے رنگ کا۔ یوں گلے کا کام دوپٹے میں چھپ گیا۔ چہرے کے گرد بھی دوپٹا یوں لپیٹا کہ وہ پیشانی سے کافی آگے تھا۔ کان بھی چھپ گئے۔ سہولت تھی کہ کسی آدمی کو دیکھتے ہی وہ تھوڑی سے انگلی سے دوپٹا پکڑ کر اوپر لے جاکر نقاب لے سکتی تھی۔ یوں عبایا کے بغیر بھی زینت چھپ گئی، نقاب بھی ہوگیا اور اچھا لباس بھی پہن لیا۔ بیٹھی بھی وہ ذرا کونے کی میز پہ تھی۔

گلابی پھولوں سے آراستہ اسٹیج پہ ارم کامدار گلابی لباس میں گردن اونچی کیے اور نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ ارم کو جانتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ زبردستی بٹھائی گئی ہے۔ اس کی ساس اب اسے انگوٹھی پہنا رہی تھیں۔ مووی میکر مووی بنا رہا تھا۔ پتا نہیں یہاں تایا کے اسلام کو کیا ہوا تھا۔ ویٹرز، مووی میکرز، یہ بھی تو مرد تھے، مگر وہی سوسائٹی کے دہرے معیارات۔

حجاب کپڑے کا ایک ٹکڑا تو نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک مکمل الگ طرز زندگی ہوتا ہے۔ اور یہ طرز زندگی اتنا آسان نہیں تھا۔ اسے جلد ہی اندازہ ہوگیا۔

"تم نے دوپٹا سر پہ کیوں لے رکھا ہے؟"

"گلے کا کام ہی نظر نہیں آرہا۔"

"چہرے سے تو ہٹاؤ۔" مووی میکر ویڈیو بنا رہا تھا، سو وہ چہرے کو ڈھکے، رخ موڑے بیٹھی تھی اور فاطمہ جو

ذرا دیر کو ادھر آئی تھیں، اپنی حیرت ظاہر کرنے میں ساتھی خواتین کے ہمراہ مل گئی تھیں۔

"نہیں ہٹا سکتی لیڈیز! میں اب نقاب کرتی ہوں۔" وہ رسان سے جواب دے رہی تھی مگر پھر.....

"کیوں؟ اور یار! فنکشن پہ تو خیر ہوتی ہے۔"

"خیر؟ مجھ سے پوچھو کہ کتنا بڑا شر ہوتا ہے۔" وہ اب بددل ہورہی تھی۔ حجاب سے نہیں، لوگوں سے۔

"یا اللہ! لوگ خاموش کیوں نہیں رہتے؟ اتنا کیوں سوال کرتے ہیں؟"

سحرش، ثنا اور اسجد کی بہنیں اب ڈانس کی تیاری کر رہی تھیں۔ انہیں کوئی نہیں ٹوک رہا تھا، سلیولیس پہنے پھرتی کسی لڑکی کو کوئی نہیں ٹوک رہا تھا، مگر حجابی لڑکی کے سب پیچھے پڑ گئے تھے۔

"کیا لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے؟"

وہ اپنے آنسو اندر ہی اتارتی رہی۔ لڑکیاں رقص کے لیے پوزیشنز سنبھالے کھڑی تھیں۔ مووی میکر کا کیمرا ریڈی تھا۔ اس نے رخ موڑ لیا۔ دل اندر ہی اندر لرز رہا تھا۔ وہ کسی کو منع نہیں کرسکتی تھی۔ اس کی کوئی نہ سنتا۔

تباہی... تباہی کتنی قریب تھی اور سب بے خبر تھے۔ ہراقلیطس کی دائمی آگ، بھڑکتے الاؤ، دہکتے انگارے انسان بھی خود ہی اپنے لیے کیا کیا کما لیتا ہے؟

اور یادیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔ جب بندہ اندھیرے سے نور میں آتا ہے تو ہر شے سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ اسے یاد آرہا تھا، شریعہ اینڈ لاء کے دوسرے سمسٹر میں اصول الدین ڈپارٹمنٹ کے ہی ایک پروفیسر ڈاکٹر عبدالباری نے یونہی ایک قصہ سنایا تھا۔ اسے وہ قصہ آج پوری جزئیات کے ساتھ یاد آرہا تھا۔

"میری بیٹی کی جب شادی ہونے لگی تو میں نے اسے منع کیا کہ بیٹا مووی اور فوٹو سیشن وغیرہ مت کروانا، مگر وہ مجھ سے بہت خفا ہوئی۔ وہ مجھ سے لڑتی رہی کہ ابا میں نے ہمیشہ پردہ کیا۔ آپ کی ساری باتیں مانیں۔ اب میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی پہ مجھے بددل نہ کریں۔ میں خاموش ہوگیا۔ اصرار نہیں کیا کہ میں زبردستی کا قائل نہیں تھا۔ شادی ہوئی۔ اس کی سسرال نے فوٹو سیشن کا مکمل انتظام کروا رکھا تھا۔ میں چپ رہا۔ شادی کے چوتھے روز میں اپنے کمرے میں آرام کرسی پہ بیٹھا تھا کہ میری بیٹی آئی اور میرے قدموں میں بیٹھ کر چپ چاپ رونے لگی۔ میں نے بہتیرا پوچھا کہ کیا ہوا ہے۔ اس نے کچھ نہیں بتایا۔ بس یہی کہا۔

"ابا! آپ ٹھیک کہتے تھے۔"

میری بیٹی کے آنسو میرے دل پہ اس دن سے گڑ گئے ہیں اور میں یہی سوچتا ہوں کہ پتا نہیں ہم اپنی خوشی کے موقع پہ اللہ کو ناخوش کیوں کردیتے ہیں؟"

جب ڈاکٹر عبدالباری نے وہ قصہ سنایا تھا تو اس نے چند حجابی لڑکیوں کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھے تھے تب کندھے اچکا کر وہ حیران ہو کر سوچتی تھی کہ یہ کیوں رو رہی ہیں؟

اب اسے پتا چلا تھا کہ وہ کیوں رو رہی تھیں۔

فنکشن ختم ہونے تک اس کا دل اچاٹ ہوچکا تھا۔ رات اپنے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے وہ بالیاں اتارنے کے ارادے سے بے دلی سے کھڑی تھی۔ کچے سیب کے رنگ کا دوپٹا کندھے پہ تھا اور بال کھول کر آگے کو ڈال رکھے تھے۔ بہارے بھی اس کی نقل میں گھنگریالی پونی آگے کو ڈال لیتی تھی۔

"پتا نہیں، وہ بہنیں فون کیوں نہیں اٹھاتیں اور میل کا جواب بھی نہیں دیتیں۔ خیر! دو ہفتے ہی تو رہ گئے تھے، جاکر پوچھ لوں گی۔"

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی، پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہاں جہان کھڑا تھا۔ زمرد رنگ کرتا اور سفید شلوار پہنے۔ پتا نہیں کہاں سے کرتا خرید کر لایا تھا، مگر اچھا تھا۔ آستین عادتاً کہنیوں تک موڑے وہ ہاتھوں میں دو مگ لیے کھڑا تھا۔

"کافی پیو گی؟" وہ پھر سے وہی دوستانہ سے انداز والا جہان سکندر بن چکا تھا۔

"میں سونے سے پہلے کافی نہیں پیتی۔" کہہ دینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد اسے لہجے کی سرد مہری کا احساس ہوا تو رکی' پھر زبردستی مسکرائی

"ہاں! لیکن اگر استنبول کے بہترین شیف' مکینک اور کارپینٹر نے بنائی ہے تو ضرور پیوں گی۔"

"تم ایک لفظ کا اضافہ کرتے کرتے رہ گئیں.... کرنل۔" وہ مسکرایا تو حیا کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کیا مجھے اس لفظ کا اضافہ کرنا چاہیے؟"

"ہم اس بارے میں بات کر سکتے ہیں؟"

دو ہفتے بعد اسے بالآخر اس کے متعلق بات کرنے کا خیال آ ہی گیا تھا۔

"ٹھیک ہے! چھت پہ چلتے ہیں۔"

اس نے کانوں سے بالیاں نہیں اتاریں' جن میں موتی پروئے تھے۔ جہان کے موتی۔ وہ سچ نہیں بولتا تھا تو اس کے موتی کیسے نکل آئے؟ وہ ان دو ہفتوں میں یہی سوچتی رہی تھی۔ نامحسوس طور پہ بھی وہ عبدالرحمن پاشا سے متفق تھی کہ وہ "سچے موتی" ہی تھے۔ مگر جہان کو تو یاد بھی نہیں ہو گا کہ یہ وہی موتی ہیں۔

چھت پہ اندھیرا تھا۔ دور نیچے کالونی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ وہ دونوں منڈیر کے ساتھ لگے جھولے پہ آ بیٹھے۔ ہلکا ہلکا ہلتا جھولا ان کے بیٹھنے سے بالکل تھم گیا۔ حیا نے کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔

"ہوں! اچھی بنی ہے۔"

"آخر! استنبول کے بہترین شیف' مکینک اور کارپینٹر نے بنائی ہے۔"

"اوہ! تم نے بھی کرنل کا اضافہ نہیں کیا۔"

"کیونکہ میں کرنل ہوں بھی نہیں۔ کیا تمہیں میرا اعتبار ہے؟"

"ہاں!" اس نے سوچنے کا وقت بھی نہیں لیا۔ سامنے دیوار پہ ابا کے گملوں سے اوپر ان دونوں کے سائے گر رہے تھے۔ پودوں کی ٹہنیوں سے اوپر وہ عجیب سی ہیئت بنا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے! پھر تم مجھے بتاؤ کہ تم اس شخص کو کیسے جانتی ہو' جو اس روز میرے ساتھ تھا؟"

"عبدالرحمن پاشا؟ امت اللہ حبیب پاشا کا بیٹا؟"

اس نے آنے کا پورا نام لیا۔ وہ ذرا چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آ... ہاں... تم کیسے؟"

"لمبی کہانی ہے۔ سنو گے؟" اس نے بے نیازی سے شانوں کو جنبش دے کر پوچھا۔ وہ سامنے دیوار پہ ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے دوسرے سائے کو اثبات میں سر ہلاتے دیکھا تو وہ کہنا شروع ہوئی۔ اپنے سائے کے ہلتے لب دکھائی نہیں دیتے تھے۔ نہ ہی کان میں پڑی بالی کے موتی کی چمک۔ اگر دکھائی دے رہی تھی تو وہ پریشانی' اذیت اور اضطراب جسے وہ پچھلے پانچ ماہ سے اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھی۔ جس کا ایک حصہ اس نے ڈی جے کے ساتھ بانٹا بھی تھا اور اب اس نے پورا ہی بانٹ دیا۔ سہانجی کی طرف سے میل وصول ہونے والی رات جب پہلی دفعہ پھول آئے تھے' سے لے کر اس روز کے واقعے تک' اس نے سب کہہ سنایا۔ وہ بالکل خاموشی سے سنتا رہا۔ اگر بولا تو صرف اس وقت جب اس نے استقلال جدیسی میں پاشا کے چہرے پہ کافی الٹنے کا واقعہ بتایا۔

"اچھا! تم نے پاشا بے کے اوپر کافی الٹ دی؟"

"ہاں! تم اسے پاشا بے کیوں کہتے ہو؟"

"اسے سب پاشا بے کہتے ہیں' مسٹر پاشا۔ شوق ہے خود کو مسٹر کہلوانے کا۔"

کافی کے مگ خالی ہو کر زمین پہ پڑے تھے۔

دیوار پہ سائے ویسے ہی چپکے بیٹھے' ساری داستان سنتے رہے۔ پودے بھی متوجہ تھے۔ جب وہ خاموش ہوئی تو وہ جیسے سوچتے ہوئے بولا۔

"یعنی کہ اس نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں' مجھے بلیک میل کرنے کے لیے' مگر میں صرف ایک بات نہیں سمجھ سکا۔ اتنا سب کچھ ہوا اور تم نے کبھی اپنے پیرنٹس کو نہیں بتایا... کیوں؟ تم نے کسی سے مدد کیوں نہیں لی؟"

"میں کبھی بھی ان کو یہ سب نہیں بتا سکتی جہان! اب تو معاملہ ختم ہو گیا ہے' مگر جب یہ شروع ہوا تھا تو مجھے ترکی جانا تھا۔ اگر میں بتاتی تو وہ مجھ سے فون لے لیتے اور گھر سے نکلنے پہ پابندی لگا دیتے۔ ترکی تو جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی میں جانتی تھی کہ جو میرے گھر کے اندر پھول رکھ کر جا سکتا ہے' میرے فون میں ٹریسر لگوا سکتا ہے' اس کے خلاف ابا بھی کچھ نہیں کر سکتے اور ابا کو بتانے کا مطلب تھا کہ تایا فرقان کو بھی بتا دینا ہے' یعنی پورے خاندان میں تماشا۔ ابا' تایا ابا کو نہ بتائیں' یہ نہیں ہو سکتا اور اتنی بہادر تو میں تھی ہی کہ خود اپنے مسائل حل کر سکتی۔"

"سو تو ہے!" اس نے سر ہلا کر اعتراف کیا۔ "کیا تم واقعی جاننا چاہتی ہو کہ میں پاشا بے کو کیسے جانتا ہوں؟"

"دیکھ لو! تم نہ بھی بتاؤ' میں نے جان تب بھی لینا ہے۔ تمہارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔"

"اللہ' اللہ! یہ اعتماد۔" وہ پہلی دفعہ ہنسا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"اصل میں' میں نے کچھ عرصہ ہوٹل گرینڈ پہ کام کیا ہے۔ اس لیے میں ان سو کالڈ بھائیوں کو قریب سے جانتا ہوں۔ یہ سگے بھائی نہیں ہیں۔ یہ مافیا بھائی ہیں' ایک ہی مافیا فیملی کا حصہ' مگر یہ بات ادالار میں اگر کوئی میرے علاوہ جانتا ہے کہ وہ سگے بھائی نہیں ہیں تو وہ امت اللہ حبیب پاشا ہیں۔ خیر! میرا پاشا بے سے کچھ مسئلہ ہو گیا اور میں استقلال اسٹریٹ پہ آ گیا۔ وہ ریسٹورنٹ اس کا ہی ہے اور وہ عورت' جس کو میں اپنی لینڈ لیڈی بتاتا ہوں' اس کو وہی بھیجتا ہے۔ وہ اس کی ساتھی شیئر ہولڈر ہے۔ وہ مجھے ریسٹورنٹ کی قسطوں کے لیے تنگ نہیں کرتا۔ یہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ سوری! مگر اس نے میرے ذمے ایک کام لگایا تھا' جو میں کر نہیں سکا' جس کی وجہ سے اس روز ہماری تلخ کلامی ہوئی تھی۔"

"کون سا کام؟" وہ چونکی۔

"وہ اپنی فیملی کو بیرون ملک شفٹ کروانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے اس ملک کی جعلی دستاویزات اور نئی شناختیں چاہیے تھیں۔ میں اپنے ایک دوست سے اس کے لیے وہی بنوا رہا تھا... اینڈ تھینکس ٹو یو! میں نے اب وہ بنوا دیے ہیں اور اس کی فیملی ترکی سے جا چکی ہے۔"

"کیا؟" اسے جھٹکا لگا۔ "عائشے اور بہارے چلی گئیں؟"

"ہاں! مزید میں کچھ نہیں جانتا' اس لیے اس موضوع کو ختم کرو۔"

"اور... اور وہ اس کا بھائی؟ وہ کہاں چلا گیا؟"

"میں نہیں جانتا' وہ اب کہاں ہے۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ وہ جیسے اس موضوع سے بچنا چاہتا تھا۔ پھر حیا نے دیکھا' اس کا سایہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پودوں کے اوپر سے ہوتا' پوری دیوار پہ پھیل گیا۔ اس نے سائے میں اس کا چہرہ تلاشنے کی کوشش کی' مگر ناکام رہی۔ کتنا سچ تھا' کتنا جھوٹ' سائے میں سب گڈ مڈ ہو چکا تھا۔

"تم کیا کرتے پھرتے ہو جہان! مجھے یقین ہے کہ تم کرنل نہیں ہو' مگر تم ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھا کرو پلیز۔"

"جو آپ کا حکم!" سایہ مسکرایا تھا۔

وہ بس تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔ اس کی ساری کتھا سن کر بھی وہ اپنی دفعہ پھر بہت کچھ چھپا گیا تھا۔

اور عائشے بہارے' وہ کہاں چلی گئی تھیں؟

وہ دونوں آگے پیچھے زینے اترتے نیچے آ رہے تھے' جب اس نے ابا کو لاؤنج میں کھڑے اپنی جانب متوجہ پایا۔

"جہان!" وہ صرف جہان کی طرف متوجہ تھے۔

"جی ماموں!" وہ پرسکون انداز میں قدم اٹھاتا سیڑھیوں سے نیچے ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"مجھے کچھ پوچھنا ہے تم سے۔" وہ بہت سنجیدہ لگ رہے تھے۔ وہ پہلی سیڑھی پہ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے کھڑی ان کو دیکھنے لگی۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"تم روحیل سے ان ٹچ ہو' یہ میں جانتا ہوں' مگر کیا کوئی ایسی بات ہے' جو تم مجھے بتانا چاہو' جو کہ میں نہیں جانتا؟" جہان نے لمحے بھر کی خاموشی کے بعد نفی میں سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں! میں اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔"
"یعنی کہ کوئی بات ہے؟"
"ماموں! میں دوسروں کے معاملے میں مداخلت کبھی نہیں کرتا' اس لیے خاموش رہوں گا۔ البتہ آپ اپنے طور پہ کسی سے بھی پتا کروا سکتے ہیں۔"
"پتا کروا لیا تھا۔ تم سے تصدیق چاہ رہا تھا' بہرحال مجھے اپنا جواب مل گیا ہے۔ تم آرام کرو۔"
اس کا شانہ تھپتھپا کر وہ آگے بڑھ گئے۔ ان کے چہرے کی سنجیدگی اور اضطراب پہلے سے بڑھ چکا تھا۔ جہان واپس سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا کہ اس کا کمرا اوپر تھا۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔
"کیا ہوا؟"
جواباً" جہان نے ذرا سے شانے اچکائے۔
"تمہیں پتا چل جائے گا۔ اب ذہن پہ زور مت دو' سو جاؤ۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ سایہ غائب ہو گیا' روشنی عیاں تھی۔
وہ ابھی ہوئی واپس کمرے میں آئی تھی۔ جہان کے ساتھ رہنے کا مطلب تھا' انسان بہت سے رازوں کے ساتھ رہے اور پھر صبر سے ان کے کھلنے کا انتظار کرے۔
وہ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر عائشے کو ای میل کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

جہان نے ٹھیک کہا تھا۔ اسے پتا چل جائے گا' مگر حیا کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے اتنی جلدی پتا چل جائے گا۔ اسی رات وہ ابھی کچی نیند میں ہی تھی کہ سین پھپھو نے پریشانی کے عالم میں جھنجھوڑ کر اسے اٹھایا۔
"حیا... جلدی اٹھو۔"
وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔
"تمہارے ابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ چلو! اسپتال چلنا ہے۔"
وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے پھپھو کو دیکھے گئی۔ زندگی ایک دفعہ پھر استقلال اسٹریٹ میں پہنچ گئی تھی۔ اس کے سامنے ڈی جے گری تھی اور کسی کا جو تا اس کی عینک پہ آیا تھا۔ ایک آواز کے ساتھ عینک ٹوٹی تھی۔ وہ آواز جو کانچ ٹوٹنے کی ہوتی ہے۔ وہ آواز جو زندگی کی ڈور ٹوٹنے کی ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

سلیمان صاحب کو شدید قسم کا دل کا دورہ پڑا تھا۔ وہ سی سی یو (کارڈیک کیئر یونٹ) میں تھے اور ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ باقی سب کہاں تھے' اسے کچھ نہیں پتا تھا۔ وہ تو بس دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بنچ پہ بیٹھی' روئے جا رہی تھی۔ کاریڈور میں کون آ جا رہا تھا' اسے ہوش نہ تھا۔ وہ پھر سے ناقسم فرسٹ ایڈ اسپتال کے سرد' موت کے سناٹے جیسے کاریڈور میں پہنچ گئی تھی۔
"وہ اب بہتر ہیں۔ یقین کرو! وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" جہان اس کے ساتھ بنچ پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ رات سے وہی تھا جو ساری بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ تایا وغیرہ تو صبح آئے تھے اور اب تک پورے خاندان کو وہ وجہ بھی پتا چل چکی تھی جو ابا کی بیماری کا باعث بنی تھی۔
روحیل نے شادی کر لی تھی۔
ٹھیک ہے! بہت سے لڑکے امریکا میں شادی کر لیتے ہیں۔ سب کے والدین کو ہارٹ اٹیک نہیں ہوتا' مگر روحیل نے دو سال سے شادی کر رکھی تھی.... اور سب سے بڑھ کر اس نے ایک نیپالی بدھسٹ سے شادی کی تھی۔ ابا قدرے روشن خیال تھے' مگر اپنی اقدار اور مذہبی حدود کا پاس انہیں بہت تھا۔ روحیل کے حوالے سے انہوں نے بہت خواب دیکھے تھے۔ بہت مان تھا ان کو اس پہ۔ وہ ایک دفعہ کہتا تو سہی' مگر اس نے خود ہی سارے فیصلے کر لیے۔ شاید وہ جانتا تھا کہ کہنے کا فائدہ نہیں ہے' کیونکہ وہ لڑکی بدھ مت کی پیروکار تھی۔ مسلمان تو چھوڑ' وہ تو اہل کتاب بھی نہ تھی کہ ایسی شادی جائز ہوتی۔ وہ مسلمان ہونے کو تیار

نہ تھی اور روحیل اس کو چھوڑنے پہ راضی نہ تھا۔ اپنی حدود کا مذاق بنانے پہ ابا کا دکھ الگ۔ جہان سے تصدیق کر لینے کے بعد انہوں نے روحیل کو فون کر کے جب بازپرس کی تو پھر تلخ کلامی سے ہوتی ہوئی بات باپ بیٹے کے ایک سنگین جھگڑے تک پہنچ گئی۔ ابا نے غصے میں اسے سخت برا بھلا کہا اور پھر ہر تعلق توڑ دیا' مگر فون کال کی ڈور ٹوٹنے سے قبل ہی وہ ڈھے گئے تھے۔ پھپھو اور فاطمہ اس سارے معاملے کی گواہ تھیں۔ معلوم نہیں وہ کیوں سوتی رہ گئی۔
"جب میں روحیل کے پاس رات رہا تھا' تب اس لڑکی نے مجھے ٹریٹمنٹ دی تھی۔ انہوں نے کچھ نہیں بتایا' مگر میں جان گیا تھا کہ ان کے درمیان کیا ہے۔ اس کے کوئی سال ڈیڑھ بعد انہوں نے شادی کی تھی۔ یہ مجھے بعد میں امریکا میں مقیم ایک دوست نے بتایا۔ کتنی دیر ایسی باتیں چھپتی ہیں۔ ماموں کو بھی کسی عزیز سے خبر مل ہی گئی۔"
وہ نم آنکھوں سے سر ہاتھوں میں دیے سنتی رہی۔ اسے روحیل یا اس کی بیوی میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے صرف ابا کی فکر تھی۔ ڈھائی ماہ قبل کا واقعہ پھر دہرایا جانے لگا تھا کیا؟ وہ پھر علامتی خوشبو میں ایک محبت کو کھونے لگی تھی کیا؟
جب بمشکل انہیں ابا سے ملنے کی اجازت ملی' تب وہ غنودگی میں تھے اور وہ ان کے قریب بیٹھی اندر ہی اندر رو رہی تھی۔ آنکھیں خشک ہو چکی تھیں' مگر ہر آنسو آنکھ سے تو نہیں گرتا نا۔ شاید اگر ابا کے دوست ذیشان انکل ملنے نہ آئے ہوتے تو وہ آنکھوں سے بھی رونے لگ جاتی' مگر ان سب کے سامنے خود کو مضبوط ظاہر کرنا تھا۔ فاطمہ نڈھال تھیں' مگر سین پھپھو بہت ہمت سے کام لے رہی تھیں۔
"سلیمان بہت مضبوط ہے بیٹا! فکر نہ کرو' وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"
ذیشان انکل کو چھوڑنے وہ فاطمہ کے ساتھ باہر تک آئی تو وہ تسلی دینے لگے۔
وہ ابا کے سب سے اچھے دوست تھے۔ وہ ان کو زیادہ نہیں جانتی تھی' مگر فاطمہ واقف تھیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیٹی بھی تھی' پندرہ سولہ سالہ رجا جو قد اور ذہنی طور پہ اپنی عمر سے پیچھے تھی۔ قدرے اینارمل بچی جو گھنگھریالے بالوں والا سر جھکائے مسلسل اخبار پہ قلم سے کچھ لکھتی رہی تھی۔
"رجا بہت ذہین ہے۔" اس کی نگاہوں کو اپنی بیٹی پہ پا کر ذیشان انکل مسکرا کر بتانے لگے۔ "اسے ورڈ پزل اور کراس ورڈز کھیلنے کا بہت شوق ہے۔ پورا چارٹ حل کرنے میں کئی دن لگاتی ہے' مگر کر لیتی ہے۔"
وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سنتی رہی۔ وہ اپنی بیٹی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے' چاہے گھر ہو یا آفس محبت تھی یا فکر یا پھر دونوں۔
ان کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے گھر آئی تھی۔ گھر پہ وحشت اور ویرانی چھائی تھی۔ جیسے سب کچھ تھم گیا ہو۔ وہ ابھی عبایا اتار ہی رہی تھی کہ فون بجنے لگا۔ پرائیویٹ نمبر کالنگ۔
اس روز کے بعد میجر احمد نے آج کال کی تھی' مگر اس نے کال کاٹ دی۔ وہ بار بار فون کرنے لگا' مگر حیا نے فون بند کر دیا۔ وہ اس آدمی سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ ضرورت ہی نہیں تھی۔
ابا ابھی اسپتال میں تھے۔ آج سین پھپھو اور فاطمہ ان کے پاس تھیں' سودہ اور جہان گھر پہ تھے۔ وہ شام کا وقت تھا' مگر روشنی باقی تھی۔ حیا چھت پر منڈیر کے ساتھ لگے جھولے پہ بیٹھی ابا کے گملوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج ان پہ سائے نہیں گر رہے تھے' مگر وہ پھر بھی مرجھائے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کا اس گھر میں خیال رکھنے والا جو تھا' وہ اب خیال رکھنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ اس نے بہت سے آنسو اپنے اندر اتارے۔ ابا کے پودے اکیلے ہو گئے تھے۔
"کیسی ہو؟" جہان ہولے سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھا۔
"تمہارے سامنے ہوں۔ تم نے کھانا کھا لیا؟"
"ہاں! نور بانو میرا کھانا لے آئی تھی.... اور تم نے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"موڈ نہیں ہے۔" وہ ابھی تک گملوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اسے سرزنش کرنے ہی لگا' مگر رک گیا۔ منڈیر کے سوراخ سے اسے جیسے کچھ نظر آیا تھا۔

"سنو! یہ آدمی کون ہے؟"

"کون؟" حیا نے ذرا چونک کر گردن پھیری۔ منڈیر کے سوراخ سے نیچے تایا کے لان کا منظر واضح تھا۔ وہ اپنے ڈرائیوے پہ کھڑے ایک صاحب کے ساتھ باتیں کر رہے تھے' جو سیاہ سوٹ میں ملبوس' بریف کیس ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ وہ انہیں نہیں پہچانتی تھی۔

"پتا نہیں۔" اس نے لاتعلق سے شانے اچکائے۔

"میرا خیال ہے' وکیل ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟ اس کے سوٹ کا رنگ تو سمپل بلیک ہے' لائرز والا تو نہیں ہے۔"

"مگر ٹائی دیکھو! جیٹ بلیک ہے۔ وکیل کی مخصوص ٹائی۔" وہ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے ان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اور میرا خیال ہے وہ ابھی ادھر آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" حیا نے ذرا حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ اپنے ڈرائیوے پہ کھڑے ہیں' تمہیں کیسے پتا کہ ان کا کیا ارادہ ہے؟"

"غور سے دیکھو! فرقان ماموں کے جوتوں کا رخ کس طرف ہے؟"

حیا نے گردن ذرا اونچی کر کے دیکھا۔ تایا ابا کے جوتوں کا رخ نامحسوس سے انداز میں ان کے گھروں کے درمیانی دروازے کی طرف تھا۔

"انسان جدھر جانے کا ارادہ رکھتا ہے' اس کے پاؤں خود بخود ادھر ہی مڑ جاتے ہیں' چاہے وہ ساکن کھڑا یا بیٹھا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر دوران گفتگو تمہارے مخاطب کے جوتے تمہاری مخالف سمت ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ بور ہو رہا ہے تم سے۔"

حیا نے بے اختیار جہان کے جوتوں کو دیکھا اس کے سیاہ نسے والے بوٹ سیڑھیوں کے دروازے کی سمت تھے۔

"اس فائل میں کیا ہو سکتا ہے؟" اب وہ ذرا الجھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حیا نے گردن پھر سے منڈیر کی جانب موڑی۔ نیچے وکیل صاحب اپنے بریف کیس سے ایک فائل نکال کر تایا ابا کو دکھا رہے تھے۔

"سلیمان ماموں کمپنی کے ایم ڈی ہیں نا؟"

"ہاں..... اور باقی لوگ شیئر ہولڈرز ہیں۔"

"ہوں! اس کا مطلب ہے کہ ماموں کی بیماری کے باعث کچھ کام رک گئے ہوں گے' سو باقی شیئر ہولڈرز ان سے کچھ دستخط کروانا چاہتے ہوں گے۔ ماموں کا پاور آف اٹارنی کس کے پاس ہے۔"

"میرے پاس!" وہ بے اختیار بولی۔ جہان ذرا سا چونکا۔

"اصل میں بہت پہلے ابا نے مجھے اپنا اٹارنی ان فیکٹ بنایا تھا اور وہ صرف اس صورت میں' جب وہ خدانخواستہ کام کرنے کے اہل نہ رہیں۔"

"یعنی کہ میں اس وقت اصغر اینڈ سنز کی ایم ڈی سے مخاطب ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"ارے نہیں! میں تو بس اٹارنی ان فیکٹ ہوں۔ ابا ٹھیک ہو جائیں گے تو خود سنبھال لیں گے۔ سب کچھ۔"

"اور جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوتے؟"

"تب تک تایا فرقان سنبھال لیں گے۔" اس نے کہنے کے ساتھ نیچے دیکھا۔ تایا فرقان اب سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے فائل کے صفحے پلٹ رہے تھے۔

"اس کے لیے انہیں سلیمان ماموں کا پاور آف اٹارنی چاہیے ہو گا..... اور شاید وہ ان سے اسی پہ دستخط کروانا چاہتے ہوں گے۔"

"جہان! ہو سکتا ہے' یہ ان کا کوئی دوست ہو اور تمہارے سارے اندازے غلط ہوں۔"

"اور اگر میرے اندازے درست ہوئے تب؟ تم

انہیں پاور آف اٹارنی لینے دو گی؟"

"ہاں! کیوں نہیں؟ تایا فرقان' ابا کے بھائی ہیں آخر!" جہان نے جیسے افسوس سے اسے دیکھا۔

"مادام! ایک بات کہوں؟ جب باپ کسی قابل نہیں رہتا تو اولاد کے لیے زندگی بدل جاتی ہے۔ یہ جو آج تمہارے ساتھ ہیں نا' ایک دفعہ کاروبار تمہارے ہاتھ سے گیا تو تمہیں کنارے سے لگا دیں گے۔"

"ہر کسی پہ شک مت کیا کرو جہان!" وہ بے زار ہوئی۔

"یہ فرقان ماموں ہی ہیں نا' جن کی ہم بات کر رہے ہیں؟ آنکھیں کھولو اپنی' تم انہیں اپنے باپ کی کرسی نہیں دے سکتیں حیا! اور دیکھو! وہ ادھر ہی آ رہے ہیں۔"

وہ بے اختیار چونکی۔ وہ دونوں حضرات واقعی تیز قدموں سے درمیانی دیوار کے منقش لکڑی کے دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ ذرا سیدھی ہوئی۔ جہان کے لبوں پہ ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"مگر جہان..... ابا کی غیر موجودگی میں ان کے علاوہ کون سنبھال سکتا ہے کاروبار؟ مجھے تو بزنس ایڈمنسٹریشن کا کچھ نہیں پتا۔" وہ مضطرب سی کھڑی ہو گئی۔

تایا ابا نے گھنٹی بجائی۔ نور بانو کچن سے نکل کر دروازہ کھولنے بھاگی۔

"پتا ہو یا نہ پتا ہو' تم انہیں اپنی کرسی نہیں لینے دو گی اپنی جگہ کبھی نہیں چھوڑتے۔ ہوٹل گرینڈ کی مثال یاد رکھو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جھولا دھیرے دھیرے ہلنے لگا۔

"اب چلو! وہ اندر آ رہے ہیں۔"

وہ ابھی الجھی سی جہان کے ساتھ سیڑھیاں اترتی نیچے آئی۔ تایا ابا وکیل صاحب کو باہر چھوڑ کر خود لاؤنج میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں فائل تھی' مگر حیا کو تب بھی لگ رہا تھا کہ جہان کے اندازے غلط ہیں۔

Art With You
Paint with Water Color & Oil Colour
First Time in Pakistan
a Complete Set of
5 Painting Books
in English

Water Colour I & II
Oil Colour
Pastel Colour
Pencil Colour
آپ آرٹ کے طالب علم ہیں یا پروفیشنل آرٹسٹ
برش پکڑنے سے، مکمل پینٹنگ تک آپ بن سکتے
ہیں ایک مکمل آرٹسٹ
اب پینٹنگ سیکھنا بہت آسان ایک ایسی کتاب
جس میں پینٹنگ سے متعلق ساری معلومات

Art With You
شائع ہو گئی ہے
قیمت -/350 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حیا....!" تایا نے عجلت بھرے انداز میں اسے پکارا۔ "تمہارے ابا اس کنڈیشن میں سائن کر سکتے ہیں؟"

وہ آخری سیڑھی پہ ٹھہر سی گئی۔ حالات اتنے حساس ہو چکے تھے کہ معمولی سی بات بھی بہت زور سے لگتی تھی۔ اب بھی لگی۔ انہوں نے ابا کا حال پوچھنے کے بجائے صرف دستخط کا پوچھا۔

"آپ کو کیا سائن کروانا ہے؟" سپاٹ سے انداز میں پوچھتی، وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جہاں بہت سکون سے آخری سیڑھی پہ بیٹھ گیا تھا اور اب گویا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے کام کی چیز نہیں ہے..... اور وہ سائن کر سکتے ہیں یا نہیں؟" تایا ابا کو اس کا سوال کرنا سخت ناگوار گزرا تھا۔ جہان ہلکا سا مسکرایا، مگر حیا تایا ابا کی طرف متوجہ تھی۔

"وہ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر نے ان سے زیادہ بات چیت سے منع کیا ہے۔" وہ دانستہ لمحے بھر کو رکی۔ "آپ مجھے بتا دیں تایا ابا! شاید میں آپ کی مدد کر سکوں۔ آخر میں ابا کی اٹارنی ان فیکٹ ہوں۔"

تایا فرقان کو جیسے جھٹکا لگا۔ وہ حیرت بھری الجھن سے اسے دیکھنے لگے۔

"تم؟ سلیمان نے تمہیں کب اٹارنی ان فیکٹ بنایا؟"

"بہت پہلے ابا نے اپنا ڈیوریبل (durable) پاور آف اٹارنی مجھے دیا تھا اور اس کے مطابق میں ابا کی جگہ کام کر سکتی ہوں۔" پر اعتماد وہ ہمیشہ سے تھی اور اب بھی تایا فرقان کی بارعب شخصیت کے سامنے کھڑی بہت اطمینان سے انہیں بتا رہی تھی۔ خلاف توقع وہ ایک دم غصے میں آ گئے۔

"دماغ خراب ہے سلیمان کا۔ وہ اس طرح کیسے کر سکتا ہے؟"

"اب تو وہ کر چکے ہیں۔ آخر! میں ان کی بیٹی ہوں۔ انہیں مجھ پہ بھروسا ہے۔"

"کیا مذاق ہے یہ؟" وہ جیسے جھنجلائے تھے۔ "اب سارا کام کیسے چلے گا؟ کیا میں ذرا ذرا سی بات کے لیے تمہارے پاس ادھر آتا رہوں گا؟"

"اوہ! نہیں تایا ابا! میں آپ سب کو اپنی وجہ سے زحمت نہیں دوں گی۔ کسی کو ادھر نہیں آنا پڑے گا۔ میں کل سے خود ہی آفس آ جاؤں گی۔"

"انٹرسٹنگ!" آخری زینے پہ مطمئن سے بیٹھے تماشائی نے دلچسپی سے انہیں دیکھا جو آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تم..... تم آفس آؤ گی؟ تمہیں کیا پتا بزنس ایڈمنسٹریشن کا؟" دبے دبے غصے سے انہوں نے ہاتھ سے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"کیا فرق پڑتا ہے تایا ابا! داور بھائی جب پولیٹکل سائنس میں کمپیل ایم اے کر کے آج بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل ہو سکتے ہیں تو پھر چند دن کے لیے ابا کی کرسی میں بھی سنبھال سکتی ہوں۔"

وہ لب بھینچ کر بمشکل ضبط کر کے رہ گئے۔

"ہمارے خاندان کی بچی اب آفس آئے گی، لوگ کیا کہیں گے آخر؟" وہ ذرا سے دھیمے پڑے۔

"جب وہ اپنے تایا، چچا اور تایا زاد بھائی کے ہمراہ آفس آئے گی تو لوگ کچھ نہیں کہیں گے۔" وہ پہلی دفعہ ذرا سی مسکرائی۔

"عجیب رواج چل نکلے ہیں۔" تایا ابا ماتھے پہ بل لیے پلٹ گئے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔ اپنے پیچھے دروازہ انہوں نے زوردار آواز سے بند کیا تھا۔

"کیا بات ہے!" وہ مسکرا کر ستائشی انداز سے کہتا سیڑھی سے اٹھا۔

"تایا ابا نے مجھ سے کبھی ایسے بات نہیں کی۔" وہ ابھی تک ملال سے دروازے کو دیکھ رہی تھی، جہاں سے وہ گئے تھے۔

"آہستہ آہستہ وہ اس سے بھی زیادہ تحقیر سے بات کرنے لگیں گے۔ بس! دیکھتی جاؤ۔"

"مگر وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ میں کیسے ابا کی سیٹ پہ بیٹھ سکتی ہوں؟ مجھے واقعی ان کے کاروبار کا کچھ پتا۔ اب پہلی دفعہ اسے فکر ستانے لگی۔ تایا کے سامنے جو بڑے بڑے دعوے کیے تھے، ان کو ثابت کرنے کے لیے وہ کیا کرے گی؟ ایک دم سے بہت سا بوجھ اس کے کندھوں پہ آ گرا تھا۔

"حیا! جب تم نے اس رات مجھے وہ ساری باتیں بتائی تھیں، تو میں نے تمہارے بارے میں دو آراء قائم کی تھیں۔ پہلی یہ کہ جو لڑکی کسی کی مدد لیے بغیر اتنا کچھ خود ہی تنہا سہتی ہے، وہ بہت مضبوط لڑکی ہوتی ہے۔ شاید چند ماہ قبل تم اتنی مضبوط نہ ہو، مگر اب ہو گئی ہو۔"

وہ نرمی سے کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ ابھی تک دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

"اور دوسری یہ کہ تم نے اس آفیسر کا پزل حل کر لیا جس سے مجھے لگا کہ تم ایک سمجھ دار اور ذہین لڑکی ہو، جو معمولی سی باتوں سے بھی اپنے مسائل کے حل ڈھونڈ لیتی ہو۔ یقین کرو! بزنس سنبھالنے کے لیے کسی ڈگری سے زیادہ کامن سینس، مضبوط اعصاب اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ سب تمہارے پاس ہے، پھر فکر کیسی؟"

اس نے دروازے سے نگاہیں ہٹا کر جہان کو دیکھا۔

"کیا تم میری مدد کرو گے؟" بہت پر امید انداز میں اس نے پوچھا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔ جو کرنا ہے، اکیلے کرو اور خود کرو کیونکہ تم کر سکتی ہو۔" ایک لاتعلق سا تبصرہ کر کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے تلملا کر اسے جاتے دیکھا۔ آخر! اس نے مدد مانگی ہی کیوں اس آدمی سے؟ سوچا بھی کیسے کہ وہ اس کی مدد کرے گا؟ وہ تو جہان تھا، وہ تو ہمیشہ سے اسے تنہا چھوڑ کر چلے جانے کا عادی تھا۔

اب وہ کیا کرے گی؟ سر ہاتھوں میں تھامے وہ صوفے پہ گر سی گئی۔ اس کی انا کا سوال تھا۔ تایا کے سامنے اتنے دعوے کر کے وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ پیچھے ہٹنے کا راستہ اب بند تھا۔ اسے کل سے واقعی آفس جانا پڑے گا، وہ جانتی تھی۔

"چند دن کی ہی تو بات ہے۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

☆ ☆ ☆

رات وہ ابا سے ملنے گئی۔ جب فاطمہ قریب نہیں تھیں تو ان کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے انہیں اس نے اپنے فیصلے کا بتایا۔ ساری بات سن کر وہ نحیف سے انداز میں ہلکا سا مسکرائے۔

"باقر صاحب سے مل لینا، وہ تمہیں کام سمجھا دیں گے۔" بہت دھیمی آواز میں وہ بس اتنا سا کہہ پائے تھے۔ "اور ذیشان میرا دوست ہے۔ کوئی مدد چاہیے ہو تو اسے کہہ دینا۔"

پھر انہوں نے آنکھیں موند لیں۔ بیماری واحد شے نہیں ہوتی جو انسان کو ڈھا سکتی ہے۔ دکھ زیادہ زور آور ہوتے ہیں۔ وہ بھی ٹوٹ چکے تھے۔ اسے روحیل پہ پہلے سے بھی زیادہ غصہ آیا۔

فاطمہ سے سامنا ہوا تو بس سرسری سا بتایا۔

"کل میں ابا کے آفس جاؤں گی۔" انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

"ابا نے کہا تھا۔ اچھا! آپ یہ کاروباری باتیں ان سے مت کیجیے گا۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔"

وہ نگاہ بچا کر پاس سے نکل گئی۔ وہ فاطمہ کو جانتی تھی اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے فیصلے پہ بہت خوش نہیں ہوں گی اور خوش تو شاید وہ خود بھی نہیں تھی۔ وہ خود بھی ایسا نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو جہان تھا، جس نے اسے پھنسوایا تھا اور پھر خود پیچھے ہٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سلیمان صاحب کا آفس نہایت پر تعیش انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ گرے اور گہرے نیلے کی تھیم کے ساتھ چمکتے ٹائلز، قیمتی پردے، شاہانہ سا فریچر اور اس اونچی، سیاہ گھومنے والی کرسی کی تو شان ہی الگ تھی، جس پر وہ اس وقت بیٹھی تھی۔

اپنے سلک کے سیاہ عبایا میں ملبوس، دونوں کہنیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرسی کے ہتھے پہ جمائے' انگلیوں سے دوسرے ہاتھ میں موجود پلاٹینم گھماتے ہوئے' ٹیک لگا کر بیٹھی' وہ سنجیدگی سے سرہلاتی باقر صاحب کی بریفنگ سن رہی تھی۔ نفاست سے کیے گئے نقاب میں سے جھلکتی آنکھیں متوجہ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔ وہ ادھیڑ عمر اور شریف النفس سے انسان لگتے تھے اور اب پوری جانفشانی سے اسے ابا کی کنسٹرکشن کمپنی کے بارے میں آگاہی دے رہے تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز' شیئر ہولڈرز' کمپنی کے زیر تعمیر پروجیکٹس' ٹینڈرز' وہ سن سب رہی تھی' مگر بعض اصطلاحات بہت مشکل تھیں۔ اسے سب سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ رہ رہ کر اسے کاروباری معاملات میں اپنی کم علمی کا افسوس ہو رہا تھا۔ وہ خود کو سمجھا رہی تھی کہ یہ افسوس بھی کم علمی کا ہے' نہ کہ تایا کو یوں چیلنج کرنے کا' مگر شاید آخر الذکر پہ اسے زیادہ افسوس تھا۔

"کمپنی میں چالیس فیصد شیئرز آپ کے والد کے ہیں میم! بیس فیصد فرقان صاحب کے' بیس فیصد زاہد صاحب کے اور دس فیصد میٹھی صاحب کے ہیں۔"

"اور آخری دس فیصد؟" پہلی دفعہ اس نے زبان کھولی اور ساتھ ہی آفس کا دروازہ کھلا۔ حیا نے چونک کر دیکھا اور پھر ناگواری کی ایک لہر نے اسے سر سے پاؤں تک گھیر لیا۔ اگر اسے تھوڑا سا بھی خیال آتا کہ آخری دس فیصد شیئرز ہولڈر ولید لغاری ہو سکتا ہے تو وہ کبھی آفس نہ آتی۔

"اوہ! آپ..... آفس آئی ہیں؟" وہ "آپ" پہ زور دیتا' طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بہت اعتماد سے چلتا اندر آیا۔ باقر صاحب کے چہرے پہ ناگواری ابھری' مگر وہ خاموش رہے۔

"تو سلیمان انکل کی سیٹ آپ سنبھال لیں گی؟" اس کے سامنے کرسی کھینچ کر وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ "کیا بزنس ایڈمنسٹریشن میں ڈگری آپ نے ترکی سے لی ہے؟ مگر ابا کو تو آپ نے بتایا تھا کہ آپ ایل ایل بی کر رہی ہیں؟"

تمسخرانہ انداز میں کہتا وہ واضح طور پہ اس رات کا حوالہ دے رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ پہلی دفعہ نقاب میں دیکھ کر اگر وہ فوراً" اسے پہچان گیا تھا تو وجہ یہی تھی کہ اس نے باہر اسٹاف سے اس کی آمد کے بارے میں سنا تھا' تب ہی وہ اتنے ہی اعتماد سے بے دھڑک اس آفس میں داخل ہوا تھا' جس سے وہ غالباً" ہمیشہ ہوتا تھا۔

"تو میڈم ایم ڈی! کیا ارادے ہیں آپ کے؟ کیا اب اس آفس میں طالبانائزیشن رائج ہو جائے گی؟"

وہ جو خاموشی سے لب بھینچے اس کی بات سن رہی تھی' اس نے دائیں ابرو سوالیہ اٹھائی۔ سیاہ نقاب سے جھلکتی آنکھوں کی سختی واضح تھی۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ آپ کی تعریف؟"

باقر صاحب! یہ صاحب کون ہیں؟"

"میم! یہ لغاری صاحب کے....."

"پہچان تو خیر آپ گئی ہیں۔ مجھے نہیں لگتا' آپ کبھی بھول پائیں گی۔ ولید لغاری کہتے ہیں مجھے اور ....."

"ولید صاحب! میری ایک بات کا جواب دیں۔" متوازن لہجے میں بات کاٹتے ہوئے وہ آگے کو ہوئی اور ایک دوسرے میں پھنسے ہاتھ میز پہ رکھے۔ وہ جو استہزائیہ انداز سے بولے جا رہا تھا' رک گیا۔

"ولید صاحب! کیا میں نے آپ کو اپنے آفس میں بلایا تھا؟" ولید نے ہنس کر سر جھٹکا۔

"میڈم حیا! بلکہ مسز حیا! اب جب آپ کو ادھر کام ....."

"ولید صاحب! کیا میں نے آپ کو بلایا تھا؟" وہ پہلے سے بلند اور درشت آواز میں بولی۔ ولید کی بھنویں سکڑیں۔

"سلیمان انکل کے آفس میں آنے کے لیے مجھے اجازت....."

"ولید صاحب! کیا میں نے آپ کو بلایا تھا؟"

وہ بے حد اونچی آواز میں کہتی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ باقر صاحب بھی احتراماً" ساتھ ہی اٹھے۔ تابعداری کا ثبوت۔ وفاداری کا احساس۔ ولید کی پیشانی کے بل گہرے ہو گئے۔ وہ تیزی سے اٹھا۔

"سلیمان انکل میرے ساتھ یہ سلوک کبھی برداشت نہ کرتے۔"

"میں آپ کے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کر سکتی ہوں۔ باقر صاحب! ان صاحب کو باہر جانا ہے۔ پلیز! دروازہ کھول دیں۔"

باقر صاحب نے ذرا تذبذب سے اسے دیکھا' پھر پلٹنے ہی لگے تھے کہ ولید نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔

"میں دیکھتا ہوں' آپ اس آفس میں کتنے دن رہتی ہیں۔" ایک خشمگیں نگاہ باقر صاحب پہ ڈالتا وہ تیزی سے پلٹا۔

حیا نے کرسی پہ واپس بیٹھتے ہوئے انٹر کام کا ریسیور اٹھایا۔

"ورخشاں! اگر یہ آدمی مجھے دوبارہ بلا اجازت اپنے آفس میں داخل ہوتا نظر آیا تو آپ کی چھٹی۔ سن لیا آپ نے!" اور سنایا تو اس نے ولید کو تھا' جو اس کی بات ختم کرنے کے بعد ہی باہر نکلا تھا۔

"جی..... جی میم!" ابا کی سیکریٹری بوکھلا گئی تھی۔

"بیٹھیے!" ریسیور واپس رکھتے ہوئے اس نے باقر صاحب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"باقی دس فیصد شیئرز ان کے پاس ہیں میم!" باقر صاحب نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔ تب تک وہ چند گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کر چکی تھی۔

"پہلے عمیر لغاری آفس آیا کرتے تھے' مگر گزشتہ ایک ماہ سے وہ علاج کے سلسلے میں بیرون ملک ہیں۔"

چند مزید تفصیلات کے بعد وہ اسے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی آج متوقع میٹنگ کے بارے میں بتانے لگے۔

"میم! ایک ٹریڈ سینٹر کا پروجیکٹ ہے۔ ہمیں وہ حاصل کرنا ہے اور....."

"یعنی کہ ٹینڈر کی نیلامی ہے اور ہمیں نیلامی جیتنی ہے؟" اس نے دبے دبے جوش سے ان کی بات کاٹی۔

گزرتے گزرتے کبھی کوئی سوپ سیریل دیکھتی تھی تو اس میں عموماً" ٹینڈرز کی نیلامی ہو رہی ہوتی اور مخالف کمپنیاں بولی لگا رہی ہوتیں۔ سو کم از کم کچھ تو پتا تھا' اسے کنسٹرکشن کمپنی کے متعلق۔

باقر صاحب لمحے بھر کو خاموش ہوئے' پھر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میم! ٹینڈر کی نیلامی کا معاملہ نہیں ہے۔"

"اچھا!" اس نے خفت چھپاتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اب وہ درمیان میں نہیں بولے گی۔ خاموش رہ کر بس سنے گی۔

"اصل میں ایک گروپ ٹریڈ سینٹر بنانا چاہ رہا ہے۔ وہ اس کے لیے مختلف کمپنیوں کے آئیڈیاز دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون ان کی زمین کو بہترین طور پہ استعمال کر کے ٹریڈ سینٹر بنا سکتا ہے۔ اگر ہمارا آئیڈیا اپروو ہو گیا تو پروجیکٹ ہمیں مل جائے گا۔ میں ہیڈ آرکیٹیکٹ کو بھیجتا ہوں۔ وہ آپ کو مزید بریف کر دیں گے۔" باقر صاحب مودب انداز میں اٹھتے ہوئے بولے۔

ہیڈ آرکیٹیکٹ رضوان بیگ صاحب درمیانی عمر کے تجربہ کار انسان تھے' مگر ان کا انداز یوں تھا گویا ان کے سامنے کوئی ان پڑھ لڑکی بیٹھی ہو' جس کو بریف کرنا وہ اپنی شان میں توہین سمجھتے ہوں۔ جان بوجھ کر مشکل اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے وہ بہت لاپروائی سے اس کو اپنا کام دکھا رہے تھے۔

"یہ ٹریڈ سینٹر ہے' یہ پارکنگ لاٹ ہے' یہاں ہم یوں کریں گے' یہاں یوں....." حیا اسی انداز میں کمر سیٹ سے ٹکائے' ہتھیلیاں ملائے بیٹھی' بہت تحمل سے ان کی بات سن رہی تھی۔

"اب آپ کو تو اتنا پتا نہیں ہو گا میم! بہرحال یہ اتنا شان دار پروجیکٹ پلان ہے کہ عمارت دیکھتے ہی گاہک فوراً" سے کار ادھر پارک کرے گا اور شاپنگ شروع کر دے گا۔"

"خیر! میں تو اس موت کے کنویں میں کبھی کار پارک نہ کروں۔ کار کو کچھ ہو گیا تو روحیل کبھی نہیں چھوڑے گا کہ وہ اس کی کار تھی' مگر اب تو روحیل نے بہت کچھ چھوڑ دیا..... اور کار تو جہان کے پاس تھی۔ پتا نہیں' وہ اس وقت کیا کر رہا ہو گا..... اف حیا کام پہ توجہ دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ سر جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ڈیزائن کی اسے واقعی کچھ سمجھ نہیں تھی، لیکن اگر وہ اتنے قابل آرکیٹیکٹ اس کی اتنی تعریف کر رہے تھے تو یقیناً" وہ بہت اچھا ہو گا' وہ قائل ہو گئی تھی۔

بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ اس کی توقع سے زیادہ بری رہی۔ جب وہ کانفرنس روم میں داخل ہوئی تو لمبی کانفرنس ٹیبل کے دونوں اطراف کرسیوں کی قطاروں پہ سوٹڈ بوٹڈ افراد منتظر سے بیٹھے تھے۔ سربراہی کرسی خالی تھی۔ وہ فائل سنبھالے' تیز تیز قدموں سے چلتی کرسی تک آئی۔ کوئی اس کے لیے کھڑا نہیں ہوا۔ اس نے میز پر پرس رکھا اور کرسی سنبھالتے ہوئے فائل کھولی۔ پھر گردن اٹھا کر دیکھا تو سب مرد حضرات اسی کی طرف متوجہ تھے۔ تایا فرقان' زاہد چچا' داور بھائی' ولید' چند غیر شناسا چہرے۔ لمحے بھر کو اس کا اعتماد ڈانواں ڈول ہوا۔

"جو لڑکی اتنا کچھ تنہا سہتی ہے۔ وہ بہت مضبوط لڑکی ہوتی ہے۔" اس نے فوراً" سے خود کو سنبھال لیا۔

تمہید کے بعد وہ اپنے ازلی پر اعتماد اور دو ٹوک میں انداز میں کہنے لگی۔

"سلیمان اصغر کی اٹارنی ان فیکٹ ہونے کے ناتے ان کی صحت یابی تک میں ان کی سیٹ سنبھالوں گی۔ مجھے امید ہے کہ کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔"

"اعتراض تو خیر ہے' مگر کیا کیا جا سکتا ہے؟" تایا فرقان نے ناگواری چھپانے کی کوشش کیے بغیر ہاتھ جھلا کر کہا۔ اس نے گردن موڑ کر بہت سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"جی سر!" میں جانتی ہوں کہ بہت سے لوگوں کو اعتراض ہو گا' مگر چونکہ آپ میرے ساتھ ہیں' اس لیے مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔ اب کام کی بات پہ آتے ہیں۔"

ان کو کچھ اس طرح سے گھیرا کر کہ نہ وہ ہاں کر سکے نہ ہی نہ۔ وہ میٹنگ کے مقاصد کی طرف آ گئی۔ اس کی غلط فہمی تھی کہ ولید دوبارہ اس کے راستے میں نہیں آئے گا۔ ولید سمیت قریباً" سب ہی' حتیٰ کہ داور بھائی بھی تمام عرصے میں اس سے بات بہ بات سوال کرتے رہے۔ جان بوجھ کر کنفیوژ کرنے والے سوال اور پھر اس کی توجیہہ پہ استہزائیہ انداز میں سر جھٹک دیا جاتا۔ غصہ اسے آیا' مگر اسے عائشے گل کی اچھی لڑکی کی طرح تحمل سے کام لینا تھا۔ لیکن آخر میں اس کا صبر جواب دے گیا' جب داور بھائی نے بہت چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میڈم! آپ کا تو ایل ایل بی بھی مکمل نہیں ہوا' تو آپ ایک کنسٹرکشن فرم کی پیچیدگیاں کیسے سمجھ پائیں گی؟"

"جب آپ چار سال میں دو دفعہ انگلش لینگویج میں سپلی لے کر بی اے کر سکتے ہیں اور سمپل ایم اے کر کے آج ادھر بیٹھ کر مجھ سے سوال و جواب کر سکتے ہیں تو پھر مجھے یقین ہے کہ میں بھی جلد ہی کمپنی کی ساری پیچیدگیاں سمجھ جاؤں گی۔"

بہت سکون سے کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کانفرنس روم میں سناٹا چھا گیا۔ داور بھائی کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہاں پروا کسے تھی۔

وہ "السلام علیکم" کہہ کر اپنی چیزیں اٹھا کر اسی اعتماد اور وقار کے ساتھ چلتی دروازے کی سمت بڑھ گئی' جس کے ساتھ وہ اندر آئی تھی۔

"سلیمان اصغر کی مغرور بیٹی۔۔۔"

پیچھے سے اس نے کسی کو کہتے سنا تھا' مگر وہ باہر نکل آئی۔ اب اسے اپنے پروجیکٹ پلان پہ محنت کرنی تھی۔ پرسوں پریزنٹیشن تھی اور اگر وہ اچھی سی پریزنٹیشن دے کر پروجیکٹ اپروو کروا لے تو وہ ان شاؤنسٹ مردوں پہ یہ ثابت کر دے گی کہ سلیمان اصغر کا انتخاب درست تھا۔

☆ ☆ ☆

بیڈ پہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی کی پیڈ پہ انگلیاں تیز تیز چلاتی وہ پورے انہماک سے اپنے کام کی طرف متوجہ تھی۔ پریزنٹیشن کے لیے وہ مکمل تیاری سے جانا چاہتی تھی تاکہ کوئی اس پہ انگلی نہ اٹھا سکے۔

مسلسل کام کے باعث اس کے ہاتھوں میں درد ہو رہا تھا۔ سر کے پچھلے حصے میں بھی ہلکی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کا ارادہ کام ختم کر کے دوا لے کر سونے کا تھا۔

"حیا!" فاطمہ اسے پکارتے ہوئے کمرے تک آئیں۔ صبح ابا کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا' جس کے باعث اب وہ بالآخر سب ایک چھت تلے تھے۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس کے گرد کاغذوں' فائلز اور لیپ ٹاپ کو دیکھ کر فاطمہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟ صائمہ بھابھی بہت خفا ہو رہی تھیں کہ جب تایا کی موجودگی میں تم خود یہ کرو گی تو سب کہیں گے کہ ان پہ بے اعتباری ظاہر کی جا رہی ہے۔"

"مجھے یہی بہتر لگا تھا اماں! ابا نے مجھے اپنا اٹارنی ان فیکٹ بنایا تھا تو کچھ سوچ کر ہی بنایا ہو گا۔" وہ اسکرین سے نگاہیں ہٹائے بنا بولی۔

"اچھا! کل ارسل کا ولیمہ ہے۔ کیا پہنو گی؟"

"اف! یہ شادیاں۔۔۔" جب سے ابا بیمار ہوئے تھے' ان چیزوں کا دل ہی نہیں کرتا تھا۔ ارسل ان کا سیکنڈ کزن تھا' پھر بھی مہندی و شادی پہ وہ اور فاطمہ نہیں گئی تھیں۔ اب ولیمہ پہ جانا ضروری تھا۔

"کچھ بھی پہن لوں گی۔ مکسڈ گیدرنگ ہو گی؟"

اس کی انگلیوں سے درد اب کلائیوں تک سرایت کر رہا تھا۔

"ہاں! مکسڈ ہی ہے' مگر پلیز! اس دن کی طرح دوپٹا مت لپیٹنا۔" فاطمہ اس کے قریب بیڈ پہ بیٹھتی نروٹھے پن سے بولیں۔

"پر اماں مکسڈ گیدرنگ جو ہے۔۔۔ نقاب تو کرنا پڑے گا۔" وہ ابھی تک اسکرین کی جانب متوجہ تھی۔ اسے پتا نہیں چلا کہ اس نے کس شے کو دعوت دے ڈالی تھی۔

"نقاب کس لیے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ وہاں کس سے کرنا ہے نقاب؟ کزن کی شادی ہے۔ وہاں سب اپنے ہی ہوں گے۔" وہ حیرت اور غصے سے بولیں۔ حیا نے رک کر انہیں دیکھا۔

"اپنا تو کوئی نہیں ہوتا اماں! وہ کزنز ہیں۔ سگے بھائی تو نہیں۔ اب جب کرتی ہوں نقاب تو ٹھیک سے کروں نا۔" اسے سر کے پچھلے حصے سے درد اپنے بازو تک بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا' یوں جیسے اس کی ان دیکھی انگلیاں ہوں اور وہ اس کے سر کو آہستہ آہستہ اپنے شکنجے میں لے رہا ہو۔

"تم پاگل ہو گئی ہو؟ تم فنکشن میں برقع اوڑھو گی؟"

"برقع نہیں اوڑھ رہی۔ بڑے دوپٹے سے ہی کام چلا لوں گی۔ مکسڈ گیدرنگ جو ہے۔" اس نے حتی الوسع لہجے کو نرم اور دھیما رکھنے کی کوشش کی۔

"مگر مکسڈ گیدرنگ میں بھی مردوں اور عورتوں کی ٹیبلز الگ الگ ہوتی ہیں حیا! مرد دور ہوتے ہیں۔"

"دور کہاں! سامنے ہی تو بیٹھے ہوتے ہیں سب۔ درمیان میں اسکرین تو نہیں حائل ہوتی۔۔۔ اور پھر جو ویٹرز عورتوں کی طرف پھر رہے ہوتے ہیں اور ارسل کے بھائی۔۔۔ وہ تو ہمیشہ ہی عورتوں کی طرف ہوتے ہیں۔"

"وہ تو بچے ہیں حیا!"

"بیس بیس سال کے بچے ہیں؟"

"تم بحث کیوں کر رہی ہو؟"

درد کی لمبی انگلیاں اب اس کی کنپٹی سے ہوتی' پیشانی کو اپنے شکنجے میں لے رہی تھیں۔ تکلیف ہر پل بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہیں اماں! بحث تو نہیں کر رہی صرف وضاحت کر رہی ہوں اپنے نقاب کی۔"

"اچھا! پہلے تو تم نقاب نہیں لیتی تھیں۔ پہلے تو تم بہت ماڈرن تھیں۔"

وہ چپ ہو گئی۔ زمانہ جاہلیت کا طعنہ کیسے چابک کی طرح لگتا ہے۔ کاش! یہ طعنہ دینے والوں کو معلوم ہو سکے۔

"جی! میں پہلے نہیں لیتی تھی' لیکن اگر اب کرتی ہوں تو مجھے پراپر طریقے سے کرنا چاہیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم شادی پہ نقاب لوگی تو لوگ کیا کہیں گے؟" وہ جھنجھلا ئیں۔

"نہیں لوں گی تو اللہ تعالیٰ کیا کہے گا؟"

"کچھ نہیں ہوتا حیا! ایسے بھی تو کتنے گناہ کر لیتے ہیں۔ غیبت گلے، یہ سب گناہ نہیں ہوتا؟ کیا صرف نقاب نہ کرنا گناہ ہے؟"

درد کی فولادی گرفت اس کے سر کو جکڑ لینے کے بعد اب گردن تک پھیلتی جا رہی تھی۔ اسے کندھوں پہ شدید دباؤ محسوس ہونے لگا۔

"اماں! میں نے کب کہا کہ میں بہت نیک ہوں یا کوئی گناہ نہیں کرتی، لیکن اگر میں کوئی نیک کام کرنا چاہتی ہوں تو مجھے مت روکیں۔" اسے لگا، وہ التجا کر رہی ہے، منت کر رہی ہے۔ وہ بنو قریظہ سے منت کر رہی ہے۔

"اچھا! پہلے تو تم نے کبھی احساس نہیں کیا گناہ ثواب کا۔ جب ابا اور تایا کہتے تھے، تب تو تم نہیں مانتی تھیں۔" پھر وہی پہلے کا طعنہ۔

"تو اماں! اگر میں تایا کے کہنے پہ اللہ کی مانتی تو میں قابل قبول ہوتی، مجھے شاباش بھی ملتی اور واہ واہ بھی، لیکن اگر میں اپنی مرضی سے اللہ کی مانوں تو میں قابل قبول نہیں ہوں؟" اس نے دکھ سے انہیں دیکھا۔ وہ ماس کو برچھی کی طرح زخمی کرتی اذیت کندھوں سے گزرتی، سینے میں اتر رہی تھی۔

"مجھے بے کار کے دلائل مت دو۔ اپنا ایل ایل بی مجھ پہ مت آزماؤ۔ ارم کی منگنی پہ تھوڑے لوگ تھے، بات دب گئی، لیکن اگر اب اتنے بڑے فنکشن پہ نقاب لوگی تو جانتی ہو لوگ کتنی باتیں بنائیں گے؟"

"آپ لوگوں سے ڈرتی ہیں، جبکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے... اور لوگوں کا کیا ہے... صائمہ تائی تو پہلے بھی مجھ پہ باتیں بناتی آئی ہیں۔" مگر فاطمہ بے زار ہو چکی تھیں۔

"حیا! شادیوں پہ کون حجاب لیتا ہے؟"

"میں لیتی ہوں... اور میں لے کر دکھاؤں گی۔ نہیں! میں کوئی دعوا نہیں کر رہی، لیکن اگر میں اپنے خاندان کی وہ پہلی لڑکی ہوں جو شادیوں میں بھی حجاب لے... تو میں وہ پہلی لڑکی بنوں گی اماں!"

تکلیف اب اس کی شریانوں میں کسی سیال مادے کی طرح تیرتی اندر سب کچھ جلاتی، دل میں قطرہ قطرہ گرنے لگی تھی۔

"حیا! شادیوں پہ تو خیر ہوتی ہے۔"

"نہیں اماں! شادیوں پہ ہی تو... ان تقریبات سے ہی تو خیر کم اور شر زیادہ نکلتے ہیں۔"

"کتنا برا لگے گا، تم نقاب میں بیٹھی ہو گی؟" "نہیں" رہ رہ کر اس کی کم عقلی پہ افسوس ہو رہا تھا۔

"کس کو برا لگے گا... لوگوں کو؟ مگر اللہ تعالیٰ کو اچھا لگے گا۔"

"اچھا! یعنی ہم جو نقاب نہیں کرتے تو ہم سب کافر ہوئے... ؟ ہاں! ہم سب بہت برے ہوئے؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے اماں؟ میں خود نقاب لیتی ہوں، مگر کسی دوسرے پر تو تنقید نہیں کرتی۔ میں تو کسی سے کچھ بھی نہیں کہتی اماں!"

اس کی آواز بھیگ گئی۔ ورداب اس کے دل کو کاٹ رہا تھا۔ الٹی چھری سے ذبح کر رہا تھا۔ خندق کی کوئی جنگ بنو قریظہ کے بغیر نہیں لڑی جاتی۔ اسے بھی بنو قریظہ مل گیا تھا اور وہاں سے ملا، جہاں سے اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"تم مت کہو، مگر تمہارا حجاب چیخ چیخ کر یہی کہتا ہے کہ میں بہت اچھی ہوں اور باقی سب برے ہیں۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر چمک کر کہا۔ وہ کہیں سے بھی ایک مہذب اور تعلیم یافتہ خاتون نہیں لگ رہی تھیں۔

"اماں! اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کے اپنے اندر کی ان سیکیورٹی ہے۔ میرا کیا قصور؟ میں تو کسی کو برا نہیں سمجھتی۔ میں تو بس آگ سے بچنا چاہتی ہوں۔"

"تو یہ سب پہلے کیوں نہیں کرتی تھیں؟ بچپن سے علم تھا تمہیں جہنم کی آگ کا یا نہیں علم تھا؟"

"پہلے صرف علم تھا اماں! اب یقین آگیا۔" اس نے بہت سے آنسو اپنے اندر اتارے۔

کیا لوگوں نے واقعی سمجھ لیا ہے کہ وہ کہیں گے ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے؟

"اچھا! صرف پردہ نہ کرنا گناہ ہے، ماں کی بات نہ ماننا گناہ نہیں ہے؟" "کیا قرآن نہیں پڑھا تم نے کہ والدین کو اف بھی نہیں کرتے؟"

اس نے جواب میں ایک گہری سانس لی۔

"اماں! آپ کو بھی پتا ہے اور مجھے بھی پتا ہے کہ آپ اس آیت کو غلط جگہ پہ غلط طریقے سے کوٹ کر رہی ہیں۔ میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی، مگر میں اللہ تعالیٰ کو بھی ناراض نہیں کر سکتی۔"

"بس کرو! پتا ہے مجھے، یہ سب تم جہان کے لیے کر رہی ہو۔ وہی ہے ایسی دقیانوسی سوچ کا حامل۔ ترکی میں رہ کر بھی فرق نہیں پڑا اسے۔ دیکھتی ہوں میں کس طرح روز فجر پہ مسجد جا رہا ہوتا ہے۔"

"اماں! کوئی لڑکی اپنی مرضی سے حجاب لینے لگے تو سب یہ کیوں فرض کر لیتے ہیں کہ وہ کسی کے دباؤ میں آکر یہ کر رہی ہے؟ کوئی یہ ماننے کو تیار کیوں نہیں ہوتا کہ اس لڑکی کا اپنا دل بھی کچھ کہہ سکتا ہے؟"

"مگر پہلے تو تم نہیں کرتی تھیں نا۔" وہ غصے سے کہتی اٹھیں۔ "اور کرو! جس سے بھی کرنا ہے نقاب۔ میں کون ہوتی ہوں کچھ کہنے والی۔" وہ تن فن کرتی باہر نکل گئیں۔

الٹی چھری ابھی تک اس کے دل کو کاٹے جا رہی تھی۔ خون کے قطرے اندر ہی اندر گر رہے تھے۔ مائیں بھی بعض دفعہ کتنا دل دکھاتی ہیں، مگر انہیں کبھی احساس نہیں ہوتا۔

اس نے آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑا، مگر آنسو پھر بھی ابل پڑے۔

"جاڑے اور بھوک کی تکلیف میں خندق کھودنا کٹھن ہوتا ہے یا بنو قریظہ کی بے وفائی سہنا؟" اس نے خود سے پوچھا۔ "اور اگر یہ دونوں ساتھ مل جائیں تب؟"

اس کا دل ابھی تک تکلیف سے رس رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

پریزنٹیشن اچھی چلی گئی، جبکہ ولیمہ کا فنکشن اس سے بھی اچھا۔ آج اس نے نیوی بلیو لباس پہنا تھا اور بڑا سا دوپٹا ویسے ہی لیا، جیسے ارم کی منگنی پہ لیا تھا۔ بیٹھی بھی ذرا الگ تھی، مگر یہ نہیں کہ کٹ کر رہی، بلکہ ہر ایک سے ملی۔ وہی سوال و جواب کا سلسلہ البتہ جاری رہا۔

"چہرے سے تو ہٹا دو۔" یہ وہ فقرہ تھا جو حیرت اور اچنبھے سے بہت سے لوگوں نے آکر دہرایا اور جواب میں وہ ایک سادہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتی رہی۔

"تھینک یو! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

البتہ سب کی باتیں دل پہ بہت زور سے لگتی تھیں۔ فاطمہ نے کتنی ہی دفعہ اسے آنکھ سے اشارہ کیا کہ چہرہ پورا کھول لے مگر وہ جواب میں وہ ابرو سے پیچھے کی طرف اشارہ کرتی، جہاں مووی میکر مووی بنا رہا تھا۔ وہ جھنجھلا گئیں۔

"اوہو! فیملی ویڈیو ہے۔ اپنوں میں ہی رہے گی۔ باہر تھوڑی دکھائیں گے۔"

"بالکل!" وہ اثبات میں سر ہلا کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

صرف شہلا تھی جو اسے یوں ملی جیسے کوئی تبدیلی ہی نہ آئی ہو۔ اس کی آنکھیں البتہ اب بھی ویسی ہی اداس اور تکان سے بھرپور تھیں۔ مگر اب حیا کو وجہ جاننے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے ابھی ایک دو فنکشنز حجاب میں اٹینڈ کیے تھے، کل فاطمہ سے بحث کی تکلیف کا اثر ابھی تک دل پہ تھا اور شہلا تو پچھلے دو برس سے ہر غمی، خوشی میں اسی طرح شرکت کرتی رہی تھی۔

اور پھر جب انسان کہتا ہے کہ وہ ایمان لایا ہے تو وہ آزمایا بھی ضرور جاتا ہے۔ جانے شہلا کی تکلیف کتنی تھی اور کب سے تھی۔

"سلام ہو ہم اجنبیوں پہ!" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے سوچا۔

شادی کے لیے دوسرے شہروں سے آئے کچھ رشتہ دار تایا فرقان کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ تایا نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات میں سب کا کھانا کیا تھا۔ اس وقت بھی ان کا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا جب وہ پریزنٹیشن کا بتانے ان کی طرف آئی۔

لان میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ تایا برآمدے میں ہی کھڑے تھے۔ اندر جانے والا دروازہ کھلا تھا' مگر آس پاس کوئی نہ تھا۔ اندر سے البتہ گہما گہمی اور رونق کی سی آوازیں آرہی تھیں۔

"آج پریزنٹیشن اچھی ہوگئی ہے۔ امید ہے پروجیکٹ ہمیں ہی ملے گا۔"

وہ نری وبشاشت سے بتانے لگی۔ جو سرد مہری کی دیوار ان دونوں کے بیچ در آئی تھی۔ وہ اسے گرانا چاہتی تھی۔ جو بھی تھا' اسے فطری طور پہ اپنے تایا سے بہت محبت تھی۔

"خیر! مجھے تو اتنی امید نہیں ہے۔ پتا نہیں ہم ٹھیک سے کر کے بھی آئی ہو یا نہیں۔" وہاں ہنوز رکھائی تھی۔ وہ بہت اکھڑے اکھڑے سے لگ رہے تھے۔

"نہیں تایا ابا! سب بہت اچھا ہوگیا۔ میں پورا ہوم ورک کر کے گئی تھی۔"

وہ خاموش رہے۔ تنے ہوئے ابرو اور ماتھے کے بل۔ وہ اس سے خوش نہیں تھے۔ اس نے ایک اور کوشش کرنی چاہی۔

"اچھا! باقر صاحب بتا رہے تھے کہ سائٹ بی میں ونڈر کچھ مسئلہ کر رہا ہے۔ سپلائی روک دی ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر میں خود..." وہ ایک دم رکی۔ دروازہ کھول کر داور بھائی باہر آرہے تھے۔ حیا کسی میکانکی عمل کے تحت دوپٹا دو انگلیوں سے تھوڑی سے اٹھا کر ناک تک لے گئی۔ تایا نے چونک کر اس کی حرکت کو دیکھا اور پھر اندر سے آتے داور بھائی کو' جو اسے دیکھ کر رک گئے تھے' جیسے متذبذب ہوں کہ کھڑا رہوں یا واپس چلا جاؤں۔

"یہ تم کس سے پردہ کر رہی ہو؟" تایا نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔ لمحے بھر کو تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"جی؟"

"تم میرے بیٹے سے پردہ کر رہی ہو؟"

"تایا ابا! میں تو..." اس نے کچھ کہنا چاہا' مگر وہ ایک دم بہت بلند آواز میں بولنے لگے۔

"میرے بیٹے آوارہ ہیں؟ لوفر لفنگے ہیں؟ بدنیت ہیں؟ کیا کیا ہے میرے بیٹوں نے جو تم ان کے سامنے پردے ڈالنے لگتی ہو؟" اونچی غصیلی آواز نے اندر باہر خاموشی طاری کردی۔

وہ بالکل ساکت سی بنا پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔

"تم میرے ہی گھر میں کھڑے ہو کر میرے بیٹوں کو گھٹیا اور نیچ ثابت کرنا چاہتی ہو؟ تم میرے بیٹوں کو ذلیل کر رہی ہو۔" وہ غصے سے دھاڑے۔ داور بھائی نے نفی میں سر ہلایا' جیسے انہیں قطعاً" نہ لگا ہو کہ ان کو ذلیل کیا گیا ہے۔

اندر سے لوگ باہر آنے لگے۔ کوئی کچن کے دروازے سے باہر نکلا۔ کوئی برآمدے کے دروازے سے۔ تماشا سج گیا تھا۔ اور تماشائی جمع ہو رہے تھے۔

"میرے بیٹوں نے ساری عمر بھائیوں کی طرح خیال رکھا تمہارا۔ اپنا بھائی تو اس کافر عورت کے ساتھ منہ کالا کر کے بیٹھ گیا ہے نا! مگر تم الٹا میرے بیٹوں کے خلاف محاذ بنا رہی ہو؟ پورے ترکی میں آوارہ پھرتے تمہیں پردے کا خیال نہیں آیا تھا؟"

اس کا جیسے سانس رک گیا۔ اسی پل ان کو دیکھا۔ بمشکل وہ چند لفظ کہہ پائی۔

"زاہد چچا! آپ تایا ابا کو سمجھائیں' انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو..."

"ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی! یہ ڈھکوسلے تم کس کے لیے کرتی ہو؟ پہلے ساری زندگی خیال نہیں آیا' اب کہاں کا اسلام شروع ہوگیا ہے تمہارا؟" وہ جواباً" اتنے ہی غصے سے بولے۔

"پورے خاندان میں ہمارا تماشا بنا کر رکھ دیا۔ سب باتیں بنا رہے ہیں کہ حیا بی بی نقاب میں کھانا کھا رہی تھیں۔"

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ارد

گرد لگے مجمع کی نظریں' تحقیر' طنز' ذلت۔ اس نے کیا کچھ محسوس نہیں کیا تھا۔

"آپ سب کو کیا ہوگیا ہے؟" وہ بولنا چاہتی تھی مگر لبوں سے بس یہی نکلا۔

"تایا! آپ کو تو حجاب بہت پسند تھا۔ آپ تو..."

"بکواس مت کرو میرے سامنے اور میری بات کان کھول کر سن لو! اگر تم آئندہ میرے گھر آؤ گی تو منہ لپیٹے بغیر آؤ گی۔ اگر تمہیں میرے بیٹوں کو اس طرح ذلیل کرنا ہے تو میرے گھر میں آئندہ قدم مت رکھنا۔"

انگلی اٹھا کر متنبہ کرتے وہ سرخ چہرہ لیے بولے۔ اس سے مزید کھڑا نہیں ہوا گیا۔ وہ ایک دم پلٹی اور اپنے گھر کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

پیچھے تماشائیوں کے مجمع میں کہیں فاطمہ بھی تھیں مگر وہ بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے آگے نہیں بڑھی تھیں۔ ان سب نے اسے اندھیری خندق میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔

اپنے لان میں وہ برآمدے کی سیڑھیوں پہ ہی گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور قدموں میں سکت نہیں رہی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو ابل کر گرتے جا رہے تھے۔

اتنی ذلت؟ اتنی تحقیر؟ اتنا تماشا؟

یہ تایا فرقان تھے۔ ساری عمر اس حجاب پہ ہی اختلاف رکھنے والے تایا فرقان اب حجاب پر ہی اس کے خلاف ہوگئے تھے۔ ان کا دین' شریعت' سب کدھر گیا تھا؟

اس کی گردن گھٹنوں پہ جھکی تھی۔ وہ روئے چلی جا رہی تھی۔ پورے خاندان کے سامنے تایا نے اسے ذلیل کیا تھا اسے لگا' وہ اب کبھی سر نہیں اٹھا سکے گی۔

گاڑی کے اندر آنے کی آواز آئی' پھر کوئی اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"آج میرا چالان ہوتے ہوتے بچا۔ پوچھو کیوں؟" کسی اور ہی دھن میں محظوظ سا بتا رہا تھا۔

وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔ جہان نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"حیا! کیا ہوا؟ ماموں ٹھیک ہو جائیں گے۔ پریشان مت ہو۔" اس نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ ابا کی وجہ سے رو رہی ہے۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔ اب کبھی کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔" وہ روتے ہوئے اتنا ہی کہہ پائی' پھر آنسو ہر منظر پہ غالب آنے لگے۔ وہ پوچھتا رہ گیا' مگر وہ اندر دوڑ ی چلی آئی تھی۔

پوری رات وہ سو نہیں سکی۔ اتنی ذلت' اتنا تماشا؟ بھلے تایا درست بھی ہوتے' پھر بھی یہ کون سا طریقہ تھا بات کرنے کا؟ اب تک پورے خاندان کو پتا چل چکا ہوگا۔ وہ ہر جگہ بے عزت ہو کر رہ گئی تھی۔

رات بھر وہ روتی رہی۔ صبح سر بھاری ہو رہا تھا۔ فریش ہونے تک اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج وہ ابا سے بات کر کے تایا ابا کو ان کا انٹارنی ان فیکٹ بنا دے گی۔ تایا ابا کو مسئلہ اس کے حجاب سے نہیں' اس کے آفس آنے سے تھا' سو اب وہ یہ سارا مسئلہ ہی ختم کر دے گی۔

ناشتے کی میز پر وہ اور فاطمہ اکیلی تھیں۔ سبین پھپھو ابا کو ناشتا کروا رہی تھیں اور جہان پتا نہیں کہاں تھا۔

"یہ ہوتا ہے ماں باپ کی نافرمانی کا انجام۔ سارے میں بے عزتی کروا کر رکھ دی۔" فاطمہ خفگی سے بولے جا رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے چند لقمے بمشکل زہر مار کر سکی' پھر اٹھ آئی۔

ایسے لمحوں میں وہ اس سیمینار میں واپس پہنچ جایا کرتی تھی جو اس نے اناطولین استنبول میں اٹینڈ کیا تھا۔ اسے شیشے کی دیواروں سے ٹکر کھا کر گرتی چڑیاں یاد آتی تھیں۔ اس نے بھی تو اپنے گرد ایسی ہی دیوار کھڑی کر دی تھی اور یہ لوگ تو ان ہی پرندوں کی طرح تھے۔ پہلے وہ ان کی بات سن لیتی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ اب بھی سنتی رہے گی۔ وہ اس طرح اس کو تھکا نہیں سکتے تھے۔ شیشے کی دیواروں سے ٹکرانے میں نقصان پرندوں کا ہی ہوتا ہے۔ دیوار کو کیا فرق پڑتا ہے؟

ابا اسی طرح تحکیف و کمزور سے لگ رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اسے دیکھ کر ذرا سے مسکرائے۔

"کام کیسا جارہا ہے؟"

"سب ٹھیک ہے ابا!" اس نے بہت سے آنسو اپنے اندر اتار لیے اور بظاہر مسکرا کر بولی۔

"بہت محنت کررہی ہے یہ لڑکی!" پھپھو مسکرا کر کہتی ناشتے کے برتن اٹھا رہی تھیں۔ پتا نہیں، انہیں رات کے واقعے کا علم تھا یا نہیں۔ پھر بھی ان سے نگاہ نہ ملا سکی۔

☆ ☆ ☆

آفس میں ایک بری خبر اس کی منتظر تھی۔ ٹریڈ سینٹر کا پروجیکٹ انہیں نہیں ملا تھا۔ اس بات نے تو اسے مزید شکستہ دل کردیا۔ اس نے باقر صاحب کو بلوایا تاکہ ان کو اپنے ارادے سے آگاہ کردے اور وکیل صاحب کو بلوا سکے، مگر پہلے اس نے بے اختیار ہی وہ تکلیف دہ موضوع خود ہی اٹھالیا۔

"اتنی اچھی پریزنٹیشن دی تھی، پھر ہمیں پروجیکٹ کیوں نہیں ملا؟" رات کے واقعے کی تھکن اور اذیت اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔

"انہیں ہمارا پلان پسند نہیں آیا۔ وہ شاید کچھ اور چاہتے تھے۔"

"اچھا!" وہ خاموش ہوگئی۔ کچھ سوچ کر اس نے باقر صاحب سے کوئی بات نہیں کی اور انہیں بھیج دیا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے سارا پروجیکٹ پلان نکالا اور از سر نو جائزہ لینے لگی۔ ٹھیک ہے کہ وہ آج آفس چھوڑ دے گی اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اسے ان معاملات کا کوئی تجربہ نہیں، مگر وہ صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس سے غلطی کہاں ہوئی۔

تمام خاکے اچھے تھے۔ بقول آرکیٹکٹ بے حد شان دار۔ مگر جب اس نے پہلی دفعہ ان کو دیکھا تھا تو اس کے ذہن میں کیا بات آئی تھی؟ کچھ غیر آرام دہ لگا تھا اسے۔ اس نے ذہن پہ زور دیا اور ایک دم کسی بستی ندی کی طرح وہ خیال امڈ آیا۔

موت کا کنواں۔

اور اگلے ہی لمحے اسے غلطی نظر آگئی۔

داور بھائی کی شادی کی کچھ شاپنگ فاطمہ اور اس نے لاہور سے کی تھی۔ کسی کام سے وہ شاہ عالمی مارکیٹ چلے گئے۔ غلطی یہ کی کہ اپنی کار لے گئی۔ وہاں ایک ملٹی اسٹوری پارکنگ بلڈنگ میں کار پارک کرنا پڑی، وہ بھی چوتھی منزل پہ۔ گول گول گھومتی منزلیں تنگ تاریک جگہ، گاڑی اوپر چڑھانا گویا یوں تھا جیسے موت کے کنویں میں ڈرائیو کرنا۔ تب سے اسے ملٹی اسٹوری پارکنگ عمارات بہت بری لگتی تھیں اور اب اس کے پلان میں ٹریڈ سینٹر کی پارکنگ ایک چھوٹے رقبے پہ ملٹی اسٹوری بنائی گئی تھی۔

اسے تعمیراتی کاموں کا تجربہ نہیں تھا۔ مگر شاپنگ کا ایک طویل اور وسیع تجربہ تھا، پھر یہ اتنی بڑی غلطی اسے پہلے کیوں نظر نہیں آئی؟ شاید اس لیے کہ وہ پہلے خود کو کم علم سمجھ کر آرکیٹکٹ پہ بھروسا کررہی تھی۔ اندھی تقلید، مگر اب اپنی عقل سے سوچا تو چونک گئی۔ لوگ ایک کھلا اور "زمینی" پارکنگ لاٹ پسند کرتے ہیں اور ملٹی اسٹوری پارکنگ بلڈنگز تو ادھر کم ہی بنتی ہیں۔ پھر آرکیٹکٹ نے ایسا کیوں کیا؟

وہ جارہی رہے تو ذرا ان صاحب سے دوٹوک بات تو کرلے۔ یہی سوچ کر وہ باہر آئی۔ ترکوں سے اس نے خود چل کر جانا سیکھا تھا۔ وہاں کسی سے راستہ پوچھو تو وہ آپ کے ساتھ چل کر اخیر منزل تک چھوڑ آتا تھا۔ سو وہ خود آرکیٹکٹ صاحب سے ملنے چلی آئی، لیکن کوریڈور کے سرے پہ وہ ایک دم پیچھے ہوئی۔

ولید اور آرکیٹکٹ رضوان صاحب کسی بات پہ ہنستے ہوئے اندر جارہے تھے۔ وہ الٹے قدموں واپس آئی۔ ایک سرخ بتی جلنے بجھنے لگی تھی۔ کہیں کچھ غلط تھا۔ کوئی گڑبڑ تھی۔

واپس اپنی سیٹ پہ بیٹھی، وہ کتنی ہی دیر سوچتی رہی۔ پھر اپنے پرس میں موبائل کے لیے ہاتھ ڈالا تو وہ مخمل کا ٹکڑا بھی نظر آگیا جس پہ سنہری دھاگے سے دو الفاظ لکھے تھے۔ وہ اسے دو انگلیوں میں گھماتی، الٹ پلٹ کرتی، سوچتی رہی۔ فرار ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔

مسئلوں کا حل ڈھونڈنا پڑتا ہے، راستہ تلاش کیا جاتا ہے۔ میجر احمد کا سبق اسے یاد تھا۔

چند منٹ میں اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ پھر سے کام کرنے کے لیے تیار تھی۔ کوئی اس کے باپ سے غداری کررہا تھا۔ اسے ساری گڑبڑ کے منبع کو ڈھونڈنا تھا۔

☆ ☆ ☆

کانفرنس روم میں سب جمع تھے۔ وہ بنا کسی کو دیکھے سربراہی کرسی پہ آکر بیٹھ تو گئی تھی، مگر سر اٹھا کر تایا فرقان، داور اور زاہد چچا کو دیکھنا، ان سے نگاہ ملانا کتنا اذیت ناک تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا۔ رات کے زخموں سے پھر سے خون رسنے لگا تھا۔ مگر وہ کتنے آرام سے اس کے سامنے بیٹھے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تو آپ نے پروجیکٹ ہار دیا۔" تایا فرقان نے سخت بھری سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ وہ تایا فرقان کی بیٹی کی طرح رات گئے پکڑی نہیں گئی تھی۔ (جیسا کہ تایا نے ایک دفعہ اسے فون کیا تھا) کہ وہ سر اٹھا نہ سکتی۔ نہ ہی وہ زاہد چچا کی بیٹی کی طرح پورے خاندان میں چیخ چلا کر داور بھائی کو بے عزت کرنے کی مجرم تھی۔ زاہد چچا نے اسے سخت سناتے ہوئے اپنی بیٹی کی حرکت کو کیوں فراموش کردیا؟ اور تایا نے بھی کبھی داور کی اس بے عزتی پہ بازپرس کی؟ پھر اب...؟ مگر وہ خالی لڑکی تھی اور کوئی خالی لڑکی یہ کتنا ہی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرے اسے میلا نہیں کرسکتا تھا۔

"جی سر! میں نے ہار دیا۔" تایا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"کیا آپ وجہ بتانا پسند کریں گی؟" ولید کی بات پہ اس نے گردن موڑ کر اسی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں ولید صاحب۔"

"درست! پھر میں آپ کو مطلع کرنا چاہوں گا کہ ہم گرین ہاؤس اسکیم والا پروجیکٹ ڈیلے (Delay) کرنے پہ مجبور ہوچکے ہیں۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کتنا اہم پروجیکٹ تھا۔

"کیونکہ بجٹ نہیں ہے۔ فنڈز کم پڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کو کیری آن کرنے کے لیے اتنا پیسہ نہیں ہے۔" اس نے ایک کاغذ حیا کی طرف بڑھایا، جس پہ ایک لمبا سا فیگر لکھا تھا۔

اتنی رقم کا انتظام کیسے ہوگا؟ وہ سچ میں مضطرب ہوگئی۔

"مگر اس طرح پروجیکٹ بند کرنے سے تو بہت نقصان ہوگا۔"

"پھر کیا کریں؟"

"یہ میرے ابا کا پروجیکٹ تھا۔ ہم اس کو یوں کال آف نہیں کرسکتے۔" وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

"تم ہمیں یہ اماؤنٹ لادو۔ ہم اس کو جاری رکھیں گے، بات ختم۔" زاہد چچا نے بے زاری سے کہا۔ وہ دونوں تایا، چچا اسے یوں مخاطب کرتے تھے گویا وہ ان کے بھائی کی بیٹی نہیں، ملازمہ ہو۔

"واقعی؟ اگر میں آپ کو یہ اماؤنٹ لادوں تو آپ کام جاری رکھیں گے؟ کیا آپ زبان دے رہے ہیں؟" اس کا لہجہ تیز ہوگیا۔ ان کا چیلنج کرنا، مذاق اڑانا انداز اسے پہلے سے زیادہ برا لگا تھا۔ رات کے زخم پھر سے کھرچنے لگے تھے۔

"بالکل!" تایا فرقان نے شانے جھٹکے۔

"ٹھیک ہے! میں پیر کی صبح آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گی۔" وہ فائل بند کرتے ہوئے حتمی انداز میں بولی۔

پھر جب وہ اپنے آفس واپس آئی تو موبائل بج رہا تھا۔ اس نے کرسی پہ تھکے تھکے انداز میں گرتے ہوئے فون اٹھایا۔ نمبر جہان کا تھا۔

"کیسی ہو؟" وہ چھوٹتے ہی فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے انگلیوں سے پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ بے خوابی کے باعث سر بے حد درد کررہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلو! پھر لنچ ساتھ کرتے ہیں۔ میں نے ایک چھوٹا سا اٹالین ریسٹورنٹ دیکھا ہے۔ تمہیں ایڈریس سمجھاؤں؟"

سارے دن میں وہ پہلی دفعہ ہنسی تھی۔

"یہ میرا شہر ہے جہان بے! مجھے اس کے سارے راستے معلوم ہیں۔ ریسٹورنٹ کا صرف نام بتاؤ۔" وہ بھی ہلکا سا ہنس دیا۔

"اوہ سوری! ایف ٹین میں اٹالین اوون پہ آجاؤ۔"

☼ ☼ ☼

کار ڈرائیور چلا رہا تھا۔ وہ پچھلی نشست پہ بیٹھی سیل فون پہ نمبر ملا رہی تھی۔ اس نے ابا کی نصیحت پہ عمل کرنے کا سوچا تھا۔ کال ملا کر اس نے فون کان سے لگایا۔ صد شکر کہ انہوں نے کال ریسیور کرلی۔

"السلام علیکم ذیشان انکل! میں حیا بات کر رہی ہوں۔"

کار ٹریفک کے ساتھ بہتی چلی جا رہی تھی۔ اسی طرح اس کے تنے، پریشان اعصاب ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔ ان سے بات ختم کی تو آفس سے فون آگیا۔ وینڈر مال کی سپلائی کھولنے پہ تیار نہ تھا اور پرانی قیمت پہ تو ہرگز نہیں۔ سراسر بلیک میلنگ تھی اور بلیک میلرز سے تو اسے نفرت تھی۔

"کل میری میٹنگ ارینج کروادیں وینڈر سے۔ میں ان صاحب سے خود بات کرنا چاہوں گی۔" اس نے بند کردیا۔ کار ریسٹورنٹ کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

وہ اطالوی ریسٹورنٹ کی بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ تمام میزیں خالی تھیں۔ ہال کی ایک دیوار شیشے کی بنی تھی، جس سے نیچے ڈبل روڈ اور اس کے پار گرین بیلٹ کے درخت و سبزہ نظر آ رہا تھا۔ شیشے کی دیوار کے ساتھ کونے کی میز پہ وہ بیٹھا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرایا۔ وہ بنا کسی دقت کے اسے نقاب میں بھی پہچان لیتا تھا۔ پہلی دفعہ جب وہ نقاب میں اس کے پاس گئی تھی، فریڈم فلوٹیلا کے احتجاج کے دن، تب بھی اس نے کوئی حیرانی ظاہر نہیں کی تھی۔ شاید وہ حیران کم ہی ہوتا تھا۔

"پہلے فیصلہ کرلو کہ لنچ کس کی طرف سے ہے؟" کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے میز پہ اپنا پرس رکھا۔

"آف کورس! تمہاری طرف سے ہے۔ اصغر اینڈ سنز کی قائم مقام ایم ڈی مجھ غریب آدمی کو لنچ تو کروا ہی سکتی ہے۔"

"شیور!" اس نے بشاشت سے کہتے ہوئے موبائل پرس میں رکھنے کے لیے پرس کھولا۔ مخمل کا ٹکڑا اندرونی جیب میں ہزار کے ایک نوٹ کے ساتھ رکھا تھا۔

ہزار کا نوٹ؟ وہ زپ بند کرتے ہوئے چونکی۔ پھر بنا محسوس سے انداز میں پرس کو اندر سے دیکھا۔ اس کا روپوں والا پاؤچ آفس میں ہی رہ گیا تھا۔ اب سوائے اس لاوارث سے نیلے نوٹ کے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اللہ، اللہ کاروباری الجھنوں میں پاؤچ اٹھانا یاد ہی نہیں رہا۔ اب کیا کرے؟

"کیا ہوا؟ ایم ڈی صاحبہ! پیسے تو نہیں بھول آئیں؟" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک تو اس آدمی کی عقابی نظریں، اس نے سنبھل کر پرس بند کیا۔

"تم ایم ڈی صاحبہ سے ایسی غیرذمہ دارانہ حرکت کی توقع کرسکتے ہو؟" بظاہر مسکراتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی۔

"نہیں! خیر، آرڈر کرو۔ تمہارا شہر ہے۔ تمہیں زیادہ پتا ہوگا۔" وہ پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔

حیا نے "شیور" کہتے ہوئے مینو کارڈ اٹھالیا۔ اس کو لنچ کروانا تھا اور وہ بھی ہزار کے اس نوٹ سے۔ اے ٹی ایم بھی پاؤچ میں تھا اور وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرسکتی تھی، جس سے جہان کو پتا چلے کہ وہ پیسے واقعی بھول آئی ہے، ورنہ ادائیگی کردے گا۔ سوال انا کا تھا۔

"لیکن ایک ہزار میں اسے اطالوی لنچ کیسے کرواؤں!"

اس نے قدرے اضطراب سے فہرست دیکھی۔

"سنو! صرف مین کورس منگوانا، سلاد، اسٹارٹر اور ڈرنکس کے فالتو اخراجات مجھے پسند نہیں ہیں۔" وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، مسکراہٹ دبائے اسے بغور دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"اوکے! مجھے تو کوئی خاص بھوک نہیں ہے، دل ہی نہیں چاہ رہا۔" آرڈر دے کر اس نے کارڈ رکھ دیا۔ جہان نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سمجھ کر سرہلا دیا۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ وہ شیشے کی دیوار سے باہر دیکھنے لگی۔ اس شیشے سے تو کوئی پرندہ نہیں آٹکرایا تھا۔ شاید پرندے تعمیر کے بعد صرف پہلے موسم میں ٹکراتے ہوں۔ بعد میں عادی ہو کر راستہ بدل لیتے ہوں۔ راستہ پرندوں کو ہی بدلنا پڑتا ہے، دیوار ویسی ہی کھڑی رہتی ہے۔

"کل کیا ہوا تھا؟"

حیا نے نگاہیں موڑ کر اسے دیکھا۔

"اب تک تم نے پتا تو کر ہی لیا ہوگا۔ بہرحال! تایا نے سارے خاندان کے سامنے میرے پردے کی وجہ سے مجھے بے عزت کیا، تماشا بنایا اور گھر سے نکال دیا۔ اس کے علاوہ کچھ خاص نہیں۔"

جہان نے قدرے تاسف سے نفی میں سرہلایا۔

"پرانی عادتیں آسانی سے نہیں جاتیں۔ اس طرح لوگوں کو ذلیل کرنے کے وہ عادی ہیں۔ کتنا آسان ہے ان کے لیے اپنی انا کے پیچھے رشتے توڑ دینا۔"

"جو بھی ہے میں ابا کی کرسی ان کے لیے خالی نہیں کروں گی۔ یہ فیصلہ میں نے کرلیا ہے۔ اب اس قصے کو بند کردیتے ہیں۔ تم بتاؤ! تم نے ترکی واپسی کا کیا سوچا ہے؟"

"سب مجھ سے یہی پوچھتے ہیں کہ واپسی کا کیا پروگرام ہے۔ لگتا ہے مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ دل کرتا ہے میرا کہ "ماہ سن" کی طرح کبوتر بن کر کسی غار میں چھپ جاؤں۔" اس نے غالباً "کوئی ترک محاورہ بولا تھا۔

"خیر! ابھی کچھ دن ادھر ہوں۔ تمہیں کب جانا ہے؟"

"جولائی شروع ہوچکا ہے۔ مجھے پانچ جولائی کے بعد کلیئرنس کروانی ہے۔ ابا کی طبیعت ذرا سنبھل جائے، پھر جاؤں گی۔"

لنچ آگیا تو وہ اپنے نقاب سے بہ آسانی چھری کانٹے کی مدد سے کھانے لگی۔ پھر کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"جہان! تمہیں میرا نقاب..... میرا مطلب ہے تمہیں اچھا لگتا ہے میرا یوں نقاب لینا؟"

وہ ذرا چونکا تھا۔

"آ... ہاں! ٹھیک ہے۔" اس نے ذرا الجھتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ مطمئن ہو کر کھانے لگی، مگر وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا تھا۔

بل آیا تو اس نے ایک مطمئن سی سانس اندر کو اتاری۔ نو سو پچاس صرف دو مین کورس منگوائے تھے اس لیے۔ ثابت ہوا کہ اگر پیسے کم ہوں تو بندے کو لڈ ڈرنکس، سلاد اور اسٹارٹر جیسے فالتو لوازمات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

یکایک کسی خیال کے تحت وہ چونکی۔

"فالتو لوازمات؟" اس کا ذہن آفس کی طرف بھٹک گیا۔ جہان نے نرمی سے اس سے بل لے لیا۔

"میں پے کروں گا۔"

وہ چونکی۔ "نہیں، یہ تو مجھے....."

"میں مذاق کر رہا تھا، لنچ میری طرف سے تھا۔" وہ بنا ایک لفظ سنے فائل میں پیسے رکھنے لگا۔ اس نے اصرار نہیں کیا۔ اس کا ذہن کسی اور ہی طرف الجھا تھا۔

"فالتو لوازمات؟"

☼ ☼ ☼

ادھیڑ عمر صاحب نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور پھر ایک طرف ہٹ گئے۔ وہ پراعتماد اور سبک قدموں سے چلتی اندر آئی۔ دروازے سے نجمی صاحب (وینڈر) کی کرسی میز کا فاصلہ کافی زیادہ تھا۔ وہ سیدھ میں چلتی میز تک آئی اور بیٹھنے کے لیے کرسی کھینچی۔

نجمی صاحب نے انگلیوں میں پکڑی سگریٹ لبوں میں دبا کر سانس اندر کو کھینچی اور سر سے پاؤں تک سیاہ عبایا میں ملبوس دراز قد لڑکی کا جائزہ لیا جو بہت اطمینان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔ انہوں نے سگریٹ ہٹائی' دھوئیں کا مرغولہ اڑ کر فضا میں تحلیل ہوا۔

"میں حیا سلیمان ہوں' اصغر اینڈ سنز کی مینجنگ ڈائریکٹر۔۔۔" کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر' ٹانگ پر ٹانگ رکھے کہنیاں ہاتھ پر جما کر ہتھیلیاں ملائے بیٹھی وہ بہت سنجیدگی سے بولی۔

نجمی صاحب نے کندھوں کو ذرا سی جنبش دی' یعنی وہ جانتے ہیں' اب آگے بات کرے۔ ادھیڑ عمر صاحب اس لڑکی کے پیچھے ہاتھ باندھے مؤدب سے آ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے لیے دوسری کرسی موجود نہیں تھی۔ نجمی صاحب نے کرسی منگوانے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔

"ہماری سائٹ پہ سپلائی آپ نے روک رکھی ہے جس سے ہمارا پروجیکٹ تاخیر کا شکار ہو سکتا ہے۔"

"دیکھیں بی بی! میں نے اپنی ڈیمانڈ آپ کے۔۔۔"

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی نجمی صاحب!" اس نے ہاتھ اٹھا کر ایک دم بہت سخت لہجے میں انہیں روکا۔ اس کی آواز میں کچھ تھا کہ وہ رک گئے۔

"چند باتیں ہیں جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بنا کسی تمہید کے وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ کے پیچھے جو کھڑکی ہے' اس سے جھانک کر دیکھیں تو دائیں جانب' دور کہیں ایک زیر تعمیر منصوبہ دکھائی دے رہا ہے۔ کس چیز کا منصوبہ ہے وہ باقر صاحب؟" لڑکی نے رک کر پیچھے کھڑے آدمی کو مخاطب کیا' مگر دیکھ وہ ابھی تک نجمی صاحب کو رہی تھی۔

"اوور ہیڈ ہے میم!" انہوں نے فوراً بتایا۔

"بالکل! اوور ہیڈ تعمیر ہو رہا ہے وہاں اور کیا آپ جانتے ہیں کہ اس میں سینڈ (sand) اور سلٹ (Slit) استعمال ہو رہا ہے' اور وہ بھی کس کی جگہ؟ Crasher میٹریل کی جگہ!"

نفیس سے نقاب سے جھلکتی اس کی بڑی بڑی' سیاہ آنکھیں مسکرائی تھیں۔ نجمی صاحب نے سگریٹ والا ہاتھ نیچے کر دیا۔ ان کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے اور وہ پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

"آپ اس اوور ہیڈ سے دو میل دائیں چلے جائیں۔ تو ایک سکس اسٹار ہوٹل زیر تعمیر نظر آئے گا' اس کی تکمیل آخری مراحل میں ہے' مگر اس کے مالکان کو یہ علم نہیں ہے کہ اس کی روفنگ (roofing) اور واٹر پروفنگ میں سب اسٹینڈرڈ میٹریل استعمال کیا گیا ہے۔ بے حد سستا اور گھٹیا میٹریل۔" اس کی مسکراتی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

نجمی صاحب نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔" وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔ پیشانی پہ بلوں کا اضافہ ہونے لگا۔

"ایک روڈ بھی حال ہی میں مکمل ہوئی ہے اور اس کا بھی ان دونوں پروجیکٹس سے تعلق ہے۔" نگاہیں ان پہ جمائے وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"جو تعلق ہے' وہ آپ بہتر جانتے ہیں' میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ اس سڑک کے اطراف کو سیمنٹڈ (Cemented) نہیں کیا گیا اور اندر ہولز چھوڑ دیے گئے ہیں۔ وہ کون سا مسئلہ ہو گا جو سب سے پہلے چند دن میں منظر عام پہ آئے گا باقر صاحب؟"

نجمی صاحب کو اپنے سابقہ انداز میں دیکھتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ وہ اسی تابع داری سے بولے۔

"ڈرین ایج کا مسئلہ میم!"

"بالکل! ڈرین ایج کا مسئلہ۔ مگر سب سے بڑا مسئلہ کون سا ہو گا؟ انسپکشن کا مسئلہ۔ چار انسپکشن ٹیمیں ان تینوں پروجیکٹس کو چند روپے رشوت لے کر اپروو کر چکی ہیں' لیکن وہ کیا ہے نجمی صاحب! کہ جو ہمارا میڈیا ہے نا' وہ ذرا سی ریٹنگ کے لیے ایسی خبروں کو خوب اچھالتا ہے اور یوں اس وینڈر کی ساکھ تباہ ہو کر رہ جاتی ہے' بالخصوص تب جب ان کے ہاتھ ڈاکومنٹس پروف بھی لگ جائے۔۔۔ باقر صاحب!"

اس نے انگلی سے اشارہ کیا تو باقر صاحب نے چند کاغذات میز پہ رکھے۔ نجمی صاحب ان کو اٹھانے کے لیے آگے نہیں بڑھے۔ وہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے بولے۔

"مجھ پہ ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"ارے!" اس کی سیاہ آنکھوں میں حیرت ابھری۔ "آپ کی بات کس نے کی؟" پھر وہ ذرا سا مسکرائی۔ "میں تو اپنی سپلائی کی بات کر رہی تھی۔ کل ہفتہ ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ سوموار کی صبح مجھے اپنی کنسٹرکشن سائٹ پہ سپلائی کی بحالی کی خبر مل جائے گی۔" اپنا پرس اٹھاتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی۔

"اور وہ بھی میری پرانی قیمت پہ۔ چلیں باقر صاحب!"

وہ مزید کچھ کہے بنا پلٹی' ادھیڑ عمر صاحب نے آگے بڑھا کر دروازہ کھولا۔ وہ ان ہی سبک قدموں سے چلتی باہر نکل گئی۔

سگریٹ نے نجمی صاحب کی انگلی کو جلایا تو وہ چونکے' پھر غصے سے اسے ایش ٹرے میں پھینکا اور میز پہ رکھے کاغذات اٹھائے۔

جیسے جیسے وہ انہیں پڑھتے جا رہے تھے' ان کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے آپ کو ایک اچھی خبر دینی تھی جنٹلمین!" میٹنگ کے آغاز پہ اس نے مسرور و مطمئن انداز میں انہیں مخاطب کیا جو اپنے سابقہ رویے کو برقرار رکھے اس کی طرف متوجہ تھے۔

"ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ وینڈر عارف نجمی نے سپلائی بحال کر دی ہے اور وہ بھی پرانی قیمت پہ۔"

"واقعی؟" فرقان تایا حیران ہوئے تو زاہد چچا سیدھے ہو بیٹھے۔

"مگر اس نے تو اس روز فنانس ڈپارٹمنٹ کے رؤف صاحب سے خاصی بدتمیزی کی تھی اور وہ سراسر بلیک میلنگ پہ اترا ہوا تھا۔ میں نے خود اسے فون کیا تھا

برطانیہ میں مقیم سات شعری مجموعوں کے خالق محبتوں کے خوش نوا شاعر

سوہن راہی

کے سُندر، کومل، مدھر گیتوں کا تازہ مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔

سوہن راہی گیت نگاری میں ایک بڑا نام ہیں، انہوں نے گیت کے کینوس کو بڑی وسعت اور کشادگی عطا کی ہے، انہوں نے سُر سنگیت کے سوتوں سے گیت کی نئی دنیائیں تخلیق کی ہیں۔

افتخار عارف

گیتوں کی قدیمی روایت میں پیشِ نظر گیتوں کے دل کی دھڑکن اور معاشرتی شعور کا نرم و نازک اسلوب سوہن راہی کا افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فاخر حسین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Idara-e-Adab London

63 - Hamilton Avenue Surbiton,
Surry, KT67PW. U.K.
Phone: 0044-0208-397-0974

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر وہ تو سیدھے منہ بات کرنے کا روادار بھی نہیں تھا۔"

"پھر آپ کو بلیک میلرز سے نپٹنے کا فن سیکھ لینا چاہیے سر! کیونکہ میں نے اس سے بات کی ہے اور وہ غیر مشروط طور پہ سپلائی بحال کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔"

زاید چچا خاموش ہو گئے۔ ان کے لیے یہ سب خاصا غیر متوقع تھا۔ اگر سلیمان صاحب ان کو آگر بتاتے کہ انہوں نے وینڈر کو راضی کر لیا ہے تو انہیں حیرانی نہ ہوتی کیونکہ وہ اس قابل تھے بھی تو اپنے بڑے بھائی سے زیادہ مضبوط شیئر ہولڈر اور ایم ڈی تھے مگر حیا۔۔۔؟ یہ بات نگلنا بھی دشوار تھا۔

"آپ کو گرین ہاؤس اسکیم کے لیے بجٹ کم پڑ رہا تھا' اس لیے میں نے بجٹ کوری شیپ کیا ہے۔" وہ اپنے کاغذات آگے پلٹ کرتانے لگی۔ "ہمیں جتنی رقم چاہیے' وہ ہمارے بجٹ کے اندر ہی پوری ہو سکتی ہے اگر ہم فالتو لوازمات کو نکال دیں۔"

"مطلب؟" تایا فرقان نے ابرو اٹھائے۔

"ہم ہر سال تمام شیئر ہولڈرز کو سالانہ پروفٹ کا ایک منقسم حصہ دیتے ہیں' جبکہ بہت سی کمپنیاں شیئر ہولڈرز کو سالانہ پروفٹ dividend دینے کے بجائے اس کو ری انویسٹ کرتی ہیں۔ ہم بھی اس دفعہ شیئر ہولڈرز کو وہ حصہ دینے کے بجائے اسے اس پروجیکٹ میں لگا دیں گے۔"

"مگر اس طرح تو مطلوبہ رقم پوری نہیں ہو گی۔"

"ولید! آپ ان کو بات مکمل کرنے دیں۔" سیٹھی صاحب نے پہلی دفعہ ولید کو ٹوکا۔ پہلی دفعہ بورڈ میٹنگ میں اس کی سائیڈ لی گئی تھی۔ سب خاموش ہوئے تو اس نے کہنا شروع کیا۔

"ہم اپنے بجٹ کا پندرہ سے بیس فیصد حصہ مارکیٹنگ اور ایڈورٹائزمنٹ پر خرچ کرتے ہیں۔ ہم فی الحال بھی یہی کر رہے ہیں۔ ہم مارکیٹنگ کر رہے ہیں تاکہ مستقبل میں ہمیں پروجیکٹس ملیں۔" وہ لمحے بھر کو رکی۔ لمبی میز کے گرد موجود تمام ایگزیکٹیوز اب واقعتاً بغور اسے سن رہے تھے۔

"مستقبل کے پروجیکٹس جو ابھی ملے نہیں اور جن پہ کام کرنے کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں' ان کے لیے ہم اپنے حالیہ پروجیکٹ کو قربان نہیں کر سکتے۔ میں نے مارکیٹنگ بجٹ کو گھٹا کر پانچ فیصد کر دیا ہے۔ یوں ہم بہ آسانی وہ رقم آہستہ آہستہ اس پروجیکٹ میں منتقل کر سکتے ہیں۔ کیا کسی کو کوئی اعتراض ہے؟"

پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے اس نے ذرا مسکرا کر خاموش پڑے کانفرنس روم پہ نگاہ دوڑائی۔ وہ جانتی تھی کہ اب کوئی اس پہ اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا انتخاب درست ثابت کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج تایا فرقان کے گھر حیا کے دادا کی برسی کی قرآن خوانی تھی۔ خیرات کی دیگیں الگ تھیں۔ سب مدعو تھے' سوائے اس کے۔ اس کو جانے خواہش بھی نہیں تھی۔

وہ مغرب پڑھ کر لاؤنج میں آئی تو فاطمہ' جہان سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

"اچھا! میں جا رہی ہوں۔" سرسری سا مطلع کر کے وہ باہر نکل گئیں۔ پھپھو پہلے ہی جا چکی تھیں۔ ابا کمرے میں سو رہے تھے۔ ان کے پاس نرس تھی۔

وہ خاموشی سے صوفے پہ آ بیٹھی اور ٹی وی کا ریموٹ اٹھایا۔ کنکھیوں سے اس نے لاؤنج کی بڑی کھڑکی کے پار اماں کو لان عبور کرتے دیکھا۔ وہ اس سے ناراض نہیں تھیں' بات بھی ٹھیک سے کرتیں مگر ایسے جیسے کہ انہیں بہت دکھ پہنچایا گیا ہو۔

باہر بجلی زور کی چمکی۔ پل بھر کو کھڑکیوں کے باہر سارا لان روشن ہو گیا۔ پھر اندھیرا چھا گیا۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے اس کے سامنے آ بیٹھا۔ حیا نے ٹی وی نہیں چلایا۔ وہ ریموٹ پکڑے بیٹھی بس اس کو دیکھتی رہی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا شاید۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اماں کیا کہہ رہی تھیں؟" اس نے بظاہر سرسری سے انداز میں پوچھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ جہان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ نیلی جینز پہ سیاہ ٹی شرٹ پہنے، گیلے بالوں کو پیچھے کیے، وہ جیسے کہیں جانے کے لیے تیار لگ رہا تھا۔

"وہ چاہتی ہیں کہ میں تمہیں سمجھاؤں کہ تم یہ برقع وغیرہ چھوڑ دو۔" وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔ اس کی پشت پہ لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکی پہ ٹپ ٹپ قطرے گرنے لگے تھے۔ تاریک پڑا آسمان پہلے ہی بادلوں سے ڈھک چکا تھا۔

"تو تم نے کیا کہا؟" وہ اسی طرح مطمئن سے انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی جیسے وہ اپنے آفس میں بیٹھا کرتی تھی۔

"بات تو ٹھیک ہے ان کی۔ تم ایک برقعے کے لیے اپنے اتنے رشتے نہیں کھو سکتیں۔"

ماہر بادل زور سے گرجے تھے۔ کھڑکی کے شیشوں پہ تڑاتڑ گرتے قطروں کی اب آوازیں آنے لگی تھیں۔

"دوسروں کو چھوڑو، تم اپنی بات کرو جہان۔ کیا تم بھی میرے حجاب سے خوش نہیں ہو؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی تو اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"اگر میں کہوں کہ میں نہیں ہوں، تب؟ اگر میں کہوں کہ تم میرے لیے اسے چھوڑ دو، تب؟"

دور کہیں زوردار آواز آئی تھی۔ جیسے بجلی گرنے کی ہوتی ہے۔ جیسے صدمہ پہنچنے کی ہوتی ہے۔

"کیا تم مجھے چوائس دے رہے ہو؟" یکایک اس کی آواز میں سرد مہری در آئی۔

"اگر میں کہوں، ہاں، تب؟"

وہ اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی دیوار گیر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اس نے سیاہ لمبی قمیص اور چوڑی دار پہن رکھا تھا۔ بال بھی سیدھے کمر پہ گر رہے تھے۔ قمیص اور بالوں کے رنگ کا فرق غیر واضح سا تھا۔ سیاہی جس کا نہ آغاز تھا نہ اختتام۔

"مجھے بھی کسی نے کہا تھا کہ خندق کی کوئی جنگ بنو قریظہ کے بغیر وجود میں نہیں آئی اور تب میں نے سوچا تھا کہ میرے سارے قرابت دار تو میرے ساتھ ہی ہوں گے۔" وہ بھیگتے شیشے کے پار تاریک لان کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔

"تایا ابا، حجاب کے سب سے بڑے علم بردار، اماں جن کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤں اور میرا شوہر جو روز صبح فجر پڑھنے مسجد جاتا ہے، لیکن آج مجھے پتا چلا ہے کہ عائشے ٹھیک کہتی تھی۔ خندق کی جنگ بنو قریظہ کے بغیر وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔"

بارش کے ٹپ ٹپ گرتے قطرے شیشے سے لڑھک کر زمین پہ گر رہے تھے جب بجلی چمکتی تو پل بھر کو ان میں قوس قزح کے ساتوں رنگ جھلکتے اور پھر اندھیرا چھا جاتا۔ وہ صوفے سے نہیں اٹھا تھا۔ بس گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"اگر میں لوگوں کے لیے حجاب لیتی ہوتی تو لوگوں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

تم ہنستی اچھی لگتی ہو

فرحت اشتیاق

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کہنے پہ چھوڑ بھی دیتی، لیکن میں اب نہیں چھوڑ سکتی۔" آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گال پہ پھسلتا گیا۔

"کیوں؟ میں یہی نہیں سمجھ پارہا کہ آخر کیوں؟" وہ اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ بادل ابھی تک گرج رہے تھے۔

حیا نے جواب نہیں دیا۔ اس نے ایک نظر جہان کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر کونے میں رکھی منی پلانٹ کی سبز بوتل اٹھائی۔ پودے کی بیل جھٹک کر نکال پھینکی اور بوتل کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے دیوار پہ مارا۔ کانچ ٹوٹا۔ ٹکڑے گرتے گئے اور ایک نوک دار بڑا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔

"یہ پکڑو۔۔۔" اس نے بوتل کی گردن کا وہ ٹکڑا جہان کی طرف بڑھایا۔ "اور جاکر اپنی ماں کی گردن اتار دو۔"

"حیا!" اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ حیا نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا اور آخری ٹکڑا باقی ماندہ کرچیوں پہ پھینک دیا۔

"نہیں کرسکتے نا؟ کانپ اٹھتا ہے نا دل؟ لگتا ہے نا جیسے آسمان پھٹ پڑے گا؟ اگر تم نے ایسا سوچا بھی؟" اس نے گردن موڑ کر بھیگی آنکھوں سے باہر برستی موسلا دھار بارش کو دیکھا۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" وہ بولی تو اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری تھی۔ "مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جہان! اللہ نے امانت کو آسمان و زمین پہ پیش کیا تھا، مگر دونوں نے اسے اٹھانے سے انکار کردیا تھا اور اسے انسان نے اٹھالیا تھا۔ تمہاری ماں، ایک انسانی جان تم پہ امانت ہے۔ ایسے ہی مجھ پہ میرا وعدہ امانت ہے۔ میں نے زندگی میں بس ایک دفعہ کوئی وعدہ کیا تھا اللہ تعالیٰ سے۔ کوئی مجھے اسے نبھانے کیوں نہیں دیتا؟"

بجلی نے اپنی چاندنی پھر سے ہر سو بکھیر دی۔ بس لمحے بھر کی چاندنی اور پھر۔۔۔ اندھیری رات چھا گئی۔

"مجھے کسی نے کہا تھا کہ دل مارے بغیر نور نہیں ملتا اور میں سوچتی تھی کہ نور کیا ہوتا ہے؟ جانتے ہو نور کیا ہوتا ہے؟" آنسوؤں نے گلے میں پھندا ڈال دیا تھا، دم گھونٹنے والا پھندا۔

"نور قرآن ہوتا ہے۔ اللہ کا حکم جن کو پورے کا پورا لیا جاتا ہے۔ ایک حصہ لے کر دوسرے سے انکار نہیں کیا جاتا جہان! میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ اللہ کیوں کہتا ہے کہ اگر وہ قرآن کو پہاڑ پہ نازل کرتا تو وہ ٹوٹ جاتا۔ مجھے کبھی اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ مگر آج آگئی ہے۔"

گرم، ابلتے آنسو اس کی ٹھوڑی سے پھسلتے ہوئے، گردن تک لڑھک رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی اور وہ اسے۔

"جانتے ہو پہاڑ کیوں ٹوٹتا؟ کیونکہ وہ قرآن کو پورے کا پورا لیتا۔۔۔ اور جو شخص قرآن کو پورے کا پورا اپنے دل پہ اتارتا ہے نا، اسے ایک بار تو ٹوٹنا پڑتا ہے۔" اس نے جلتی آنکھیں بند کیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ پل بھر کو بجلی چمکتی بھی تو اسے پروا نہیں تھی۔

"لوگوں نے مجھے اس لیے چھوڑا، کیونکہ میں نے اللہ کو نہیں چھوڑا۔۔۔ تو مجھے واقعی ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں چاہیے۔"

اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ واپس پلٹ رہا تھا۔ اس نے دھندلی بصارت سے گردن موڑ کر اس شخص کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھا، جس سے اس نے زندگی کا ایک حصہ محبت کرنے میں گزارا تھا۔ وہ اوپر چلا گیا، مگر حیا اسی طرح سیڑھیوں کو دیکھتی رہی۔

چند منٹ بعد وہ اترتا دکھائی دیا۔ اس کا دستی بیگ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بنا اس کی طرف دیکھے، بنا کچھ کہے، باہر نکل گیا۔ اس نے اسے نہیں روکا، آواز تک نہیں دی۔ دے ہی نہیں سکی۔ آنسوؤں نے ہر راستہ روک دیا۔ وہ جارہا تھا۔ وہ جانے کے لیے ہی تو آیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صباسحر

میرے سنگ سنگ دھنک

ناولٹ

"ہوہو..... ہاہا..... ہاہاہا..... کیا حکم ہے میرے آقا..... وہ سچ مچ کا جن تھا، مگر میں اس سے ذرا بھی نہیں ڈری، بلکہ الٹا میں نے اسے ڈانٹ دیا۔"

"تم نے جن کو ڈانٹ دیا؟" لڈو کی ڈرائنگ بناتے ہوئے صندل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں تو اور کیا، تمہیں پتا ہے میں بدتمیزی بالکل برداشت نہیں کرتی۔"

"جن نے تمہارے ساتھ کیا بدتمیزی کی تھی؟"

صنوبر بھی نیل پالش لگانا بھول گئی۔

"اس نے مجھے آقا کیوں کہا..... میڈم کیوں نہیں کہا؟" وہ دھپ سے صنوبر کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

"مگر تم نے صرف ڈانٹا کیوں اسے..... سزا کیوں نہیں دی بیا!" صنوبر لطف لینے لگی۔

"وہ..... بس ایسے ہی..... مجھے ترس آگیا تھا اس پر۔" بوکھلا گئی۔

"ہاں یہ بات تو صحیح ہے۔ رحم دل تو بہت ہو تم۔" صنوبر نے متاثر ہونے کی اداکاری کی اور ——— نیل پالش کا برش اٹھا کر دوبارہ اپنے ناخنوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"جن کو معاف کردیا۔ اس سے بڑی رحم دلی اور کیا ہوگی۔" صندل نے ڈرائنگ بناتے ہوئے سر دھنا۔

"حالانکہ اس نے بدتمیزی کی تھی۔" صنوبر نے ناخنوں پر برش پھیرتے ہوئے کہا۔

"کوئی اور ہوتا تو ڈر کے بھاگ جاتا۔" صندل نے پینسل چھیلتے ہوئے کہا۔

"مگر ہماری بیا بزدل تھوڑا ہی ہے۔" صنوبر نے ناخنوں پر پھونک مار کر کہا۔

"بکواس نہ کرو تم دونوں۔ ویسے ہی میرا موڈ آف ہے۔" اس نے صندل کو کشن کھینچ کر مارا۔

"جن کو ڈانٹ کر بھی تمہاری تشفی نہیں ہوئی۔ تم کیا اسے بوتل میں بند کرکے یہاں لانا چاہ رہی تھیں۔" صندل نے کشن کیچ کرلیا۔

"میں سوچ رہی ہوں اسے سزا دے ہی دیتی۔" اس نے صنوبر کی نیل پالش اٹھالی۔

"تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ ابھی بلالو ارمان کو۔" صندل نے فوراً مشورہ دیا۔ جواباً اس نے ایک اور کشن صندل کو دے مارا۔ اس نے وہ بھی کیچ کرلیا۔ ان تینوں کے درمیان پھیلے جناتی فسوں کو لڈو کی تیز آواز نے توڑا۔

"آپی! میری ڈرائنگ بن گئی؟" وہ چونک گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گہرے رنگ کا لڈو صرف نیکر پہنے اسی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اس کا نام لڈو کے بجائے گلاب جامن ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔" اس نے غور سے لڈو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"آپی! یہ لیں حلوہ۔ امی نے بھجوایا ہے اور آپ نے لڈو کی ڈرائنگ بنادی۔ میری نہیں بنائی۔"

لڈو کے ہم عم اور ہم رنگ بھائی نے صندل کے قریب آکر لاڈ سے شکوہ کیا۔

"لڈو کی امی اپنے بچوں کی پیدائش پر افریقہ چلی جاتی ہیں کیا؟"

گونگلو کی آمد پر اس نے باری باری دونوں بچوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور حلوے کا پیالا اٹھالیا۔ وہ دونوں اس کی بات سمجھ کر ایک بار پھر زور سے ہنس پڑیں۔

"بری بات بیا!" صندل نے اسے ٹوکا' پھر بچوں سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں گونگلو! میں نے تمہاری بھی بنائی ہے' دیکھو!" اس نے دو ڈرائنگ بکس دونوں بچوں کی طرف بڑھائیں۔ دونوں نے آگے بڑھ کر لی اور وہیں بیٹھ کر شوق سے دیکھنے لگے۔

"حلوہ مزے کا ہے۔" اس نے چمچہ بھر کر کھاتے ہوئے کہا۔

"لڈو کی امی افریقی کھانے بہت اچھے بناتی ہیں۔" صندل نے کہا۔ صنوبر زیر لب مسکرادی۔

"حلوہ افریقی ڈش ہے؟" اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔ "افریقی ہو یا جاپانی' تم چپ کر کے کھاؤ۔" صنوبر نے دو' تین چمچے کھانے کے بعد اپنا چمچہ الگ رکھا اور صوفے پر سے اٹھ گئی۔ صندل بھی اٹھ کر اپنے پاس جمع ہو جانے والے کشن ان کے ٹھکانے پر رکھنے لگی۔ وہ حلوہ صاف کرنے میں مصروف تھی۔

"تم دونوں کی ڈرائنگ بن گئی تو چلو۔"

بھاری' مردانہ' کرخت آواز پر اس نے یوں ہی پلٹ کر دیکھا۔ حلوے کا پیالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ زور کی چیخ ماری اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگی۔ صندل اور صنوبر ہڑبڑا کر متوجہ ہوئیں۔ لڈو اور گونگلو بھی دہشت زدہ سے ہو کر اپنی بکس چھوڑے باہر کی جانب لپکے' جبکہ اشفاق بھائی حیرت سے منہ کھولے یہ ساری افراتفری دیکھ رہے تھے مگر سمجھنے سے قاصر تھے۔

"کیا ہوا اشفاق بھائی!" صنوبر تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"میں بھی یہی پوچھنا چاہ رہا ہوں۔" انہوں نے بھی حیرانی سے صنوبر کو دیکھا۔ وہ بتانے والی کیفیت میں نہیں تھی۔ صندل نے صورت حال کا اندازہ لگایا اور اس کے کان میں کہا۔

"بیا نے اشفاق بھائی کو دیکھ کر چیخ ماری ہے۔"

"کیوں؟" صنوبر نے فوراً" کہا' مگر اشفاق بھائی کو دیکھ کر فوراً" سمجھ بھی گئی۔ لمبے تڑنگے' کالے بھجنگ اشفاق بھائی کو دیکھ کر بیا کو یقیناً "جن یاد آگیا ہوگا۔

"لیکن وہ تو جن سے نہیں ڈری تھی۔" صنوبر نے سرگوشی میں کہا۔

"صنوبر! وہ ہماری بیا ہے۔ وہ کبھی بھی' کچھ بھی کہہ بھی سکتی ہے اور کر بھی سکتی ہے۔"

"اوہ!" صنوبر نے سمجھ کر سر ہلایا۔ ان دونوں کی کھسر پھسر پہلے تو اشفاق بھائی دیکھتے رہے' پھر جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو چپ چاپ مڑ گئے۔ ان کے دونوں بچے پہلے ہی شور مچاتے ہوئے بھاگ گئے تھے۔ اب نبیہا کو ڈھونڈنا تھا کہ وہ بھاگ کر کہاں پہنچی ہے۔

☆ ☆ ☆

"بڑے بھائی! نانو کا گھر کب آئے گا۔"

"بس چھوٹے بھائی! آنے ہی والا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے اسٹیشن سے نانو کے گھر تک جانے کے لیے بھی ایک ٹرین پکڑ لیتے۔"

"ٹرین...! کیا تم جلدی پہنچنا چاہتے ہو... میں سمجھا تھک گئے ہو۔"

ارسل نے عمر کے تھکن سے پسینہ پسینہ ہوتے چہرے کی طرف گردن موڑ کر دیکھا۔ خود اس کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں مسلسل دو گھنٹے سے پیدل چل رہے تھے۔ ہر آدھے گھنٹے بعد عمر یہی پوچھتا اور وہ بھی یہی جواب دے دیتا۔

عمر نے خفگی سے ارسل کو دیکھا۔ جسے اس کی تھکن نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے اپنا بیگ دوسرے کندھے پر منتقل کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے ممما سے صحیح ایڈریس لیا تھا نا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھٹک گئے ہوں۔"

"ہاں لے لیا تھا۔ پاپا نے کہا تھا' نانو کا گھر تقریباً" آٹھ' دس میل دور ہے اسٹیشن سے... اور ابھی تو ہم صرف تین' چار میل ہی چلے ہوں گے... ہے نا تمہارا کیا خیال ہے؟"

ارسل نے اطمینان سے کہا۔ عمر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے اپنا بیگ زمین پر پٹخ دیا۔

"تھوڑی دور... تھوڑی دور کہہ کر تم مجھے تین میل سے پیدل چلا رہے ہو۔ تم ٹیکسی نہیں کر سکتے؟" اس نے زمین پر زور سے پاؤں مار کر اپنے غصے کا اظہار کیا۔

"یار! میں نے سوچا تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گی۔ ٹرین میں اٹھارہ گھنٹوں سے بیٹھے تھے۔ کمر اکڑ گئی تھی... پھر پاپا بھی تو کہہ رہے تھے کہ تم موٹے ہو رہے ہو... سو واک ہو گئی تھوڑی سی بس۔" ارسل نے سکون سے کہا اور عمر ایک بار پھر سلگ گیا۔

"میں موٹا ہو رہا ہوں... میں؟" اس نے شرٹ سے نکلتی ہوئی ارسل کی چھوٹی سی توند دیکھی اور ساری جان سے جل گیا۔

"تمہارا بس چلتا تو مجھے لاہور سے ہی پیدل چلا کر لاتے۔" وہ بنگلوں کے سامنے سڑک کے عین بیچ میں کھڑا تھا۔ "میں پہلی دفعہ آیا ہوں۔ اس لیے تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔"

"بس چھوٹے بھائی! آنے ہی والا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا' تم اتنی جلدی تھک جاؤ گے۔ اور اب تو تم اتنے بڑے بھی ہو گئے ہو کہ میں تمہیں گود میں بھی نہیں اٹھا سکتا۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ البتہ پیشانی پر اس کے بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"میں ٹیکسی روک پر رہا ہوں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"ان گلیوں میں ٹیکسی نہیں ملے گی یار! صبر کرو نا۔ جوان آدمی ہو اور اتنی جلدی تھک گئے۔ اتنی تو لڑکیاں بھی نازک نہیں ہوتیں۔" وہ عمر سے چند قدم آگے ایک گھر کے پیڑ کے سائے میں کھڑا تھا۔

"سچ بتاؤ! ابھی تمہارے ساتھ کوئی لڑکی ہوتی تو تم اسے اتنا پیدل چلاتے؟" اس نے جل کر پوچھا۔

"بڑے بھائی کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہو؟ کیسے چھوٹے بھائی ہو۔ آستین کا سانپ لگ رہے ہو اس وقت۔" ارسل الٹا اس پر ناراض ہونے لگا۔

"تم اپنے صرف پانچ منٹ بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ خوامخواہ رعب ڈال رہے ہو۔"

عمر نے بے بسی سے کہا۔ وہ پہلی دفعہ کراچی آیا تھا۔ جبکہ ارسل اس سے پہلے بھی ایک دفعہ آچکا تھا اور اس وقت وہ اپنا حافظہ آزما رہا تھا۔ وہ مکمل تفریح کے موڈ میں تھا مگر عمر کو ایسی سیاحت کا کوئی شوق نہیں تھا۔

"اور تم صرف پانچ منٹ چھوٹے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ خوامخواہ لاڈ دکھا رہے ہو۔"

اس نے ٹہنی جھکا کر ایک پھول توڑ لیا۔ عمر وہیں دھوپ میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آیا۔ اس کے کان کے پیچھے پھول پھنسایا اور اس کا بیگ اٹھا کر اس کے کندھے پر جما کر پیار سے بولا۔

"بس چھوٹے بھائی! یہ چار گلیاں چھوڑ کر اپنی نانو کا گھر ہے۔"

"چار گلیاں... شیطان کی آنت جیسی لمبی لمبی چار گلیاں ابھی مزید باقی ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ایک بار پھر اپنا پاؤں پٹخا۔ ارسل چار چھ قدم آگے بڑھ چکا تھا۔ عمر کو منہ بنائے وہیں کھڑے دیکھ کر پلٹا اور ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔

"چل نا یار! حوصلہ پکڑ، وہ دیکھ! وہ براؤن کلر کا بنگلہ..... بس آگیا۔"

اس نے پچکارا، عمر نے دیکھا، جہاں وہ اشارہ کر رہا تھا۔ وہ ابھی بھی بہت دور تھا۔ اس نے زچ ہو کر ارسل کو گھورا۔ اس کے گرمی سے سرخ ہوتے چہرے پر اطمینان تھا۔ سامنے ایک لمبی سڑک تھی۔ جس میں بارش کا پانی کھڑا ہوا تھا۔ ارسل فوراً بنگلوں کے آگے بنی فٹ پاتھ پر چڑھ گیا۔ عمر احتجاجاً اس کھڑے ہوئے پانی میں چلنے لگا۔ ارسل نے دیکھ کر مسکراہٹ دبائی۔ اگر عمر دیکھ لیتا تو وہ یقیناً اسے بھی کھینچ لیتا۔

"دیکھنا! واپسی پر میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔" اس نے دھمکایا۔ ارسل نے کوئی جواب نہیں دیا اور نا راض بھائی کا ہاتھ پکڑ کر گنگنانے لگا۔

"میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا!
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا....."

☆ ☆ ☆

"تم نے تاج برادرز کو انوائس ابھی تک نہیں بنائی۔ نہایت سست آدمی ہو تم۔" مجیب صاحب سخت غصے میں تھے۔ ارمان ان کے سامنے منہ بنائے بیٹھا ہوا تھا۔

"جاؤ ابھی پانچ منٹ میں تیار کرو..... اور مہران ٹریڈرز کی فائل لے کر آؤ۔ کیا شرائط ہیں ان کی۔ اگر ہم مان لیں تو..... ہمیں ان کے ساتھ بزنس کرنا ہے۔"

"سر! ان کے ساتھ بزنس کرنا ہمیں بلکہ آپ کو بہت مہنگا پڑے گا۔ بہتر ہوگا آپ ان کے ساتھ بزنس نہ کریں۔" ارمان نے نہایت اطمینان سے مشورہ دیا۔

"وہ کیسے؟" انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھائی۔

"سر ان کی شرائط بہت کڑی ہیں۔"

"پتا چلے۔" مجیب صاحب ذرا متوجہ ہوئے۔

"نہیں سر! مجھے شرم آرہی ہے۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ اگر آپ نے ان کے ساتھ بزنس کیا تو آپ مجھ جیسا گوہر نایاب کھو دیں گے۔" اس نے اترانے کی کوشش کی۔

"پھر تو میں ان کے ساتھ ضرور بزنس کرنا چاہوں گا۔" انہوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"سر! اچھی طرح سوچ لیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہاں تین، تین لاشیں ایک ساتھ گریں گی۔" ارمان نے میز پر مکا مارا۔

"تیسری کس کی ہوگی؟" انہوں نے چشمہ اتار کر اب صحیح سے اسے گھورا۔

"پہلی دو معلوم ہیں آپ کو؟"

"شٹ اپ!" انہوں نے دوبارہ چشمہ لگالیا۔

"تیسری لاش آپ کی ہوگی..... آپ کی ہوگی سر! ایک ظالم شخص کی۔" اس نے پھر میز پر مکا مارا۔

"میری کیوں ہوگی؟" انہوں نے چونک کر چشمہ اتار لیا۔

"آپ پچھتائیں گے اس وقت اور خود کو شوٹ کرلیں گے۔" اس نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے یقین سے کہا۔

"مجھے پچھتاوا نہیں ہوگا۔" انہوں نے اطمینان سے کہہ کر پھر چشمہ لگالیا۔

"لیکن خودکشی آپ کو کرنی پڑے گی سر!" وہ روانی میں کہہ گیا۔ مجیب صاحب نے چشمے کی اوٹ سے پھر اسے گھورنا شروع کیا۔

"تم بالکل اضافی شخص ہو ارمان! میرے دفتر میں بھی اور میرے خاندان میں بھی..... جاؤ اور مہران ٹریڈرز کی فائل لا کر دو مجھے فوراً۔"

"سر! میں آپ کی بیگم کی بھانجی کا ہونے والا شوہر ہوں۔ آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے۔"

اس نے میز پر مارنے کے لیے پھر ہاتھ اٹھایا، مگر اس وقت ہاتھ میں پیپر ویٹ تھا، سو آرام سے رکھ دیا۔

"اف میرے اللہ! تم مجھے پاگل کردو گے ارمان! کیا

شرائط ہیں ان کی۔" انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"سر! ان کی پہلی شرط یہ ہے کہ آپ ان کی سیکریٹری سے اپنے مینیجر کی شادی کردیں۔" اس نے اپنے چہرے کے زوایے یوں بگاڑے جیسے بہت زود رنج ہو۔ مجیب صاحب نے ایک لمحے کا توقف کر کے کہا۔

"اس میں مجھے کیا خسارہ ہے۔ بلکہ میری بھانجی کو بھی تم سے لاکھ درجے اچھا..... انسان مل جائے گا۔ مجھے اس پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جاؤ! اور انہیں او کے کردو۔"

"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں خالو!" وہ سٹپٹا گیا۔

"یو مے گو ناؤ۔" مجیب صاحب دھاڑے۔ وہ تلملاتا ہوا ان کے کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"کاش! ارمان جیسا ہمارا بھی ایک ایک منگیتر ہوتا۔" صندل نے میگزین میں ایک خوب صورت ہیرو کی تصویر دیکھی تو حسرت سے کہا۔

"ایک ایک سے کیا مطلب ہے تمہارا؟" صنوبر نے چونک کر پوچھا۔ وہ وہیں بیٹھی اپنا مینی کیور کر رہی تھی۔ اس کے دو ہی شوق تھے۔ کوکنگ اور گرومنگ۔

"ہمیشہ غیر اہم بات پر اٹکنا..... میں نے ارمان جیسا بھی تو کہا تھا۔ وہ نہیں سنا تم نے۔" صندل نے زور سے کہا۔

"اب اس پہ کیا اٹکنا۔ وہ تو ہماری بیا کے گھر لٹک گیا۔" اس نے شیمپو اور ڈینٹول ملے پانی سے ہاتھ نکال کر پونچھتے ہوئے کہا۔

"ہاں مگر ہمارے ڈیڈی کے پاس کام کرتا ہے۔ اس طرح پہلا حق تو ہمارا ہوا نا اس پہ۔" صندل نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ نظریں ابھی تک تصویر پر جمی تھیں۔

"ہاں یہ تو ہے..... مگر صندل! یہ بھی تو سوچو، ہمارے آفس میں کام کرتا ہے، اس طرح تو وہ ہمارا ملازم ہی ہوا نا۔ ہمارا اور اس کا کیا جوڑ؟"

پیارے بچوں کے لئے

پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت

قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے فائلز سے ناخنوں کو شیپ دیتے ہوئے اپنے تئیں بڑی اہم بات کی۔

"بری بات صنوبر! وہ بے شک ہمارے ڈیڈی کے پاس کام کرتا ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو، ڈیڈی اس پہ کتنا ٹرسٹ کرتے ہیں۔ پورا آفس اس نے سنبھالا ہوا ہے۔ ڈیڈی آدھے گھنٹے کی میٹنگ بھی اس کے بغیر نہیں کرتے... اور پھر وہ ہماری پیاری بیا کا منگیتر بھی تو ہے۔ اس اعتبار سے ہمارا اس پر کوئی حق نہیں ہوا۔"

صندل نے رسان سے اسے سمجھایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر موئسچرائزر لگانے لگی۔

"ویسے اس کی جوڑی بیا کے ساتھ ہی جچتی ہے۔"

دونوں کی نظروں میں ذہین، اونچا لمبا، خوش شکل اور خوش مزاج سا ارمان گھوم گیا۔ ساتھ ہی معصوم سی پیاری سی، نٹ کھٹ شرارتی سی نبیہا عرف بیا۔

"کیا ہوا... جو بیا کو لمبی لمبی ہانکنے کی عادت ہے۔"

اس کے ذکر پر صندل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ صنوبر نے بھی مسکرا کر اپنے ہاتھوں کو دور کرتے ہوئے تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ اس کا مینی کیور مکمل ہو چکا تھا۔ اس نے نیچرل نیل پالش کی شیشی اٹھائی ہی تھی کہ ثریا بیگم کی آواز آئی۔

"صندل... صنوبر!"

"جی دادو..." وہ دونوں وہیں سے چلائیں۔ صنوبر نے فوراً" ساری کاسمیٹکس بیڈ کے نیچے دھکیلیں اور بیڈ کی چادر درست کرنے لگی۔ صندل نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ سارے میگزین تکیے کے نیچے چھپائے اور خوامخواہ اپنے دوپٹے سے ٹیبل کلاک اٹھا کر جھاڑنے لگی۔ ثریا بیگم نے غور سے دونوں کی سرگرمی دیکھی۔ دونوں ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر صفائی میں مصروف تھیں، تاہم خاموش رہیں۔ جانتی تھیں کہ اس کے باوجود سارے کام اپنے وقت پر ہو جائیں گے۔

"میں یہ کہنے آئی تھی کہ پورے گھر کی صفائی کروالو، کشن پردے بدلواؤ اور کھانے کا بھی اہتمام کرلو۔"

"اوکے دادو! مگر اتنا اہتمام کس لیے... کس کی دعوت ہے؟"

"تمہاری پھپھو آرہی ہیں لاہور سے۔"

"ہیں دادو! واقعی؟" دونوں خوشی سے چیخیں۔

"کتنے عرصے بعد آرہی ہیں نا۔" صندل کی آواز میں بے تابی تھی۔

"کل آرہی ہے، عید یہیں کرے گی۔" ثریا بیگم کہہ کر جانے لگیں۔

"عید یہیں کریں گی تو اتنی جلدی آنے کی کیا ضرورت ہے۔"

صندل کے منہ سے پھسلا۔ انہوں نے پلٹ کر گھورا۔

"میرا مطلب ہے دادو! بہت اچھا کر رہی ہیں اتنی جلدی آکر۔ انہیں تو دو مہینے پہلے ہی آجانا چاہیے تھا۔" صندل نے سنبھل کر کہا۔

"اچھا دادو، مینو بتائیے۔ کیا، کیا بنانا ہے۔" صنوبر نے بات پلٹ کر ان کا دھیان بٹایا۔

"ہاں، کچن میں چلو۔ فریج میں دیکھو، کیا کیا ہے۔ جو چاہیے کریم سے منگوالو۔"

"جی دادو!" دونوں فرماں برداری سے ان کے پیچھے چل پڑیں۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو ڈبل ایس ٹریڈرز!"

"مجھے یہ حوالے مت دیا کرو۔ میں جانتی ہوں یہ میرے خالو کی کمپنی ہے۔"

"اور مجھے جانتی ہیں آپ... میں آپ کے خالو کا مینیجر کم... کمپیوٹر آپریٹر کم... ٹیلی فون آپریٹر کم..."

"ارمان! ہر وقت فضول باتیں نہ کیا کرو، کبھی کام کی بات بھی کرلیا کرو۔"

"بیا! تم بھی ہر وقت کام کی باتیں نہ کیا کرو، کبھی پیار کی بات بھی کرلیا کرو۔"

"اچھا چھوڑو! یہ بتاؤ کیا کر رہے تھے۔"

"حق ہا... مت پوچھو، تمہیں دکھ ہوگا۔"

"بتاؤ، پہلے کون سی خوشی ہوتی ہے۔" کھٹ سے جواب ملا۔

"اچھا ایسی بات ہے تو سنو! میں مہران ٹریڈرز والوں کی سیکریٹری کو اپنا پروپوزل بھجوا رہا ہوں۔" اس نے فون پر ہی آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

"کیا... دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ کیا فضول بول رہے ہو۔ میں ابھی خالو سے کہتی ہوں۔" وہ چیخی۔

"تمہارے خالو نے ہی کہا ہے۔ وہی ہمیں جدا کرنے کی پلاننگ کر رہے ہیں۔"

"وہ ایسا کیوں کریں گے۔ میرے خالو مجھے بہت چاہتے ہیں۔" وہ اترا کر بولی۔

"مگر میں تمہیں ان سے زیادہ چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر بتاؤ! اس عید پر تم مجھے کیا سرپرائز دے رہے ہو؟" فوراً" اٹھلا کر پوچھا گیا۔

"ہمیشہ کی طرح... ڈھیر ساری... دعائیں!"

دوسری طرف سے بھی فوراً" مسکرا کر جواب دیا گیا۔

"تم سے یہی امید تھی۔" وہ جل کر بولی۔

"نہیں، نہیں... سنو تو! اس دفعہ میں نے سوچا ہے، عید کی نماز پڑھتے ہی تمہارے گھر آجاؤں اور تین دن تک تمہارے گھر میں ہی رہوں۔ کیسا؟"

کافی دیر تک آگے سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"بیا... بیا! مجھے پتا ہے خوشی کے مارے تمہاری آواز نہیں نکل رہی... مگر واقعی میں نے اس دفعہ یہی سوچا ہے، تمہاری قسم۔ اور مجھے پتا تھا، تم خوشی کے مارے پاگل ہو جاؤ گی۔ پلیز اپنا خیال رکھو سوئٹ ہارٹ!"

"ارمان... تمہارا منہ دھلا ہوا ہے؟" بہت چبا چبا کر پوچھا۔

"آف کورس بیا! صبح نہاتا ہوں تو ساتھ ہی منہ بھی دھل جاتا ہے۔"

"سنو! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس دفعہ عید پر تم مجھے بکرا گفٹ کرو گے۔ سمجھے!"

"بکرا... تمہیں پتا ہے تمہارے خالو کتنے کنجوس ہیں۔" وہ اس کی فرمائش پر چیخ اٹھا۔

"میں تم سے بکرا مانگ رہی ہوں، خالو سے نہیں۔"

"مگر مجھے تنخواہ تو وہی دیتے ہیں نا، اور کتنی کم دیتے ہیں۔ تمہیں تو پتا ہے، آخر تمہارے خالو کی کمپنی ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا ارمان! یہ میری عزت کا سوال ہے۔" اس نے ناراضی سے کہا، پھر فوراً" التجا پر اتر آئی۔

"دیکھو! اس سے تمہارا بہت رعب پڑے گا سب پر۔ خالو بھی متاثر ہو جائیں گے۔ وہ تمہاری تنخواہ بھی بڑھا دیں گے۔ مہران والوں سے بھی تمہاری جان چھوٹ جائے گی اور میرا سر بھی فخر سے بلند ہو جائے گا۔"

"بیا! منگیتر کو عید پر بکرا دینا ایسا کام نہیں ہے، جس سے سر بلند ہو۔ میں بکرا گفٹ کروں گا... بکرا بناؤں گا نہیں۔"

"تم بکرا بناؤ، امپورٹ کرو، اگاؤ... مجھے نہیں پتا۔ مجھے صرف بکرا چاہیے۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ایک دفعہ پھر سوچ لو بیا! تمہیں بکرا چاہیے یا میں؟" اس نے جذباتی وار کیا۔

"بکرا..." اور فون بند ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"وہ تو گائے کہہ رہا تھا۔ میں نے ہی منع کر دیا۔" وہ آج پھر اپنی خالہ کے گھر میں تھی۔

"ہائے کیوں بیا! لے لینی تھی نا گائے... سچ! خوب مزا آتا، گھمانے لے جاتے اسے۔" صنوبر نے اشتیاق سے کہا۔

"دراصل میں اس پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔" نبیہا نے بہت پیار سے کہا۔

"اوہو! بڑا خیال ہے بھئی، کیا بات ہے۔" صندل نے کہا تو وہ ایک ادا سے مسکرا دی۔

"میٹھی عید پر بھی وہ مجھے ڈائمنڈ رنگ دے رہا تھا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر میں نے منع کردیا۔"

"ہاں اور پھر اس نے سونے کی لونگ بھی نہ دی۔" صنوبر نے اس کی بات کاٹ کر لقمہ دیا۔

اس نے کراہ سا جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ثریا بیگم کی آمد پر وہ دونوں ان کی طرف متوجہ ہوگئیں مگر نبیہا بریانی کھاتی رہی، جو وہ خود ان دونوں کے لیے لائی تھی۔

"دیکھو لڑکیو! انتظام صحیح کرلینا سب، کسی چیز کی کمی نہ ہو۔ کوئی الٹی سیدھی بات بھی نہ ہو۔ اپنی حرکتوں پر قابو رکھنا اور نبیہا کو بھی سمجھا دینا اچھی طرح۔ کوئی اول فول نہ بکے۔ سلمٰی کو برا لگ گیا تو پھر لینے کے دینے پڑجائیں گے۔ اتنی مشکلوں سے تو راضی ہوئی ہے۔"

انہوں نے نبیہا کو دیکھا نہیں تھا۔ ان کی بات پر وہ بریانی چھوڑ کر جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"میں اول فول بکتی ہوں دادو!" صنوبر اور صندل کی طرح وہ بھی ثریا بیگم کو دادو کہتی تھی۔

"اوہ! تو تم موجود ہو یہاں۔" وہ اس کی طرف گھومیں۔

"تو بھلا... میں بھی خوامخواہ حیران ہو رہی ہوں۔ تم تو دستیاب ہی یہیں ہوتی ہو۔"

ان کی بات پر صندل اور صنوبر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ اس نے تلملا کر منہ بنایا تو وہ کہنے لگیں۔

"ہاں تو کیا غلط ہے اس میں۔ ہر وقت یہیں پائی جاتی ہو اور اناپ شناپ بھی تم ہی بولتی ہو۔ کبھی صندل اور صنوبر کو دیکھا ہے الٹا سیدھا بکتے ہوئے۔"

انہوں نے ایک منٹ میں اچھا خاصا لتاڑ دیا اسے۔ وہ برے برے منہ بنانے لگی۔

"دادو! بیا کہہ رہی ہے ارمان اس دفعہ عید پر اسے بکرا گفٹ کر رہا ہے۔" صندل نے اشتیاق سے بتایا۔ ارمان کے نام پر اس کے ہونٹوں پہ دلفریب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اچھا... اسی نے فرمائش کی ہوگی اس بے چارے سے۔"

ثریا بیگم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ پھر غائب ہوگئی، جبکہ صندل اور صنوبر پھر قل قل کر کے ہنسنے لگیں۔ صنوبر قالین پر بیٹھی گلدان میں پھول سجا رہی تھی، وہیں لوٹ پوٹ ہوگئی۔ صندل دیوار پر نیا ڈیکوریشن پیس لگا رہی تھی، وہیں منہ پر ہاتھ رکھ کر کھی کھی کرنے لگی۔ نبیہا پاؤں پٹخ کر وہاں سے جانے لگی۔

"اب نہیں آؤں گی آپ کے گھر... اچھا دادو! سن لیں۔"

انہوں نے ذرا سا ہاتھ اٹھا کر لاپروائی سے ہلا دیا۔ وہ بھناتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی۔ صندل اسے آوازیں دیتی رہ گئی۔

"دادو! ناراض کردیا آپ نے اسے۔"

"اس کی ماں کا فون آیا تھا کام تھا کوئی، ایسے ہی کہتی تو گھنٹہ لگا دیتی جانے میں۔"

"اچھا طریقہ ہے اسے بھگانے کا۔" صنوبر پھر ہنسی۔

"اچھا اب تم دونوں بھی اپنی بتیسی بند کرو۔ سلمٰی آنے ہی والی ہوگی بس، تمہاری صفائیاں ختم نہیں ہوئیں ابھی تک... ذرا خود بھی نہا دھو کر فریش ہو جاؤ۔ اس حلیے میں نہ آجانا اس کے سامنے... ابھی کچن بھی دیکھنا ہے... اور ہاں! شام کے کھانے پر لڈو کی ماں کو بھی بلا لینا یاد سے۔ آخر کرائے داروں کا بھی حق ہوتا ہے۔"

وہ کہتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

"اے... کیا بدتمیزی ہے۔ شرم نہیں آتی دوسروں کے گھروں میں جھانکتے ہوئے۔"

نبیہا نے ایک جوان لڑکے کو گیٹ کے اوپر سے جھانکتے ہوئے دیکھا تو غصے سے ڈانٹتے ہوئے آگے بڑھی۔ جب تک عمر گیٹ کے اوپر سے ہاتھ ڈال کر کنڈی کھول چکا تھا۔ گیٹ کھلا تو ارسل بیگ اٹھائے اطمینان سے اندر بڑھ گیا۔ نبیہا پہلے غصہ کر رہی تھی، مگر جب دو لڑکوں کو اتنے اطمینان سے اندر گھستے دیکھا

تو ڈر گئی۔

ڈاکو... خیال آیا مگر نہ بھاگنے کی ہمت ہوئی، نہ چیخنے کی۔ وہیں بت بن گئی۔ ارسل نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک لمحے کو رک گیا۔ "چھوٹے بھائی!"

"جی بڑے بھائی!" عمر فوراً آگے بڑھا۔

"مما کو فون کردو... میں مہک کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔"

وہ نبیہا پر نظر جمائے کھڑا تھا۔ عمر نے ایک نظر ارسل پر ڈالی، پھر سامنے کھڑی لڑکی پر۔ اس کا انداز بھی ارسل جیسا تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب گیا۔

"کیا تمہاری مما کو بھی بول دوں؟" اس نے نبیہا کے کان میں کہا۔

"کون ہے بھئی!" ثریا بیگم کی آواز پر تینوں کا سکتہ ٹوٹا۔

"نانو...!" ارسل زور سے کہتا ہوا نبیہا کو بھول کر آگے بڑھا۔ عمر بھی اس کی تقلید میں آگے بڑھ گیا۔ نبیہا وہیں کھڑی رہ گئی۔

ثریا بیگم حیران سی کھڑی ان دو لڑکوں کو دیکھ رہی تھیں۔ کافی دیر بعد انھیں سمجھ میں آیا کہ ان کے نواسے ان کے سامنے ہیں۔ وہ بہت عرصے بعد انہیں دیکھ رہی تھیں۔ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات لیے انہوں نے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ ارسل اور عمر دونوں اپنا بیگ چھوڑ کر ان کی طرف لپکے۔

ثریا بیگم اپنے دونوں نواسوں کو لپٹائے اندر بڑھنے لگیں۔ دفعتاً پلٹ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک وہیں ہونق بنی کھڑی تھی۔

"بیا! عائشہ بلا رہی ہے تمہیں، گھر جاؤ بیٹا! شام کو کھانے پر آنا۔ میں انتظار کروں گی۔"

"دادو نے پہلی دفعہ مجھ سے اتنے پیار سے بات کی ہے۔ چلو شکر ہے ان خوب صورت لڑکوں کے سامنے میری عزت رکھ لی۔ ورنہ میری بے عزتی کا تو کوئی ٹائم نہیں ہوتا۔"

اس نے دل میں سوچا اور ادب سے "جی دادو" کہہ کر دروازے سے نکل گئی۔ ثریا بیگم دونوں لڑکوں کو ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں آئیں۔ کریم کو آواز دے کر ٹھنڈا لانے کو کہا اور دونوں لڑکیوں کو ڈھونڈنے کی غرض سے ادھر ادھر دیکھا۔ نظر نہیں آئیں تو کریم سے پوچھا۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کچن میں چلا گیا۔

"بڑے بھائی! دو لڑکیاں اور بھی ہیں یہاں... میں بھی حرا کو بھول رہا ہوں۔ تم بھی مما کو فون کردو۔" اس نے ارسل کے کان میں گھس کر کہا۔

"سلمٰی کیوں نہیں آئی اور اس نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ تم دونوں آرہے ہو۔"

"دراصل نانو! سیما آنٹی امریکہ سے آئی ہوئی ہیں۔ مما کا پورا ارادہ تھا، مگر ان کی وجہ سے نہیں آسکیں... پھر پاپا نے کہا کہ آپ سے وعدہ کرلیا ہے۔ نہیں جائیں گے تو آپ ناراض ہوں گی۔ اس لیے انہوں نے ہمیں بھیج دیا۔ اب وہ اور پاپا چاند رات کو آئیں گے اور... آپ کو سرپرائز دینے کے لیے ہم نے آپ کو نہیں بتایا۔" ارسل نے تفصیل سے جواب دیا۔ ثریا بیگم مسکرا دیں۔

"اچھا... یہ تو اور بھی زیادہ خوشی کی بات ہے۔ میری خوشیاں دوبالا ہوجائیں گے۔ میں تو ترس گئی تھی۔ سلمٰی کی بے جا ضد کی وجہ سے اتنی دوریاں بڑھ گئیں۔ دیکھو بھلا! میں تو پہلی نظر میں اپنے بچوں کو پہچان بھی نہ سکی۔ اتنی مدت بعد جو دیکھا ہے۔" ان کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"نہیں نانو! ایسی بات نہیں۔ اب آگئے ہیں ان شاء اللہ اب جائیں گے ہی نہیں۔" عمر اٹھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ارسل نے بھی ان کے گرد پیار سے بازو حمائل کردیے۔

"اچھا تم لوگ بیٹھو۔ میں کھانا لگواتی ہوں، پھر آرام کرلینا۔"

وہ پیار سے کہتے ہوئے اندر چلی گئیں۔ لڑکیوں کے پاس جا کر ان کو پہلے سمجھانا ضروری تھا، ورنہ انہوں نے ضرور کوئی احمقانہ بات کردینی تھی۔ ثریا بیگم بہت احتیاط سے کام لے رہی تھیں۔ اپنی بیٹی کی نخریلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طبیعت سے واقف تھیں، سو اس کے بچوں کے سامنے بھی احتیاط برت رہی تھیں کہ کہیں پھر وہ آپے سے باہر ہو جائے اور پھر سالوں کی دوری ہو جائے۔

"سلمیٰ نہیں آئی۔ اس کے بیٹے آئے ہیں۔ ذرا ادب سے ملنا۔ تم لوگوں کو سارے حالات معلوم ہیں۔ ماشاء اللہ میری بچیاں بہت سمجھ دار ہیں۔ مجھے امید ہے سنبھل کر رہیں گی۔"

انہوں نے نصیحت و ہدایت کے ساتھ ساتھ پیار بھی جتایا، تاکہ وہ پر اعتماد ہو جائیں۔

صنوبر نے ثریا بیگم کو تسلی دی۔ خوشی ان کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"داود! آپ بے فکر رہیں۔ پھپھو اس بار ناراض ہو کر نہیں جائیں گی۔"

"شاباش میری بچیو! چلو اب نیچے آؤ۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔ بچے تھکے ہوئے ہیں۔ کھانے کے بعد ان کا کمرا ایک دفعہ اور دیکھ لینا، مگر پہلے سلام دعا کر آؤ۔"

☆ ☆ ☆

"آپی! میری ڈرائنگ بنا دیں۔"

عمر شہرت کا تیسرا گلاس بھر رہا تھا۔ آواز پر چونکا۔ لڈو پر نظر پڑی تو مزید چونک گیا۔

"یہ کیا ہے بڑے بھائی!" اس نے ارسل کو متوجہ کیا۔

"میرا خیال ہے کوئی بچہ ہے۔ سنو بچے! کیا نام ہے تمہارا۔" ارسل نے لڈو کو مخاطب کیا۔ دونوں بچے کبھی نئے چہرے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

"لڈو... اور یہ میرا بھائی ہے گونگلو۔"

"چھوٹے بھائی! یہاں کون لوگ رہتے ہیں۔" دونوں نے تعجب سے دیکھا۔

"یہ چھوڑو! میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ دونوں لڑکیاں بھی ایسی ہی ہوئیں، چاکلیٹ کیک کی طرح تو..."

"ابھی مما کو فون نہیں کرنا۔" دونوں نے بلند آواز میں ایک ساتھ کہا، پھر فوراً اپنی آواز دبائی۔

"السلام علیکم! میں صندل ہوں اور یہ میری بڑی بہن صنوبر۔"

"وعلیکم السلام! میں شیشم ہوں اور یہ میرے بڑے بھائی شہتوت۔"

عمر نے کھڑے ہوتے ہوئے اسی کے انداز میں برجستہ کہا۔ دونوں نے عجیب نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بڑے بھائی! یہ ہم کہاں آ گئے ہیں۔ لڈو، گونگلو... صندل، صنوبر... جنگلات، کھیت..." ارسل نے اسے کہنی ماری، مگر وہ باز نہیں آیا۔

"کیسی ہیں آپ دونوں اور کیچپ کیسا ہے؟"

"کیچپ؟" صنوبر نے صندل کی طرف دیکھا کہ شاید اس کے سننے میں فرق ہو۔

"اچھا! وہ نہیں ہوتا یہاں؟" عمر نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی؟" وہ دونوں سخت متعجب تھیں۔ کچھ ان کے نام انسانی نہیں لگے، کچھ ان کے سوال ایسے تھے۔ داود کی ہدایت کے مطابق انہیں تمیز سے پیش آنا تھا، ورنہ ٹھیک ٹھاک جواب تیار تھے ان کی زبان پر۔

"ارے! تم لوگ ابھی یہیں کھڑے ہو۔ کھانا لگ گیا ہے۔ صندل! چلو ڈائننگ روم میں لے کر چلو بھائیوں کو۔"

ثریا بیگم نے انہیں اب تک وہیں کھڑے دیکھ کر کہا۔

"بھائیوں کو...؟" وہ چاروں رک گئے۔

اپنی گرینڈ مام کی بات پر چاروں کی سخت اعتراض ہوا تھا۔

کھانے پر پُرتکلف اہتمام تھا۔

"نانو! بہت اچھا کھانا بنایا ہے آپ نے اور بہت سارا بھی۔"

ارسل نے ثریا بیگم سے کہا، پھر مسکرا کر عمر کی طرف دیکھا۔ وہ جل گیا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ اسے موٹا کہہ رہا تھا۔ ثریا بیگم مسکرائیں۔

"صنوبر نے کیا ہے یہ سارا اہتمام۔"

ان کی بات پر صندل نے چمچہ روک کر انہیں ناراضی سے دیکھا تو انہیں فوراً اپنی تصحیح کرنا پڑی۔

"نہیں، نہیں، صندل نے بھی بہت مدد کی ہے بھئی!"

عمر نے ارسل کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی خوش خوراکی سے واقف تھا۔ اس نے بھنویں اچکا کر ایک سوال کیا۔

"چھوٹے بھائی! مما کو واقعی فون کر دو۔"

عمر مسکرا دیا۔ جبکہ ثریا بیگم سمیت وہ دونوں پھر حیران ہو گئیں۔ ارسل نے ہلکی سی مسکراتی ہوئی ایک نظر صنوبر پر ڈالی اور دوبارہ بریانی کی پلیٹ بھرلی۔

☆ ☆ ☆

"ارمان! ایسا کرو، یہ بیس ہزار پکڑو اور ایک گائے لے آؤ قربانی کے لیے۔"

ارمان نے بھنویں سکیڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ مذاق کے موڈ میں ہرگز نہیں لگ رہے تھے۔

"سر! اتنے سارے پیسے... بہت موٹی تازی گائے کی، بہت اچھی تصویر بھی پانچ سو روپے میں مل جائے گی۔ آپ نے بیس ہزار کیوں دیے ہیں۔ اتنی فضول خرچی؟"

مجیب صاحب فون پر کوئی نمبر ملا رہے تھے۔ اس کی بات پر رک کر بہت تحمل سے کہنے لگے۔

"تصویر نہیں، اصلی چاہیے، قربان کرنا ہے۔ بڑی عید آ رہی ہے۔ تمہاری تو جائز نہیں ہے قربانی۔ نقص سے پاکی لازمی ہے نا۔"

"کیا قربانی کرنے والے کے بھی پورے دانت لازمی ہونے چاہئیں سر!"

"نہیں۔" انہوں نے بدمزا ہو کر جواب دیا۔

"جی۔ مجھے بھی کچھ کچھ اندازہ تھا۔ ورنہ آپ کیوں کرتے قربانی۔"

"تم اور کتنا دماغ چاٹو گے میرا؟" انہوں نے چشمہ اتار کر میز پر پٹخا۔

"ایز یو لائیک، میرا مطلب ہے..."

"تمہارا کوئی بھی کوئی مطلب ہو... تم جاؤ اور جو کہا ہے تم سے وہ کرو۔"

"سر! مگر بیس ہزار میں تو وہ مجھے گائے کے کھر بھی نہیں دے گا۔"

"تم یقیناً بھول رہے ہو ارمان! میں نے پرسوں تمہیں کیش دیا تھا اسی سلسلے میں۔"

"اوہ اچھا! میں سمجھا، وہ میرا عید بونس ہے۔"

مجیب صاحب ریسیور رکھ کر اس کی طرف باقاعدہ متوجہ ہوئے تو وہ کھسیا کر مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

"بیا... بیا!"

اس نے ٹیرس سے نیچے جھانکا۔ ارمان لان میں بکرا لیے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور نیچے آنے کا اشارہ کیا۔

"ہائے ارمان!" وہ بکرا دیکھ کر وہیں سے چیخی اور دوڑتے ہوئے نیچے آئی۔ "تم واقعی میرے لیے بکرا لے آئے۔ ہاؤ سوئٹ!" اس نے آتے ہی اس کے ہاتھ سے بکرے کی رسی جھپٹی۔

"تم کہو اور میں نہ مانوں... ایسا کبھی ہوا ہے؟" اس نے بڑے رومانٹک انداز میں کہا۔

"ہاں کئی دفعہ... مگر چھوڑو۔ تمہارے سارے جھوٹے وعدے اس بکرے پر قربان... اب میں صندل اور صنوبر کو دکھاؤں گی۔" اس نے مزے سے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ کسی کو مت دکھانا۔" اس نے سختی سے کہتے ہوئے نبیہا کے ہاتھ سے رسی واپس لے لی۔

"کیوں؟" اس نے منہ بنایا۔

"بیا! میں صرف تمہارے لیے لایا ہوں۔ میری محبت کی تشہیر مت کرو پلیز! مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس نے وحید مراد بننے کی کوشش کی۔

"اچھا شام کو گھمانے تو لے جا سکتی ہوں نا۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ دن میں بہت دھوپ ہوتی ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے قربانی کے جانور کی نمائش کرنا بہت بری بات ہے۔ ثواب ختم ہوجاتا ہے سارا... اور ویسے بھی یہ بکرا صرف شام تک تمہارا ہے۔"

"اس کے بعد؟" اس نے جھٹکے سے کہا اور ارمان کے ہاتھ سے رسی کھینچ لی۔

"اس کے بعد یہ اکیڈمی جائے گا۔" ارمان مسکرایا۔

"اکیڈمی... یہ بکرا... وہ کیوں؟" وہ سخت حیران ہوئی۔

"بات دراصل یہ ہے بیا! حکومت نے عوام کی دیرینہ شکایت پر قربانی کے جانوروں کی ٹریننگ کے لیے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ وہ جانور جو قربانی کے وقت کوآپریٹ نہیں کرتے، بہت اودھم مچاتے ہیں اور رسی تڑا کر بھاگ جاتے ہیں... جیسے پچھلے سال مرسلین صاحب کی گائے بھاگ گئی تھی۔ قیوم ماموں کا بکرا بھاگ گیا تھا۔ شکور تایا کا دنبہ بھاگ گیا تھا... وہ آج تک واپس نہیں آئے مگر... تم لوگوں نے کبھی قربانی کی ہو تو پتا چلے نا... اس اکیڈمی میں ان جیسے جانوروں کو ٹریننگ دی جائے گی کہ وہ قربانی کے وقت خاموشی سے سر جھکا کر کھڑے ہوجائیں، زیادہ شور نہ مچائیں اور قصائی کو تنگ نہ کریں۔" ارمان نے تفصیل بتائی۔

"اچھا! پہلے تو کبھی نہیں سنا ایسی اکیڈمیوں کے بارے میں؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"ابھی پندرہ دن پہلے ہی تو اسمبلی میں اس کا بل منظور ہوا ہے۔ تم خبریں نہیں دیکھتیں کیا؟"

نبیہا کو اپنی کم علمی پر سخت افسوس ہوا۔

"اس لیے میں نے سوچا کہ میں بھی اپنے بکرے کو اس اکیڈمی میں داخل کروادوں تاکہ عید والے دن کوئی تمہیں یہ طعنہ نہ دے سکے کہ ارمان نے بیا کو ایسا بکرا لاکر دیا ہے جسے ذرا مینرز نہیں تھے۔" اس نے آرام سے ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے رسی لے لی۔

"ہاں یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔ کب داخل کرواؤ گے اسے۔" اس نے سمجھ داری سے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک جوش سے بولی۔

"بکرے کو اکیڈمی تو میں ہی لے کر جاؤں گی نا۔"

"ہرگز نہیں... تم کیا سمجھتی ہو میں تمہیں یوں صبح شام بکرے کے پیچھے خوار ہونے دوں گا۔ کبھی نہیں۔ یہ میری ذمہ داری ہے بیا! بکرے کو پک اینڈ ڈراپ میں ہی دوں گا۔"

"مجھے لگ ہی نہیں رہا کہ یہ میرا بکرا ہے۔ ملکیت ہی محسوس نہیں ہو رہی مجھے۔" اس نے اداسی سے منہ لٹکا کر کہا۔

"مجھے سمجھو نا اپنی ملکیت۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے تھوڑا قریب آکر اسے بکرے کی رسی تھمادی۔

"مگر تمہاری رسی تو پکڑ کر میں تمہیں چارہ نہیں کھلا سکتی نا... تمہارے گلے میں گھنٹیاں نہیں باندھ سکتی... تمہیں گلی میں نہیں گھما سکتی۔"

اس نے بکرے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"پیٹھ پہ ہاتھ تو پھیر سکتی ہو۔" اس نے نبیہا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھا کب سے لے کر جاؤ گے۔" اس نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"کل سے ہی اس کی کلاسز شروع ہیں۔ میں فارم جمع کروا چکا ہوں۔ فکس پانچ بجے شام اسے لے جایا کروں گا اور صبح چھوڑ جایا کروں گا۔"

"اتنا لمبا ٹائم؟"

"دن کم ہیں نا اور سلیبس زیادہ ہے ان کا۔ اچھا! ایک بات غور سے سنو! کسی کو بتانا اور دکھانا نہیں۔ خاص طور پر صنوبر اور صندل کو۔"

اس نے قدرے جھک کر رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کیوں؟" نبیہا کو سخت صدمہ ہوا۔ آخر انہیں ہی تو دکھانا تھا۔

"کیونکہ مجھے لگتا ہے وہ تم سے جیلس ہوتی ہیں۔ اب جب انھیں پتا چلے گا میں نے تمہیں بکرا گفٹ کیا ہے تو وہ تم سے اور جیلس ہوجائیں گی اور میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ تم سے حسد کرکے جہنم میں چلی جائیں۔"

نبیہا نے اس کی بات سمجھتے ہوئے فرماں برداری سے سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے ارمان! تم ہمارا بکرا لے آئے۔" صندل نے دور سے ہی آواز لگائی۔

"مگر ڈیڈی نے تو گائے منگوائی تھی۔" صنوبر نے ابرو اچکا کر کہا۔

"تمہارے ڈیڈی نے جتنے پیسے دیے تھے نا۔ اس میں گائے صرف کرائے پر مل سکتی تھی یا پھر آسٹریلوی بھیڑ خریدلی جاتی۔" ارمان نے جل کر جواب دیا۔

"تم نے اپنے لیے وہی خریدی ہے کیا؟" صنوبر نے اس کے غصے سے حظ اٹھایا۔

"نہیں۔ میں گائے کی تصویر سے کام چلاؤں گا۔" اس نے پھر چڑ کر جواب دیا۔

"صنوبر! بیا کو بتادو۔ ہم نے بکرا لے لیا ہے۔" صندل نے بکرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو بکرا دکھانے کی۔ قربانی کے جانور کی نمائش کرنا بہت بری بات ہے۔ ثواب ختم ہوجاتا ہے سارا... اور پھر سر نے بھی سختی سے منع کیا ہے کہ کسی کو نہ بتایا جائے۔ حتیٰ کہ انہیں خود بھی۔" ارمان نے فوراً سختی سے انہیں ٹوکا۔

"ڈیڈی نے کیوں منع کیا تھا؟" انہیں حیرت ہوئی۔

"ایک تو تم دونوں سوال بہت کرتی ہو۔ بھئی! اس طرح آس پاس والوں کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ گوشت کے ساتھ کھال بھی مانگنے لگتے ہیں۔ جبکہ اس سال سر نے لیدر گارمنٹس کا نیا بزنس شروع کرنے کا پلان کیا ہے تو ظاہر سی بات ہے، ہمیں کھالوں کی ضرورت پڑے گی نا۔"

"ہاں یہ تو صحیح کہہ رہے ہو تم مگر بیا تو ہماری اپنی ہے۔ وہ کھال تھوڑا ہی مانگے گی۔" صنوبر نے جتا کر کہا۔

"ہاں مگر جیلس ہوجائے گی کہ میں تم لوگوں کا اتنا خیال کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے فیل کرتی ہے وہ۔"

"ہاں مجھے بھی کبھی کبھی لگتا ہے۔" صنوبر نے خوامخواہ اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اچھا مگر ہم اسے رکھیں گے کہاں۔ ہمارے لان میں تو اتنی دھوپ ہوتی ہے۔"

"اس کا بھی بندوبست کرلیا ہے میں نے... غور سے دیکھو! ہمارا بکرا کمزور ہے نا؟"

"ہاں وہ تو بہت ہے۔ جب ہی تو میں سمجھی کہ شاید تم صدقے کا بکرا لائے ہو۔" اس کی بات پر ارمان نے گھور کر اسے دیکھا، پھر منہ بنا کر صندل سے مخاطب ہوا۔

"یہ جو منڈی والے ہوتے ہیں نا۔ یہ جانوروں کو بیسن کا پانی پلاتے ہیں، جس سے وہ پھول جاتے ہیں اور تگڑے دکھائی دینے لگتے ہیں، پھر وہ اس کے زیادہ دام مانگتے ہیں۔ اس لیے میں نے سمجھ داری کا مظاہرہ کیا اور کمزور بکرا لے آیا۔ اب ہم اسے ہیلتھ سینٹر میں داخل کروادیں گے۔ جہاں اس کی خوب اچھی کھلائی پلائی ہوگی تو عید تک یہ گائے کی طرح ہوجائے گا۔"

صندل اور صنوبر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کی نظروں میں ارمان کے لیے ستائش تھی۔

"تم کتنے سمجھ دار ہو ارمان!" صنوبر کے لہجے میں مرعوبیت آگئی۔

"ہم یوں ہی تم پر بھروسا تھوڑا ہی کرتے ہیں۔" صندل نے بھی خوب اپنائیت دکھاڈالی۔

"یہ بات اپنے ڈیڈی کو بھی سمجھاؤ۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو ہم کب لے کر جائیں اسے ہیلتھ سینٹر؟" صنوبر نے اس کی بات نظرانداز کی۔

"پاگل ہو کیا تم دونوں؟ میں بھلا تم لوگوں کو اتنی تکلیف میں ڈالوں گا۔ میں خود لے کر جایا کروں گا اسے۔ صبح دس بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک۔" ارمان نے انہیں پیار سے ڈپٹا۔

"اتنی لمبی ٹائمنگ؟" صندل نے آنکھیں پھاڑیں۔

"دن کم ہیں ناں اور ڈائٹنگ چارٹ بڑا ہے۔" اس نے تسلی کرائی۔

"ویسے پہلے کبھی نہیں سنا اس ادارے کے بارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں؟" صنوبر مشکوک ہوئی۔

"ابھی پندرہ دن پہلے ہی تو اسمبلی میں اس کا بل منظور ہوا ہے۔ ڈبلیو ایچ او کا ادارہ ہے۔ تم خبریں نہیں دیکھتیں کیا؟"

نبیہا کی طرح انہیں بھی اپنی کم علمی پر سخت افسوس ہوا۔

"سنو! تمہارے ہاں کسی آئے گئے کو چائے پلانے کا رواج نہیں ہے؟"

دونوں لان میں کھڑی اس سے سوال پہ سوال کیے جا رہی تھیں۔ کافی دیر ہو گئی تو اسے خود ہی کہنا پڑا۔

"یہ چائے بھی پیتا ہے؟" صندل نے بکرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ارمان ایک بار پھر جل گیا۔

"اچھا ایک بات غور سے سنو! کسی کو بتانا نہیں اس بارے میں۔" ارمان نے رازداری سے کہا۔

"یہی کہ تم نے اپنے منہ سے چائے مانگی تھی؟" صنوبر نے معصومیت سے تصدیق چاہی۔

"نہیں... اپنے اس بھائی کے بارے میں۔" اب اس نے بکرے کی طرف اشارہ کر کے دانت پیسے۔

"ڈیڈی کو تو بتائیں گے۔" صنوبر نے مزا لیا۔

"مت بتانا پلیز! بہن نہیں ہو..." وہ منمنایا۔

"نہیں..." دونوں ایک ساتھ چیخیں۔

☆ ☆ ☆

"چلو نا صنوبر! دیر ہو رہی ہے۔"

صندل نے کمرے میں تیسری بار جھانک کر قدرے کوفت سے کہا۔ وہ دونوں بیا کا بکرا دیکھنے جا رہی تھیں۔

"بس تھوڑی دیر اور..." اس نے جلدی سے کوئی کریم اٹھا کر چہرے پر لگائی۔ شکر تھا کہ بال بنا چکی تھی۔ بس میک اپ تھوپنا باقی تھا۔

"اس نے پانچ بجے بلایا تھا۔" صندل نے یاد دلایا۔

"وہ تو اس نے اس لیے کہا تھا کہ صرف چائے پر ٹرخا سکے۔" صنوبر نے اسے شیشے میں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔ ہماری بیا کنجوس نہیں ہے۔ بس اسے ارمان سے گفٹس لینے کا شوق ہے مگر اس خیال بھی تو کتنا کرتی ہے۔" صندل نے کمرے کے دروازے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

صنوبر مسکرا دی۔

تیار ہو کر وہ نیچے آئی تو پونے چھ ہو چکے تھے۔ دونوں جلدی جلدی باہر نکلنے لگیں۔ ان کا بکرا ہیلتھ سینٹر سے آ چکا تھا۔ اپنے بکرے پر ایک پیار بھری مسکراہٹ ڈال کر دونوں دو گلیاں چھوڑ کر نبیہا کے گھر پہنچیں تو اس نے منہ لٹکا کر ان کا استقبال کیا۔ اس کا بکرا اکیڈمی جا چکا تھا۔ ان دونوں کے بھی منہ لٹک گئے۔

"میں نے کہا تھا نا پانچ بجے سے پہلے آنا۔" نبیہا نے منہ بنا کر کہا۔

"تم آج چھٹی کروا لیتیں اپنے بکرے کی۔" صندل نے مشورہ دیا۔

"ارمان نہیں مانتا نا۔" اس نے بے چاری صورت بنا کر کہا۔

"اچھا ایسا کرو۔ اب تم ہمارا بکرا دیکھنے چلو۔ ہمارا بکرا آ گیا۔" صندل نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ فوراً تیار ہو گئی مگر جب وہ تینوں اپنی گلی میں داخل ہونے لگیں تو سامنے سے عمر اور ارسل آ رہے تھے۔

وہ دونوں جب سے آئے تھے، گھر میں کم ہی ٹکتے تھے۔ کبھی مجیب صاحب کے دفتر چلے جاتے۔ کبھی کراچی کی مارکیٹس کے ریٹ لیتے پھرتے اور کبھی کراچی گھومنے نکل جاتے۔ گھر میں ہوتے تو لیپ ٹاپ کھولے اپنا کام کرتے رہتے۔ وہ دونوں لاہور میں اپنے پاپا کے ساتھ ہی بزنس سنبھالتے تھے۔ اس وقت بھی وہ اپنے کسی دورے سے واپس آ رہے تھے۔ ان تینوں کو دیکھ کر ارسل نے کہا۔

"چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔"

وہ تینوں خوشی خوشی چل پڑیں۔ پہلے انہوں نے آئس کریم کھائی، پھر عمر کی فرمائش پر سی ویو کی طرف نکل گئے۔ واپسی میں تھوڑی دیر ہو گئی تو نبیہا نے دوسرے دن بکرا دیکھنے کا وعدہ کر لیا اور وہیں سے اپنے گھر چلی گئی۔

دوسرے دن پورے چھ بجے وہ ان کے گھر میں تھی۔ آج صنوبر اور صندل کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔

"بیا! ارمان کا فون آیا تھا۔ وہ آفس میں بہت بزی ہے۔ آفس میں کوئی اور بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہمارا بکرا ابھی تک ہیلتھ سینٹر سے نہیں آیا۔" صنوبر نے افسردگی سے اطلاع دی۔

"اچھا! اس کا مطلب ہے وہ صحیح کہہ رہا تھا۔" نبیہا کے کہنے پر صنوبر نے استفسار کیا۔

"میرے پاس بھی ارمان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا، آج وہ بہت مصروف ہے۔ اس لیے بکرے کو اکیڈمی نہیں لے جا سکے گا۔ بکرے کی تو خیر تھی مگر مجھے لگا، وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ مگر اب یقین آ گیا کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ میرا ارمان مجھ سے کبھی جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔" وہ مطمئن ہوئی تو اترانے لگی۔

"مگر یہ بھی تو سوچو کہ ارمان پر کتنا لوڈ ہے کام کا۔ بے چارہ ہمارا بکرا بھی لا تا لے جاتا ہے۔ تمہارے بکرے کو بھی پک اینڈ ڈراپ دیتا ہے۔" صندل نے غائبانہ ہمدردی کی۔

"ہاں یہ تو ہے... ہمارا ارمان بہت کیئرنگ ہے۔ اپنی ساری ذمہ داریاں خود اٹھاتا ہے۔ کسی کو زحمت نہیں دیتا۔"

تینوں کی متفقہ رائے تھی۔

☆ ☆ ☆

فون پر گفتگو کے دوران مجیب صاحب اور فاروق صاحب نے ایک دوسرے کو بکرا دیکھنے کی دعوت دے ڈالی۔

فاروق صاحب دوسرے ہی دن صبح بینک جانے سے پہلے مجیب صاحب کے گھر پہنچ گئے اور بکرا دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"ارے بھئی! یہ تو بالکل ہمارے جیسا ہے۔"

"آپ کے جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ کے سینگ کہاں ہیں؟" مجیب صاحب نے برجستہ کہا۔ فاروق صاحب نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"اچھا اب آپ ہمارا بکرا دیکھنے آئیے گا۔"

فاروق صاحب نے دعوت دی اور اسی دن شام کو چار بجے کے قریب لنچ سے فارغ ہو کر مجیب صاحب آفس سے اٹھ گئے۔ اپنی گلی میں مڑتے ہوئے انہیں اپنے ہم زلف کی صبح والی دعوت یاد آئی تو گاڑی وہیں موڑ لی اور بکرا دیکھ کر واقعی حیران رہ گئے۔

"آپ نے واقعی درست کہا تھا۔ یہ تو بالکل ہمارے بکرے جیسا ہے۔"

"ہو سکتا ہے خالو! صندل اور صنوبر کی طرح ہمارے بکرے بھی جڑواں بھائی ہوں اور بچھڑ گئے ہوں۔ آخر یہ بھی تو کسی کی اولاد ہیں نا۔"

نبیہا کی بات پر فاروق صاحب تو زور سے ہنس پڑے مگر مجیب صاحب ٹھٹک گئے۔ "جڑواں بکرے..."

نبیہا اشتیاق میں دوسرے دن صبح صبح ناشتا کر کے صندل کے گھر پہنچ گئی۔ ابھی گلی میں داخل ہوئی ہی تھی کہ مجیب صاحب کے گھر سے بکرا لے کر نکلتے ہوئے ارمان کی نظر اس پر پڑ گئی۔

"یہ صبح صبح یہاں کیا کر رہی ہے۔" سمجھ میں نہیں آیا کہ بکرے کو واپس گھر چھوڑے یا... اس نے دوڑ کر دوسری طرف سے گلی پار کی۔ گلی کے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ نبیہا کی نظر ارمان کی پشت پر پڑ گئی۔ وہ حیران ہوئی کہ ارمان اس وقت یہاں... ضرور اس کو دیکھنے یہاں آیا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ دوبارہ اپنے گھر کی طرف پلٹ گئی۔ گلی کے کونے پر پہنچی۔ ارمان سے سامنا ہو گیا۔ وہ پھر سٹپٹا گیا۔

"آج گئے بچے..." وہ بڑبڑایا۔ "تم باہر کیا کر رہی ہو صبح صبح۔"

"میں خالو کے گھر جا رہی تھی۔ تمہیں دیکھا تو واپس آ گئی۔ آج تم لیٹ ہو گئے تھے نا اس لیے میں نکل گئی۔ میں سمجھی تم آج بھی بزی ہو، بکرا نہیں لاؤ گے۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا یہ لو بکرا اور اب گھر جاؤ۔" اس نے رسی پکڑائی۔

"اندر آؤ نا۔ چائے تو پی لو۔"

"نہیں۔ میں لیٹ ہو گیا ہوں آفس سے۔ چلتا ہوں بائے!" وہ ہاتھ ہلاتا ہوا نکل گیا۔

نبیہا دروازے میں داخل ہوتے ہوتے رک گئی۔ کیوں نہ میں اپنا بکرا خود ہی دکھالاؤں۔ اس وقت خالو بھی ہوں گے۔

یہ سوچ کر وہ دوبارہ مجیب صاحب کی طرف چل پڑی۔ ان کی گلی میں پہنچی تھی کہ سامنے کی طرف سے ارمان آرہا تھا۔ وہ پھر اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔

"اسے کیا پریشانی ہو گئی۔ صبح صبح گلیوں میں گھوم رہی ہے۔"

وہ پھر بڑبڑایا۔ نبیہا قریب آکر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا۔ تم گئے نہیں ابھی تک۔ لیٹ ہو رہے تھے نا۔"

"ہاں... وہ میں... میں نے سوچا' سر کے ساتھ ہی چلا جاؤں۔ ایک ہی جگہ تو جانا ہے نا۔"

"اچھا تو چلو پھر... میں بھی اپنا بکرا دکھادوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ ارمان نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔

"میں نے منع کیا تھا نا نمائش نہیں کرنی بکرے کی۔"

"ارے! تمہیں نہیں پتا۔ خالو کا اور ہمارا بکرا ایک جیسا ہے اتفاق سے۔ میں نے سوچا' صندل اور صنوبر کی طرح یہ دونوں بھی جڑواں ہوں گے۔ اب دونوں کا سامنا کروادوں گی۔ ہو سکتا ہے' پہچان لیں ایک دوسرے کو۔ آخر خون جوش مار سکتا ہے۔"

"خون جوش مارے نہ مارے' تمہارے خالو مجھے ضرور ماریں گے۔ تم اس بھائی چارے کو رہنے دو اور جا کر اس کے چارے کا بندوبست کرو۔ اس نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔"

ارمان نے اس کا بازو پکڑ کر اسے واپسی کے لیے دھکیلا۔

"مگر ارمان سنو تو..." اس نے کچھ بولنا چاہا۔ اسی وقت گیٹ کھلا اور صنوبر نے جھانکا۔ وہ اخبار اٹھانے آئی تھی' جو باکر ڈال کر گیا تھا۔ ان دونوں کو اپنے گھر کے پاس کھڑے دیکھ کر باہر نکل آئی۔

"کیا ہوا ارمان! تم ابھی تک یہیں ہو۔ تم تو کہہ رہے تھے تمہاری میٹنگ ہے... اور یہ ہمارا بکرا لے کر ابھی تک یہیں کھڑے ہو۔ ہیلتھ سینٹر کیوں نہیں لے کر گئے۔" اس نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں صنوبر! یہ تمہارا بکرا نہیں ہے' میرا ہے۔ ابھی ابھی اکیڈمی سے آیا ہے۔"

نبیہا نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"نہیں۔ یہ ہمارا بکرا ہے۔ ارمان صبح اسے ہیلتھ سینٹر لے کر جاتا ہے۔ تمہیں پتا تو ہے۔" اس نے نبیہا کے ہاتھ سے بکرے کی رسی لے کر ارمان کو پکڑائی۔

"جاؤ ارمان! دیر ہو رہی ہے تمہیں۔ آفس بھی جانا ہے۔ ڈیڈی تو جا چکے۔"

"صنوبر! یہ میرا بکرا ہے اور ارمان اسے اکیڈمی سے لے کر آیا ہے۔ تمہیں بھی پتا ہے' میرا بکرا اکیڈمی جاتا ہے نائٹ شفٹ میں۔" اس نے ارمان کے ہاتھ سے رسی چھینی۔ صنوبر نے الجھ کر ارمان کو دیکھا۔ وہ نبیہا کو دیکھ رہا تھا۔

"ادھر دیکھو ارمان! میری طرف۔" اس نے ارمان کو متوجہ کیا۔

"ہاں بولو صنوبر! میں سن رہا ہوں۔" وہ پورا کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔ نبیہا جل گئی۔ اس نے غصے سے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"میری طرف دیکھو اور صرف مجھے ہی دیکھا کرو۔ وہ غیر ہے۔"

وہ بات کو دوسری طرف لے گئی۔ ارمان نے موقع سے فائدہ اٹھالیا۔

"صنوبر غیر نہیں ہے بیا! تمہاری کزن ہے اور اسی لیے اس کا مجھ سے بھی بہت قریبی رشتہ ہے۔" اس نے پیار سے صنوبر کی طرف دیکھا۔

"کوئی رشتہ نہیں ہے اس سے تمہارا۔ یہ صرف میری بہن ہے۔"

"ہاں بہن تو تمہاری ہی ہے۔ میں نے کب اسے بہن کہا۔"

"ہاں تو کہو نا۔ بہن کیوں نہیں کہتے۔"

"لو۔ ابھی تو تم نے منع کیا ہے۔"

"میں نے..." وہ گڑبڑا گئی۔ صنوبر ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا بکرا لے کر وہ دونوں پتا نہیں کیا کیا بول رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"صنوبر! اتنی اہم خبر لے کر تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ جاؤ دادو کو بتاؤ' وائٹ ہاؤس میں بم بلاسٹ ہو گیا ہے۔ دعا کریں' اوباما نہ بچے۔ جاؤ شاباش! اپنے وطن سے اتنی محبت تو ہونی چاہیے تمہیں۔ جاؤ فوراً" یہ خبر پھیلا دو تاکہ لوگ دعا مانگنا شروع کر دیں۔ دیر ہو گئی تو اوباما بچ جائے گا۔"

"ہیں... اوباما پہ بم پھٹا ہے؟" اس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا اور سب کچھ بھول کر اندر بھاگی۔

"تمہیں نہیں ہے اپنے وطن سے محبت... تم کیوں کھڑی ہو ابھی تک۔ جاؤ تم بھی دعا مانگو۔" وہ اس کی طرف گھوما۔

"اور یہ بکرا..." وہ ابھی تک بوکھلائی ہوئی تھی۔

"یہ تمہارا ہے' لے جاؤ... اور دیکھو! میں نہ کہتا تھا' صنوبر جیلس ہو جائے گی تمہارا بکرا دیکھ کر۔ کیسے فوراً کہنے لگی کہ یہ اس کا بکرا ہے۔"

اس نے صنوبر کی نقل اتاری۔ نبیہا نے تاسف سے گردن ہلائی۔

"جاؤ اب چھپا کر رکھنا اسے اور خود کو بھی۔"

آخری جملہ اس نے آہستہ سے کہا مگر اس نے سن لیا۔ ایک شرمیلی سی مسکان اس کے ہونٹوں پر آگئی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

"چلو۔" اس نے ایک ہاتھ میں بکرے کی رسی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے نبیہا کا ہاتھ تھام کر اس کے گھر کی طرف چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"زبردست! اگر تم یہ پلاسٹر آف پیرس سے بنا تیں تو یقین کرو۔ قربانی کے بعد بھی قصائی کو پتا نہیں چلتا کہ یہ اصلی نہیں ہے۔"

عمر نے ایک بڑی شیٹ پر صندل کے ہاتھ سے بنی بکرے کی تصویر دیکھ کر کہا۔ ارسل نے اس کے مبالغے پر اپنی ہنسی دبائی۔ تصویر بلاشبہ اچھی بنی تھی۔ ارسل کو ہنسی ضبط کرتے دیکھ کر صنوبر نے اپنی بہن کی حمایت میں کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ نبیہا کی طیش بھری آمد ہوئی۔

"سہیل میرا بکرا لے کر تمہارے گھر کیوں آیا ہے۔"

"یہ تو سہیل سے پوچھو۔" عمر نے بے ساختہ کہا۔

"سہیل ہیلتھ سینٹر سے ابھی لے کر آیا ہے ہمارا بکرا۔" صندل نے جواب دیا۔

"سہیل تھوڑی دیر پہلے میرا بکرا اکیڈمی لے کر گیا تھا' مگر وہ یہاں لے آیا۔ کیوں؟"

"بیا! یہ ہمارا بکرا ہے۔ سہیل تمہارا بکرا اکیڈمی چھوڑ آیا ہو گا۔ آج ارمان بزی تھا۔ اسی نے سہیل کو بھیجا ہے۔" صندل نے وضاحت سے جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے۔ ارمان نے مجھے بھی فون کیا تھا کہ وہ آج نہیں آئے گا۔ سہیل کو بھیج رہا ہے' مگر میں یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ میرا بکرا تمہارے گھر کیوں لے آیا۔" اس نے زور دے کر اپنی بات سمجھائی۔

ابھی جب وہ صندل کے گھر آرہی تھی تو ارمان کے آفس کالز کا مجیب صاحب کے لان میں بکرا باندھ رہا تھا' جبکہ اس سے کچھ دیر قبل وہ اس کا بکرا لے کر گیا تھا۔

"ابھی ارمان آنے والا ہے۔ اس سے پوچھ لیں گے کہ تمہارا بکرا کہاں گیا۔" صنوبر نے قصہ مکانے کی کوشش کی۔

"تم اس سے اپنے بکرے کے بارے میں پوچھو۔ میرا بکرا یہاں موجود ہے۔" اس نے پورے یقین سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسا کرو بیا! تم یہ والا بکرا لے جاؤ۔" عمر نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا اصلی بکرا موجود ہے۔ اس سے آپ لوگ کام چلائیں۔" اس نے جل کر کہا۔ سب ہنس پڑے۔ وہ جھنجلاتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

ثریا بیگم کے گھر میں عید کے علاوہ چاند رات بھی منائی جاتی تھی۔ جس میں ان کے خاندان کے سب افراد جمع ہوتے تھے اور ان کا خاندان تھا ہی کتنا بڑا۔۔۔ ایک بیٹا مجیب احمد اور ایک بیٹی سلمیٰ جو لاہور میں رہتی تھیں یا پھر نبیہا کی فیملی کو بلا لیتیں۔۔۔ مگر بیس سال سے سلمیٰ ایک چھوٹی سی بات پر اینٹھی ہوئی بیٹھی تھیں۔ مجیب احمد اور ثریا بیگم نے انہیں راضی کرنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ نہیں مانیں۔

سلمیٰ کی خواہش تھی کہ اپنے چھوٹے بھائی مجیب کی شادی اپنی نند سیما سے کرادیں تاکہ اپنی سسرال میں بیٹھے سے رہ سکیں۔ مگر ان کی نخریلی پھوپھو اور عمر میں بڑی نند سے شادی کرنے پر مجیب احمد کسی طرح نہیں مانے۔

سلمیٰ کی بات پر ثریا بیگم کو بھی غصہ آیا تھا۔ مگر سلمیٰ کم سنتی تھیں، زیادہ بولتی اور زیادہ منواتی تھیں۔ ثریا بیگم اور مجیب احمد ان کی بیشتر باتیں مان لیا کرتے تھے مگر اس بات پر تو مجیب احمد اڑ گئے۔ انہیں لگتا تھا سیما کے ساتھ ان کی نہیں بنے گی، سو انہوں نے محض اپنی بہن کی خواہش کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کی کوشش نہیں کی اور رابعہ سے شادی کرلی۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ دن بعد سلمیٰ مان جائیں گی، مگر ایسا نہ ہوسکا۔

شادی میں مزے سے شرکت کرنے کے بعد وہ لاہور روٹھ کر بیٹھ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ثریا بیگم اپنے نواسوں کو دیکھنے کو ترس گئیں۔ عجیب غصہ و خفگی تھی۔ فون پر باقاعدگی سے رابطہ کرکے پوری خیر خبر رکھا کرتی تھیں۔ صنوبر اور صندل کی پیدائش پر دوڑی چلی آئیں۔ خوب تحفے تحائف بھی دیے۔ پھپھو بننے کا نیگ بھی لیا، مگر بھائی، بھاوج سے بات نہ کی۔ بعد میں بھتیجیوں سے بھی رابطہ رکھا۔ حالانکہ مجیب احمد کی شادی کے دو سال بعد سیما بھی بیاہ کر امریکہ چلی گئی تھیں اور اپنے میاں کے ساتھ خوش تھیں۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ خوش تھے، بس سلمیٰ خفا رہیں۔

ثریا بیگم ہر عید پر انہیں بلاتیں۔ مجیب احمد خود دعوتیں دینے جاتے، مگر وہ نہ آتیں۔ پہلے ثریا بیگم خود ہی لاہور۔۔۔ چلی جاتی تھیں، پھر آہستہ آہستہ ان کا آنا جانا بھی کم ہوتا گیا۔

اب اچانک ان کے دل میں کیا سمائی کہ بقرعید کراچی میں منانے کا فیصلہ کرلیا، بلکہ کئی دن پہلے آنے کا وعدہ کرلیا۔ وہ تو سیما بھی بغیر اطلاع کے اچانک امریکہ سے آگئیں تو وہ نہ آسکیں، مگر پھر انہوں نے اپنے دونوں بچوں کو بھیج دیا۔ سب خوش ہوگئے، مگر ثریا بیگم اور مجیب احمد کو کھٹکا تھا کہ وہ ابھی بھی اپنی کوئی بات منوانے ہی آرہی ہوں گی۔

چاند رات والے دن وہ اپنے شوہر اکبر علی کے ساتھ ثریا بیگم کے گھر موجود تھیں۔

"ہاں تو کیا تھا، اگر مجیب مان جاتا سیما سے شادی پر۔۔۔ تو یہ سب نہ ہوتا۔"

ڈرائنگ روم میں سب موجود تھے۔ مجیب احمد ان کی بیگم، نبیہا کے والدین، ثریا بیگم اور ان کے شوہر بھی۔۔۔ مگر انہوں نے کسی کی پروا نہ کی۔

"چھوڑیے نا آپا! اتنی پرانی بات ہوگئی ہے۔ اب تو سیما کی بھی شادی ہوگئی، ورنہ میں اس سے دوسری ہی شادی کرلیتا۔"

انہوں نے ماحول کی کشیدگی دور کرنے کی غرض سے ہلکا سا شغل کیا۔

"تو تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں۔۔۔ میں سیما کی شادی رکوا دیتی۔"

ان کی بات پر مجیب احمد اپنے مذاق پر خود ہی کھسیا گئے۔

"آپا! میں بہت خوش حال زندگی گزار رہا ہوں۔ اگر آپ کی نند سے شادی کرلیتا تو آج میں بزنس کے بجائے نوکری کررہا ہوتا۔"

یہ بھی اچھا تھا کہ اکبر علی اونچا سنتے تھے۔ اگر اپنی

بہن کے بارے میں سن لیتے تو مزید بیس سال کے لیے لاہور جا بیٹھتے۔

"تو اب کون سا ڈالروں میں کھیل رہے ہو۔ ایک ہی تو بزنس ہے۔ وہ بھی صرف کراچی میں۔ کون سا چار، پانچ شہروں میں شاخیں کھول رکھی ہیں تم نے۔"

انہوں نے تیکھی نظروں سے اپنی بھاوج کی طرف دیکھا۔ رابعہ اپنی نند کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں، سو برا کم ہی مانتی تھیں۔ سلمیٰ کی طنزیہ بات پر جواباً صرف مسکرا دیں۔ وہ دونوں، بہن، بھائی کی اس بحث سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

"آپ کچھ نہیں بولیں گی میرے دفاع میں بیگم صاحبہ!" مجیب احمد نے رابعہ سے آہستہ سے کہا۔

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کاش! اس وقت سیما اور اس کا شوہر بھی ہوتے تو زیادہ مزا رہتا۔" انہوں نے مسکرا کر مجیب احمد کو دیکھا۔

"پاپا! میرا بکرا۔۔۔" وہ روتے ہوئے فاروق صاحب کے پاس آبیٹھی۔

"کیا ہوا میری بیٹی کے بکرے کو؟" انہوں نے پیار سے اس کے کندھے پر بازو پھیلائے۔

"صندل کہہ رہی ہے، وہ اس کا بکرا ہے۔" اس کے رونے میں اضافہ ہوا۔

"اوہو بیٹا! دراصل ہمارا اور ان کا بکرا ایک جیسا ہے۔ اس لیے تمہیں غلط فہمی ہورہی ہے۔" وہ ہنسے۔

"نہیں پاپا۔۔۔"

اسی وقت ارمان ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ تھکا ہوا سا لگ رہا تھا۔ آفس سے سیدھا آرہا تھا۔ آج کی دعوت میں وہ بھی مدعو تھا۔ جب سے ارمان سے رشتہ جڑا تھا۔ ثریا بیگم کے گھر کی ہر دعوت میں وہ بھی خصوصی طور پر بلایا جاتا تھا۔ ارمان کو دیکھ کر نبیہا فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ارمان! یہ میرا بکرا ہے نا؟" اس نے روتے ہوئے یقین مانگا۔

"ہاں یہ تمہارا ہے۔" اس نے سب کو سلام کیا، پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے آرام سے جواب دیا۔

"ارمان! یہ ہمارا بکرا ہے۔" اسی وقت صنوبر نے ڈرائنگ روم میں آکر حق جتایا۔

"ہاں یہ تمہارا بکرا ہے۔" ارمان نے اسے بھی تسلی دے دی۔

"کیا مطلب۔۔۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تم صرف میرے لیے لائے ہو۔" نبیہا نے مچل کر کہا۔ ارمان کی بات پر باقی سب کی نظروں میں بھی تھوڑا سا استعجاب ابھر آیا۔

"ارے لڑکیو! سانس تو لینے دو بچے کو۔ ابھی تھکا ہوا آیا ہے۔ آتے ہی گھیر لیا اسے۔ پانی تو پوچھو اس سے۔" ثریا بیگم نے دونوں کو گھرکا۔

"اچھا جلدی جلدی لے لو سانس۔" نبیہا نے احسان کیا۔

"ارمان پرانی پاکستانی فلموں کی ہیروئن نہیں ہے۔ آرام سے بیٹھنے دو اسے۔" ارسل نے دونوں کو مخاطب کیا۔ کریم نے اسے جوس لاکر دیا۔

"ہاں ارمان! بھئی پہلے ان بچیوں کا مسئلہ حل کردو۔ بہت پریشان ہیں۔" وہ تھوڑا ریلیکس ہوا تو مجیب صاحب نے کہا۔ اس نے ایک چھوٹی سی نظر نبیہا پر ڈالی اور گلا کھنکھار کر سنجیدگی سے مجیب احمد کی طرف متوجہ ہوا۔

"سر! آپ لیدر کا نیا بزنس شروع کرنا چاہ رہے تھے نا؟"

"ہاں!" مجیب احمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ یہ ان کی برسوں کی خواہش تھی۔ کافی عرصہ پہلے انہوں نے ارمان سے اس کا اظہار کیا تھا مگر اس وقت ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا۔ اس وقت غیر متوقع طور پر ارمان نے اس بات کا ذکر کرکے انہیں حیرانی میں مبتلا کردیا۔

"سر! میں نے اسی دن سے اس پر کام کرنا شروع کردیا تھا۔ ہماری کمپنی کے چاروں اکاؤنٹس میں اتنی اضافی رقم نہیں تھی، جتنی ہمیں ضرورت تھی۔ سو میں تقریباً ڈیڑھ سال سے چاروں اکاؤنٹس سے کچھ رقم اس طرح سے پس انداز کررہا تھا کہ آپ کو کمی بیشی کا احساس بھی نہ ہو اور مطلوبہ رقم بھی جمع ہوجائے۔ تین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماہ پہلے میں نے وہ اکاؤنٹ چیک کیا جس میں میں وہ رقم جمع کروا رہا تھا تو مجھے خوشی ہوئی کہ اس میں صرف تیس لاکھ روپے کم تھے... سر! اس وقت سے میری بچت میں تیزی آگئی اور میں نے چھوٹی چھوٹی رقمیں بھی جمع کرنا شروع کردیں۔

میں ساتھ ساتھ کاغذی کارروائی بھی کررہا تھا۔ اب سارا کام مکمل ہوگیا ہے سر! صرف آپ کے سائن کی ضرورت ہے۔ میں فائل ساتھ لایا ہوں۔"

اس نے سیاہ رنگ کی ایک فائل ان کی جانب بڑھائی۔ حیرت اور مسرت کے باعث مجیب صاحب سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ انہیں اندازہ ہی نہیں ارمان اس طرح ان کا خواب پورا کردے گا۔

"تم نے... تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں ارمان!" بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے ان کی آواز کانپنے لگی۔

"سر! میں آپ کو سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔ آپ کو اچھا نہیں لگا؟" اس کا چہرہ اتر گیا۔

"کیسی باتیں کررہے ہو ارمان! مجھے کیوں نہیں اچھا لگے گا۔ تم نے میری برسوں کی آرزو پوری کردی۔ مجھے... بھلا مجھے کیوں نہیں اچھا لگے گا... میں تو..."

فرط مسرت سے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ بات مکمل نہ کرسکے۔ سب کے ہونٹوں پہ دھیمی سی مسکان تھی اور آنکھوں میں ارمان کے لیے ستائش۔ مجیب صاحب نے بھیگی آنکھوں سے اپنی ماں، بیگم اور بہن کی طرف دیکھا۔ ماحول کا رنگ یک دم بدل گیا تھا۔ ارمان کا چہرہ بھی کامیابی اور سرشاری سے دمک رہا تھا۔ اس فسوں کو نبیہا کی بسورتی ہوئی آواز نے توڑا۔

"میرا بکرا..." سب ہنس پڑے۔

"یار ارمان! ان کا مسئلہ حل کرو۔ یہ کس کا بکرا ہے؟" ارسل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بکرا تو ایک ہی ہے، دوسرے بکرے کا کوئی وجود نہیں ہے۔" ارمان کے ساتھ سب مسکرا دیے، مگر وہ تینوں ایک ساتھ چیخ پڑیں۔

"اس کا مطلب ہے تم نے مجھے دھوکہ دیا؟"

خفت اور غصے سے نبیہا کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ارمان گھبرا گیا۔ اس کا ارادہ ابھی ان لڑکیوں کو مزید تنگ کرنے کا تھا۔ مگر نبیہا کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور ناراض چہرہ دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور وضاحت کرنے لگا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ سر ہر سال مجھے دو بیلوں کے پیسے دیتے ہیں۔ ایک اپنی اور ایک سلمیٰ پھپھو کی۔ ابھی جب سر نے مجھے پیسے دیے تو وہ میں نے الگ رکھ لیے۔ اسی دوران مجھے پتا چلا کہ پھپھو عید یہیں کریں گی تو مجھے تھوڑی سی آسانی ہوگئی۔ میں نے دونوں جانور چاند رات تک ملتوی کردیے... دوسری طرف میرا ارادہ تھا کہ اس سال میں اور بیا مل کر قربانی کریں۔" وہ سب کے سامنے اس کی فرمائش چھپا گیا۔ ارمان کی طرف سے دیے جانے والے مان پر اس کے چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھر گئے۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپا نہ سکی۔

"پھر مجھے صندل اور صنوبر کا خیال آیا تو میں نے ایک چھوٹا سا مذاق کرلیا، ایک بکرا... دونوں گھروں میں..." سب کے چہرے مسکرا اٹھے۔

"تو کیا وہ اکیڈمی... وہ ہیلتھ سینٹر... ڈراما تھا؟" آنکھوں کے ساتھ ساتھ صندل کا منہ بھی کھل گیا۔

"جب ہی تو میں کہوں ہمارا بکرا ٹکڑا کیوں نہیں ہورہا تھا۔" صنوبر کو یاد آیا۔

"ہاں اور میں بھی نوٹ کررہی تھی کہ بکرے کو ذرا بھی ایٹی کیٹس نہیں آئے۔ ابھی بھی ٹکریں مارتا ہے۔" نبیہا نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"بھئی! یہ تو سوچنے والی بات ہے نا، ہمارے ملک میں انسانوں کی صحت اور تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی کجا کے جانوروں پر..." عمر نے رائے دی۔

"ویسے یار! تم بکرے کو لانا لے جانا کیسے کرلیتے تھے۔ کبھی ہیلتھ سینٹر کے نام پر بیا کے گھر تو کبھی اکیڈمی کے نام پر ماموں کے گھر..." ارسل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"یار! نئے بزنس کے سلسلے میں مجھے روز آفس سے نکلنا پڑتا تھا تو بس... لگے ہاتھوں میں نے بھی انجوائے

کرلیا۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا! اب کنفرم ہے نا کہ یہ میرا بکرا ہے۔" نبیہا نے پھر تصدیق چاہی۔ ارمان نے مسکرا کر تائید کردی۔ وہ مطمئن ہوکر مسکرانے لگی۔

"اور ہمارا بکرا...؟" صندل نے اداس شکل بنائی۔

"بکرا نہیں گائے حسب روایت۔ میں نے سہیل کو کہہ دیا ہے۔ تمہاری اور سلمیٰ پھپھو کی گائے لے کر بس آتا ہی ہوگا۔"

"ارمان! تم نے سارے کام کردیے۔ ایک رہ گیا۔ تم نے قصائی کا بندوبست نہیں کیا بیٹا!" فاروق صاحب نے یاد دلایا۔

"اشفاق بھائی زندہ باد۔" صندل نے نعرہ لگایا۔

"میں اپنا بکرا ارمان سے کٹواؤں گی۔" نبیہا کی نئی فرمائش۔

"لڑکی! اس کو فارغ بھی چھوڑ دیا کرو کبھی۔" ثریا بیگم نے اسے ڈپٹ دیا۔ وہ منہ بسورنے لگی۔

سارے تقاضے نپٹ چکے تھے۔ مجیب صاحب کی دیرینہ آرزوؤں پایہ تکمیل کو پہنچی کہ وہ خود حیرت اور خوشی سے گنگ رہ گئے۔ قربانی کے حوالے سے بھی باسعادت رہے۔ برسوں سے روٹھی ہوئی بہن بھی آن ملیں... وہ خود کو بہت مکمل اور مطمئن محسوس کررہے تھے۔ اچانک ان کی نظر اپنی بہن پر پڑی۔ وہ بوکھلا گئے۔ وہ گھور گھور کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"میں آج خالی ہاتھ نہیں جاؤں گی مجیب! آج تمہیں میری بات ماننا پڑے گی۔"

"کیا کہہ رہی ہیں آپا! اب اس عمر میں، میں کہاں اچھا لگوں گا دوسری شادی کرتے ہوئے، جبکہ سیما بھی ابھی بیوہ نہیں ہوئی۔" وہ منمنائے۔

"فضول باتیں نہ کرو مجیب! مجھے میری بھتیجیاں دے دو۔ میرے ارسل اور عمر کے لیے۔" ان کی ہر بات دھماکا ہوا کرتی تھی۔

"تم نے مما کو فون کردیا تھا کیا؟" ارسل نے عمر سے سرگوشی کی۔ وہ اس کے صوفے کی ہتھی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"نہیں تو..." وہ خود حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"بغیر فون کیے بات بن گئی... مما دی گریٹ!" دونوں ایک دوسرے کے کان میں گھس گئے۔

"ایک شرط ہے آپا!" انہوں نے ایک لمحے کا توقف کرکے سنجیدگی سے کہا۔ سب چونک گئے۔

"میں سیما سے شادی نہیں کروں گا۔"

اور حیرت کی بات تھی۔ سب کے ساتھ سلمیٰ بھی ہنس پڑیں۔

مجیب احمد اب کھل کر طمانیت اور سرشاری محسوس کررہے تھے۔ انہوں نے بہت فخر اور مان سے ارمان کو دیکھا۔ وہ ارسل اور عمر سے باتوں میں مصروف تھا۔ انہوں نے اپنے دل میں اعتراف کیا کہ ارمان کی شکل میں اللہ نے ان کے بیٹے کی کمی پوری کردی ہے۔

ثریا بیگم کے گھر میں موجود ہر شخص کا چہرہ اس وقت کھلا ہوا نظر آرہا تھا۔ انہوں نے ارمان کے لیے اپنے دل میں ڈھیر سارا پیار محسوس کیا۔ سب ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے۔ ارمان نے نبیہا کو کمرے سے نکلتے دیکھا تو اس کے پیچھے ٹیرس پر چلا آیا۔

"کیسا لگا میرا سرپرائز۔" پشت پر ہاتھ باندھ کر اس نے مسکراتے ہوئے بہت پیار سے پوچھا۔

"اگر میں بکرے کی فرمائش نہ کرتی تو اس دفعہ تم مجھے کیا سرپرائز دیتے۔"

"ہمیشہ کی طرح... ڈھیر ساری... دعائیں!"

اس نے بے ساختہ کہا۔ نبیہا زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صبیحہ اقبال

نازک ڈور سے بندھے رشتے

داتا مال کی وسیع راہ داری میں ٹرالی میں سامان رکھتے وجاہت نے نہ جانے ایسا کیا کہا تھا کہ ساتھ چلتی ریکا کا قہقہہ بلند ہو گیا۔ کئی لوگوں نے مڑ کر دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ لیکن دو اسٹالز کے فاصلے پر بوتیک سے کپڑے پسند کرتا زوار واپس اپنے کام کی طرف دھیان دینے کے بجائے پوری طرح وجاہت اور ریکا کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"یہ تم ہو.... سیٹھ نعمان ملک کی بیٹی اور سیٹھ وجاہت ملک کی خوش باش اور بے فکر بیوی۔" نفرت کی چنگاری دیکھتے دیکھتے شعلہ بن کر لپکی تھی۔ "تم تو کہتی تھیں 'تمہارے بنا جینے کا تصور محال ہے۔ کیوں نہ تمہارے یہ قہقہے چرا لوں؟"

"پر تمہیں کیا ملے گا زوار حسین؟" ضمیر نے آگے بڑھ کر اس سے سوال کیا تھا۔

"اپنی ہتک کا بدلہ لوں گا۔" زوار نے ضمیر کو تھپکی دی۔

"ہتک کہاں 'خاندانی رسم و رواج تھے وہ۔" دماغ نے سمجھایا۔

"اگر مجبوری ہی تھی تو شوہر کے ساتھ یوں خوشی کے شادیانے تو نہ بجائے جاتے نا۔" ریکا کا قہقہہ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

"تم بھی تو شادی کر کے خوش و خرم زندگی گزار رہے ہو نا۔" ضمیر نے پھر ٹھنڈا کیا۔

"میں مرد ہوں۔ عورتیں تو اپنی محبت پر زندگی قربان کر دیتی ہیں۔" محبت میں عورت و مرد کی تفریق کا یہ فلسفہ پتا نہیں کہاں سے آیا تھا۔

دل و دماغ اور ضمیر کی کشمکش جاری رہی۔ وجاہت ملک بل ادا کر کے مارکیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا' جہاں ریکا پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

"تم کیسی ہو ریکا؟" زوار حسین نے دوسری جانب سے آ کر اچانک ہی اسے متوجہ کیا اور ساتھ ہی بے تکلفی سے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ ریکا سیکنڈ کے سویں حصے میں دور ہو گئی۔

"آپ کیسے ہیں زوار؟" اس نے پلٹ کر پوچھا بھی نہ تھا کہ زوار خود ہی بول پڑا۔

"آہ ریکا! میں اور تم کوئی الگ الگ حالت میں تو نہیں ہو سکتے۔"

اس نے لہجے میں اپنائیت اختیار کر کے بلند لہجے میں کہا کہ باہر آتے وجاہت ملک نے صاف طور پر سن لیا۔ وجاہت کو سنا کر زوار تیزی سے مڑ کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"یہ کون صاحب تھے؟" وجاہت کا لہجہ خاصا تیز تھا۔ وہ اندر تک تھرا اٹھی۔

"یہ وہ.... وہ یہ' یہ پاپا کی فیکٹری میں...." جملہ پورا نہ ہو پا رہا تھا۔

"پر تم انہیں اور یہ تمہیں کیسے پہچانتے ہیں' جبکہ پاپا تو ملازمین کو گھر میں بلانے کے قائل ہی نہیں اور جہاں تک میرے علم میں ہے' تم بھی فیکٹری نہیں جاتی تھیں۔ پھر تمہاری ان صاحب سے اتنی بے تکلفی کیسی؟"

ریکا کی غیر ہوتی حالت پھر شادی کے شروع شروع میں ریکا کا اچانک ڈپریشن میں چلے جانا' انہیں کچھ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ ریکا پر انہوں نے تن من دھن نثار کیا تھا۔ لیکن عورت اپنی پہلی محبت کو کبھی نہیں بھولتی۔ کبھی کا پڑھا ہوا جملہ اس وقت انہیں کچوکے لگا رہا تھا شک کے کانٹے سر اٹھائے انہیں زخمی کیے دے رہے تھے۔

"تمہاری اس سے اتنی بے تکلفی کہ وہ "تم' تم" کر کے باتیں کر رہا تھا۔" وہ تقریباً "دھاڑے" تھے۔ ریکا "کیسے لفظوں میں بیان کروں' کیسے حرفوں میں سمیٹوں" والی کیفیت میں آنکھیں پھاڑے وجاہت کو خالی ذہن کے ساتھ تک رہی تھی۔ ہری ہری گھاس پر محو خرام ریکا کے پیر میں کانٹا اس شدت سے چبھا تھا کہ اس کے پورے وجود کو لہولہان کیے دے رہا تھا۔

"وجاہت! ہمارا معاملہ صرف ایک دوسرے کو پسندیدگی کے ساتھ دیکھنے تک ہی محدود رہا تھا اور کچھ بھی نہیں تھا ہمارے درمیان۔ نہ لمبی لمبی ملاقاتیں' نہ عہد و پیماں۔"

"پھر وہ اتنا بے تکلف کیوں ہو رہا تھا؟"

"مجھے نہیں خبر کہ اس نے یہ آگ کیوں لگائی؟"

آگ نے انسیت' محبت' اعتماد' الفت سب کو نگل لیا تھا اور اس کی راکھ سے ریکا اور وجاہت کے درمیان شک و اجنبیت کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔

سامان کو جیسے تیسے گاڑی میں ڈال کر وجاہت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو ریکا نے سکھ کا سانس لے کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنا چاہا۔

"تم پیچھے بیٹھو۔" وہ غرائے۔

"باقی کی زندگی کا سفر دریا کے دو پاٹوں کی طرح ہی گزرے گا۔" وہ سسکی۔ ریکا نے بے دم ہو کر اپنی گردن سیٹ کی پشت سے ٹکا دی اور یادوں نے اسے آگھیرا۔

☼ ☼ ☼

زوار حسین کی مخصوص کال بیل پر مالی بابا بڑے صاحب کے کمرے کی طرف لپکتے' صاحب سے چابیاں لیتے اور مین گیٹ کی طرف بڑھ جاتے۔ روزانہ کا ایک ہی معمول تھا اور یہ معمول کی گھنٹی چھوٹی بی بی کو بہت کھلتی۔ جب سے فیکٹری میں نیا چوکیدار رکھا تھا۔ زوار حسین کی ڈیوٹی میں چابی لے کر جانے کا مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"پاپا! اپنے نوکر سے کہیں کہ وہ آپ کو مسڈ کال دے لیا کرے۔ ڈور بیل بجا کر سب گھر والوں کی نیند ڈسٹرب کرتا ہے۔" ریکا نے آج باپ سے اپنی ناراضی کا اظہار کر ہی دیا تھا۔

"بھئی! وہ سونے کا وقت ہی کب ہوتا ہے۔" سیٹھ نعمان نے مسکراتے ہوئے اس کے تراشیدہ بالوں کو اپنی انگلیوں سے بکھیر دیا۔

"پاپا! آپ تو عادی ہیں سر شام سو جانے اور صبح پو پھٹتے اٹھنے کے۔" ریکا خاصی برہم تھی۔

"اس وقت ٹھیک نو بج رہے ہوتے ہیں' جب زوار حسین چابی لینے آتا ہے۔" نعمان صاحب نے وضاحت کی۔

"چابیاں اسی کو دے دیا کریں' تاکہ صبح ہی صبح اسے لانگ مارچ کرنے کا غصہ بیل پر نہ اتارنا پڑے۔" وہ زچ ہو رہی تھی۔

"ایک تو وہ لانگ مارچ نہیں کرتا' بلکہ اپنی آلٹو پر آتا ہے' آخر ہماری فیکٹری کا اکاؤنٹنٹ ہے۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔ "اور رہا چابیوں کا سوال تو میں رات کے لیے کسی کو نہیں دے سکتا' سو طرح کے ذہن ہوتے ہیں۔" سیٹھ نعمان اپنی دور اندیشی بیان کر رہے تھے۔

"جو کچھ بھی ہو' بس کل سے میری نیند ڈسٹرب نہیں ہونی چاہیے' اس کے بے وقت آنے سے۔" وہ بے زار بے زار سی باپ کے پاس سے پلٹ آئی۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

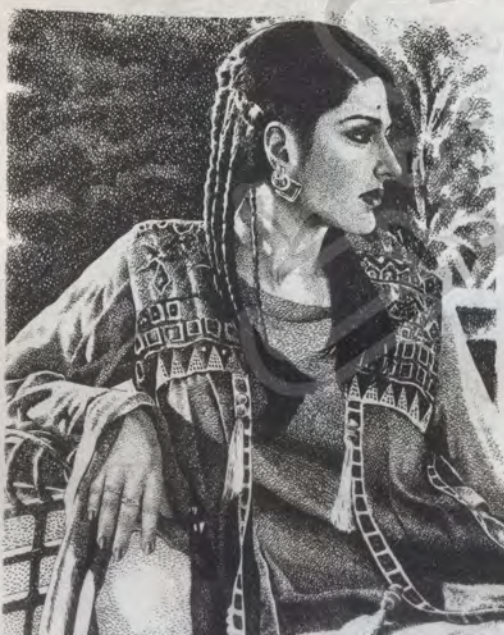

نیند کے معاملے میں ہمیشہ کمزوری دکھا جاتی تھی۔ اس نیند کے سبب کالج کی حاضری بھی پچاس فیصد سے نہ بڑھتی تھی۔

ریکا تنگ ہو رہی ہو اور سیٹھ نعمان کچھ نہ کریں، یہ ناممکن تھا۔ جب سے سبیکا اور وجیہہ نعمان حادثاتی موت کا شکار ہوئی تھیں۔ نعمان صاحب ریکا کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اب اس کی ماں بھی وہی تھے اور بڑی بہن بھی۔ ارحام تو ویسے ہی بہت چھوٹا اور حساس طبیعت کا مالک تھا۔ اسے بھی بھرپور توجہ کی ضرورت تھی۔ نعمان صاحب بہت خوبی سے اپنی دوہری ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔

"زوار! تم کل صبح سے کال بیل کے بجائے مجھے کال کرنا۔" انہوں نے بیٹی کی شکایت کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔

"بہتر جناب۔" زوار نے تابعداری کا مظاہرہ کیا۔

☆ ☆ ☆

"ٹرن ٹرن ٹرن۔"

"کون پاگل کا بچہ ہے؟" نیند میں ریکا ہر لحاظ بالائے طاق رکھ دیتی تھی۔ اس نے فون ریسیو کرتے ہی دل کا غبار نکالا۔

"دیکھیں محترمہ! میں نعمان صاحب کی فیکٹری میں اکاؤنٹنٹ ہوں۔ آپ جو بھی ہیں، مجھے جو چاہے کہیں، لیکن باپ تک جانے کی اجازت نہیں۔" ادھر سے درشت لہجے میں تنبیہہ کی گئی۔

"اچھا اچھا! کیا کام ہے؟" پھر پھینکا گیا۔

"وہ سیٹھ صاحب جاتے ہوئے آپ کا نمبر دے گئے تھے کہ جو بھی کام ہو، آپ سے رابطہ کروں۔"

"تو کیا ضرورت آ پڑی اتنی صبح صبح... منہ اندھیرے؟" وہ تھانے دارنی بنی ہوئی تھی۔

"آپ کو اگر نو بجے بھی سورج نظر نہ آئے تو اس میں میرا کیا قصور؟" یہ زوار حسین اچھا خاصا ڈھیٹ ہے۔

"صبح اس وقت نہیں ہوتی، جب سورج نکلے۔ صبح اس وقت ہوتی ہے، جب آدمی جاگ جائے۔" وہ بڑبڑائی۔ نیند کے ٹوٹنے پر ابھی تک اس کے منہ کا ذائقہ بدمزا ہی تھا۔

"میں تو روز اسی وقت آتا ہوں میڈم! آپ جاگتی ہیں یا سوتی، یہ میرا مسئلہ نہیں۔" دوسری طرف بھی جھنجلاہٹ عیاں تھی۔

"اچھا! اس لیے آئے ہیں، کیا کام ہے؟"

"اس وقت فیکٹری کی چابیاں لینے آیا ہوں۔"

"آں ہاں!" پاپا رات جاتے ہوئے اسے کہہ گئے تھے کہ زوار حسین کو چابیاں دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ مالی بابا پھر اس کے سر پر کھڑے تھے۔

"اب کیا ہو گیا؟" وہ بے زاری سے بولی۔

"وہ زوار صاحب کہہ رہے ہیں، انہیں آپ سے کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے۔ بہت اہم معاملہ ہے۔"

"عجیب آدمی ہے۔ کہہ دو! میرے سونے کا وقت ہے۔ شام کو ڈسکس کر لینا۔" اس نے کروٹ بدل لی۔

"نیند کا سارا مزا کرکرا کر دیا۔ اس زوار کے بچے نے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"چھوٹی بی بی... !چھوٹی بی بی!"

"کیا ہے؟" وہ اتنے زور سے دھاڑی کہ مالی بابا دو فٹ اچھل پڑے۔

"وہ کہہ رہے ہیں، بات ابھی کرنا بہت ضروری ہے۔ فون پر نہیں کی جا سکتی۔"

"اچھا! بلا لو اس آفت ناگہانی کو اندر۔"

وہ خاصی بدلحاظ ہو رہی تھی۔ جلدی سے واش بیسن سے ٹھنڈے پانی کے چھپکے لگا کر شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے جیسے ہی وہ لان کی طرف آئی تو ایک دراز قد وجیہہ نوجوان کو بے چینی کے عالم میں ٹہلتے پایا۔

"آپ...؟"

"جی! زوار حسین۔" ذہن میں بسا "مالی بابا" ایسا ملازم کہیں رفو چکر ہو گیا۔

"میڈم! نیند ڈسٹرب کرنے پر معذرت۔" وہ

مسکرایا تو اس کے ہموار چمک دار دانت اس کی وجاہت میں مزید اضافہ کر گئے۔

"جی!" وہ بولنا بھول رہی تھی۔ ویسے بھی کسی اجنبی سے بات کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

"جی بولیے! کیا پرابلم ہے، کیا ہوا ہے؟" ریکا نے اپنے آپ پر جلد ہی قابو پا لیا۔ وہ خاصی مہذب ہو گئی تھی یا مرعوب۔

"میڈم! بات یہ ہے کہ بڑے صاحب کے اے ٹی ایم نمبر کو ٹریس کر کے کسی نے اچھی خاصی شاپنگ کر ڈالی ہے اور صاحب کا اپنا سیل مسلسل بند جا رہا ہے۔ اگر کوئی دوسرا پرائیویٹ نمبر ہو تو انہیں اطلاع کر دیں۔"

"کیا ہو گیا ہے لوگوں کو؟ روز، روز کی ہڑتالیں، لمبی لمبی لوڈشیڈنگ، قسم قسم کے بھتوں نے ویسے ہی کمر توڑ رکھی ہے۔ یہ ایک نئی افتاد۔" وہ واقعی خاصی پریشان ہوئی تھی۔

"میڈم! آپ فکر نہ کریں۔ بس صاحب کو اطلاع کر دیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ تسلی دیتا رخصت ہو گیا۔ لیکن وہ رخصت کب ہوا تھا؟ دراز قامتی، خالص مردانہ وجاہت، کھلتا ہوا گندمی رنگ، کولون کی مہک، سب ہی کچھ تو جیسے لان میں چھوڑ گیا تھا۔

ریکا کی زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی اپنا تخیلاتی بت چھوڑ گیا ہو۔ سارا دن کوئی خوشگوار سا احساس ساتھ رہا تھا۔ اس نے کئی بار چونک کر ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی خود بخود لبوں پر آ جانے والی اس مسکراہٹ کو دیکھ تو نہیں رہا۔ یہاں ہے ہی کون جو تمہاری کیفیت کو نوٹ کرے۔

رات پاپا سے حسب معمول بات چیت میں زوار حسین کی صلاحیت کی بات نکلی تو اس سرد موسم میں بھی اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ دل کی کیفیت کو باپ سے چھپانا خاصا مشکل تھا۔

☆ ☆ ☆

دوسری صبح زوار کی مسڈ کال پر بجائے چابیاں بھیج دینے کے اس نے فون پر بات کرنا شروع کر دی۔

"بابا! آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔" اس نے خواہ مخواہ ہی بات کرنے کا بہانہ تراشا۔

"آج آپ نیند سے بیدار ہو چکی ہیں؟" اس سوال پر ریکا گڑبڑا گئی۔

"وہ آپ کو بابا کے خیالات سے آگاہ تو کرنا ہی تھا نا۔" زوار کی محنت اور ایمان داری نے پہلے ہی نعمان صاحب اور اس کے درمیان سے آجر و مزدور والے فاصلے سمیٹ دیے تھے۔ لیکن نفسانی خواہشات انسان کو مذہب ہی سے نہیں تہذیب سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے۔ سو زوار اور ریکا دو شریف اور مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے اسیر ہوتے چلے گئے۔

ریکا نعمان کی صبحیں "مسڈ کال" کی منتظر رہتیں۔ پہلے صبح نو بجے "منہ اندھیرے" لگتا تو اب دن چڑھ چکنے کا شکوہ۔ روز صبح نعمان صاحب کو مسڈ کال دینے سے پہلے ایک کال ریکا نعمان کے لیے بھی ہوتی۔ دیدار ہوتا ایک دوسرے کا اور پھر نعمان صاحب کو کال کرنے کا وقت ہوتا۔

مالی بابا سے چابی وصول کر کے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے بھی ریکا کے کمرے کی کھڑکی کا طواف ہو جاتا۔

سیانے کہتے ہیں کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ گاڑی رکنے کی آواز پہلے اور کال کافی دیر بعد آتی تو نعمان صاحب کو کھوج لگی۔ نعمان ملک صاحب تو ریکا کو ماں کی نظروں سے بھی دیکھتے تھے جو جوان بیٹی کے ساتھ سوتی بھی ہے تو آنکھیں کھلی رکھتی ہے۔ بیٹی کے طور اور چال ڈھال سے اندازہ لگا چکے تھے۔ اب ایک ہی دن کی نگرانی نے معاملہ کھول کر سامنے کر دیا تھا۔

وہ گلاب کی کیاریوں کے پاس کھڑی، خوشبو کو اپنے سانسوں میں اتار کر آنکھیں بند کیے کسی اور ہی دنیا کی سیر کر رہی تھی۔

مختصر اتنا کہ دو لفظوں سے بن جاتا ہے دل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے وسیع اتنا کہ اس میں دو جہاں کا راز ہے
اس راز کو چھپائے وہ خاصی پریشان بھی ہو جاتی۔ کوئی دوست، کوئی بہن ہوتی جو راز دل کہہ کر تھوڑا ہلکا ہوا جاتا۔ جب ہی مالی بابا اس کا بلاوا لے کر آ گئے۔ پاپا نے اسے بلایا تھا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا۔"

"ہوں بیٹھو! بڑا مشکل ہوتا ہے ایسے مواقع کو فیس کرنا۔"

اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔ ریکا نے سوالیہ نظروں سے باپ کی جانب دیکھا۔ دل کی دھڑکن آج کل ویسے ہی بے قابو ہو جاتی تھی۔

"بیٹا دیکھو! میں تمہیدیں باندھنے کا عادی نہیں ہوں۔ تم بتاؤ، زوار تمہاری نگاہ میں کیسا لڑکا ہے؟" انہوں نے بیٹی سے براہ راست سوال کر ڈالا۔

"بہت بہت ہی اچھا۔" دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ لیکن دل کی بات زبان پر لانے کا موقع بھی تو یہی تھا۔ سو اس نے بلا تکلف باپ کی بات کا جواب دے دیا۔

"تم اس میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"ہاں! اگر مجھے موقع دیا جائے تو میرا فیصلہ اس کے حق میں ہو گا۔" باپ کے سیدھے سوال کا سیدھا ہی جواب آ گیا تھا۔

"اچھا!" پانی کے سر سے اونچا ہونے کے احساس نے انہیں خاصا فکر مند کر ڈالا تھا۔

"لیکن ریکا! تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ہماری فیملی میں اپنی ذات سے باہر رشتے نہیں ہوتے۔"

"جی!" ریکا رو دینے کو تھی۔ "پاپا! آپ نے آج تک میری کوئی خواہش رد نہیں کی۔ مجھے اپنے پاپا پر بڑا مان ہے کہ وہ بیٹی کی خاطر اس فضول پابندی کو توڑ دیں گے۔" اس نے بڑے ناز سے کہا۔

"نہیں، نہیں بیٹا! تم نے غلط اندازہ لگایا ہے۔" انہیں اپنا ماضی یاد آ گیا۔ اس روایت نے انہیں اور مریم کو کیسا کیسا تڑپایا تھا۔ مگر بابا کے آگے ساری آہ و زاریاں بے سود۔ ماضی اور حال کے درد نے مل کر ان کی آنکھوں کو بھی نم کر دیا تھا۔

"بیٹا! میں ایک تمہاری خاطر اپنے پرکھوں کی روایات نہیں توڑ سکتا۔" انہوں نے اضطراری کیفیت میں سر کو کئی مرتبہ نفی میں حرکت دے ڈالی۔

"مگر پاپا! آپ تو خود ان روایات کے ڈسے ہوئے ہیں۔ انہیں پسند نہیں کرتے۔" اس نے انہیں ان کا ماضی یاد دلایا۔

"بیٹا دراصل ہم سب منافقت کے اسیر ہیں۔ اپنا وقت ہو تو روایات کو برا کہتے ہیں، لیکن پھر بات دوسرے کی آتی ہے تو ان ہی روایات کی پابندی کرتے ہیں۔" انہوں نے گویا بات ختم کر دی۔

گھرے بادلوں میں تلاطم برپا ہو جائے تو وہ طوفان اٹھا دیتے ہیں، لیکن اس طوفان میں بھی سیٹھ نعمان پیر جمائے کھڑے تھے۔ نہ ریکا کی سوجی سوجی متورم آنکھیں انہیں ہلا سکیں، نہ زوار حسین کا خاموشی سے سروس کو خیرباد کہہ دینا۔

آج وہ کئی ماہ بعد اپنی دوست کی سالگرہ کے فنکشن میں شریک ہوئی بھلا کوئی کب تک دنیا سے ناتا توڑ کر سنیاس لیے بیٹھا رہ سکتا ہے، جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ جذبات سے گندھی عورت تو شمع کی مانند پگھل کر ختم ہو ہی جاتی ہے۔ اس کا وجود ایک بے شکل ڈھیر میں تبدیل ہو کر بس اپنے ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ فنکشن میں جس نے اسے دیکھا، تعجب سے ہی دیکھا۔

"اسے کیا ہو گیا؟"

وہ کونے والی سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔

حسن سوگوار کے متلاشی وجاہت ملک کی نظریں بڑی دیر سے اس کے تعاقب میں تھیں اور وہ خجل ہو رہی تھی۔ دور پرے کی رشتہ داری تھی، اس لیے قریب آ کر دعا سلام کرنے کا موقع وجاہت نے نہیں جانے دیا تھا۔ شمع کی مانند پگھلتی سلگتی ریکا وجاہت کے دل کو روشنی عطا کرنے اس کی کوٹھی میں جا اتری۔

اپنی ذات، اپنے لوگ، اپنے ہم پلہ۔

"کیا ہوا ربی! آج تمہاری آنکھیں سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟" وجاہت نے اس کی آنکھیں دیکھ کر تشویش کے ساتھ پوچھا۔

"بس! یوں ہی ذرا سر میں درد ہے۔" اس نے بہانہ بنا دیا، ورنہ رات خواب میں زوار کو دیکھنے کے بعد جو آنکھ کھلی تو نیند ہی کب آئی تھی۔ ماضی کی تلخ و شیریں یادوں کے دیپک ایسے جلے کہ صبح ہو گئی۔

"لاؤ! میں سر دبا دوں۔" وہ اپنے اندر کے تپتے صحرا کو چھپا کر ہی رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن وجاہت ملک اسے ایسے ہی چھوڑ دیتے، ناممکن تھا۔ انہوں نے اس کا سر اپنے چوڑے شانوں پر رکھ کر اتنی نرمی سے دبایا کہ وہ واقعی پرسکون ہو گئی۔

وقت کے مرہم اور شوہر کی محبت کے ابلتے چشموں نے اسے ایک بار پھر زندگی کی طرف لوٹا دیا تھا۔ پارٹیز، فنکشنز، گھر، بازار وہ ہر جگہ وجاہت کے سنگ نظر آتی — وہ وجاہت ملک کے دل کی دھڑکن تھی تو وجاہت بھی تو اس کا دل تھا۔ یوں لگتا، جیسے زوار حسین اس کی زندگی میں آیا ہی نہ ہو اور یہ ہے بھی حقیقت۔ عورت جب کسی کو بھلا دے تو اسے پہچانتی تک نہیں۔

"ارے ربی! یہ تم نے آج کیسے بدرنگ کپڑے پہن لیے؟ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے یہ بینگنی رنگ کے کپڑے، تم جیسی خوب صورت لڑکی پر، پلیز۔"

لیکن شاید "پلیز" تو وجاہت ملک کے منہ سے بعد میں نکلا۔ وہ پہلے ہی اپنے وارڈروب کی طرف بڑھ چکی تھی۔

"ہاں! بے شک آج کل فیشن ہے، مگر وجی! مجھے کمرے کی رنگ برنگی دیواریں پسند نہیں۔ ایک ہی کلر میں پورا کمرا اچھا لگتا ہے۔"

پینٹر کے چلے جانے کے بعد جب وجاہت اسے گھر کی نئی کلر اسکیم کے متعلق تفصیل سے بتا رہا تھا تو ریکا نے اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اوکے! کل پینٹر سے اسکیم درست کرا لیں گے۔" وجاہت نے اس کی پسند کو مقدم جانا۔

جب ایک دوسرے کے جذبات و خواہشات کا احترام اس درجے میں ہو تو زندگی رشک جنت تو ہوتی ہے نا۔

ریکا نے بے دم ہو کر اپنی گردن سیٹ کی پشت پر ٹکا دی۔ یادوں کی کونپلیں سر نکالتے ہی تناور درخت بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔

"یہ تم کنیزوں والے حلیے میں کہاں جا رہی ہو۔ بنا چادر لیے جانے کی تیاری پکڑتی، کاندھے پر بیگ لٹکائے جب وہ جھکی جوتیوں کے تسمے باندھ رہی تھی تو ارحام نے اسے ٹوکا تھا۔ تقریباً گھنٹہ بھر سے تیار ہوتی گلابی گلابی سی ریکا ایک دم غصے سے لال بھبوکا ہو گئی۔

"یہ تم نے کنیز کس کو کہا؟" وہ سیدھی کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

"پاپا! شاید میں آپ کو سمجھا نہیں سکا کہ وہ رب جو ہمارا مالک ہے، جس نے انسان کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہے۔ کیا وہ ہی ہماری ضرورتوں کو نہ جانے گا؟"

"کیوں کیا میں نے کپڑے نہیں پہنے ہوئے جو ایک اور بوجھ لادلوں؟ میں نے سن گلاسز پہلے ہی لے رکھے ہیں۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"حجاب صرف دھوپ کی تمازت ہی سے نہیں بچاتا بلکہ ذہنی گندگیوں سے بھی دور رکھتا ہے۔" ارحام نے اصل بات بتا دی۔

"شک کیے جانا اپنی بصارت و عقل پر۔ پتا نہیں تم لوگ کیوں تاریک کونوں کھدروں میں دیکھنے کے عادی ہو۔ روشنیاں تمہیں دھوکا لگتی ہیں۔" ریکا پر روشن خیال ہونے کا خبط سوار تھا۔ لہٰذا بھائی کی درست بات بھی غلط لگ رہی تھی۔

"اگر آج میں حجاب میں ہوتی تو زوار حسین مجھے یوں عرش سے فرش پر پھینک سکتا تھا، یوں میرے اور وجاہت ملک کے درمیان بداعتمادی اور شک کی وسیع دیواریں کھڑی کر سکتا تھا؟ کاش ..." وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نسرین خالد

خواب سراب

امی کی بات سن کر میرا دماغ گھوم گیا۔ آخر انہوں نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس 1960ء کی ماڈل سے شادی کرلوں گا۔ انہیں دنیا میں ایک میں ہی بے وقوف نظر آیا تھا۔

"میں مر کر بھی کرن سے شادی نہیں کروں گا۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارے بابا کا فیصلہ ہے اور تمہیں پتا ہے نا ان کا۔" امی نے مجھے ڈرانا چاہا۔

"میں کرن سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" میں نے موبائل بند کر کے دور پھینکا۔ مجھے بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔

کرن میرے اکلوتے چچا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ مجھے لگتا تھا اس میں کوئی بوڑھی روح سمائی ہوئی ہے۔ نہ جانے کون سے دور میں رہتی ہے وہ۔ آج کے ماڈرن دور میں بھی ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے، بڑا سا تھان نما دوپٹا لپیٹے رکھتی ہے۔ مجھے اس سے سخت چڑ ہے۔ چڑنے کی اصل وجہ پچھلے دنوں پیش آنے والا واقعہ ہے۔

دو ہفتے پہلے جب میں چھٹیوں پر گھر گیا تھا تو چچی سے ملنے کے لیے چلا گیا۔ کرن نے گیٹ کھولا اور کھولتے ہی مجھے دیکھ کر بولی۔

"شعر بھائی! اماں، ابا گھر پر نہیں ہیں۔ آپ بعد میں آجائیے گا۔"

اپنی اتنی عزت افزائی پر میرا دماغ گھوم گیا۔ اسے مجھ پر، اپنے سگے تایا کے بیٹے پر اتنا اعتبار بھی نہیں تھا کہ گھر کے اندر آنے دے۔ میں نے گھر جا کر امی کو ساری بات بتائی کہ ان کی لاڈلی نے کیسے مجھے دو ٹکے کا کر کے رکھ دیا۔

"ٹھیک کیا اس نے۔ بہت سمجھ دار بچی ہے وہ۔"

امی کی بات پر میں مزید تپ گیا۔

"میں اس کے تایا کا بیٹا ہوں امی! گلی کا کوئی لوفر لڑکا نہیں ہوں جس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے ناراضی سے امی کو دیکھا، مگر وہ میری بات کو نظر انداز کر کے کچن میں چلی گئیں۔

"کیا بات ہے اشعر صاحب! پارہ کیوں ہائی ہے؟" چائے کا کپ اٹھائے اندر آتے سفیان نے پوچھا۔

"یار! بابا میرا رشتہ کر رہے ہیں اپنی اکلوتی بھتیجی کے ساتھ۔"

"تو پھر کیا پرابلم ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

"وہ 1960ء کا ماڈل ہے۔ تجھے تو پتا ہے نا! مجھے تھوڑی ماڈرن لڑکیاں پسند ہیں۔" میں نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"او بھائی! شادی کے لیے ایسی ہی لڑکیاں ٹھیک رہتی ہیں۔" سفیان مجھے مزید مشوروں سے نوازتا مگر اس کا موبائل بج اٹھا۔

"کہاں تھیں تم؟ چار دنوں سے مسلسل تمہارا نمبر ٹرائی کر رہا ہوں مگر ہر وقت آف ہوتا ہے۔ تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے میری کیا حالت ہوگئی ہے۔ چار دن ہوگئے میں نے کچھ نہیں کھایا۔" سفیان کال ریسیو کرتے ہی شروع ہوگیا۔

میں آنکھیں پھاڑے اس کا جھوٹ سنتا رہا۔ ابھی دوپہر میں بریانی کی تین پلیٹیں چٹ کر گیا تھا اور صبح میں حلوہ پوری کا ناشتا۔

وہ اکثر لڑکیوں سے اسی طرح کے جھوٹ بولتا رہتا تھا۔ جانے یہ کون ہے۔ شنزا، مزنہ، سدرہ، ماہ جبین یا کوئی اور......

"کیا......؟ ایسا کچھ نہیں ہو سکتا سدرہ! تم صاف انکار کر دینا۔ میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا۔ اگر تم کسی اور کی ہو گئیں تو میں اپنی زندگی ختم کرلوں گا۔"

میں نے غور سے سفیان کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس کی آواز سے بالکل مختلف تھے۔ آواز سے وہ بہت بے چین اور پریشان لگ رہا تھا، جبکہ اس کے چہرے پر سوائے ایک کمینی سی مسکراہٹ کے کچھ نہ تھا۔ سفیان اب خاموشی سے دوسری طرف سے آتی آواز سن رہا تھا اور میں اس کے چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

"سدرہ! مجھے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں ٹائم لگے گا۔ ایسے تو پاپا نہیں مانیں گے...... چلو! ٹھیک ہے، میں اپنے گھر والوں سے بات کروں گا۔ تم ہاں مت کرنا۔ اگر تم نے کہیں اور شادی کی تو تمہاری ڈولی سے پہلے تمہارے سفیان کا جنازہ اٹھے گا۔" سفیان کی بات سن کر میری ہنسی چھوٹ گئی۔ یہ ڈائیلاگ میں نے کسی فلم میں سنا تھا۔

"اوکے...... میں خود کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تم کل آؤ گی نا پارک میں؟ وہیں بات ہوگی، بائے۔"

سفیان نے فون بند کیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ سدرہ کا کیا چکر ہے؟"

"وہی جو ایک سو دس لڑکیوں کا مسئلہ ہے کہ ماں، باپ ان کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں، مگر وہ میرے سوا کسی سے شادی نہیں کریں گی۔" سفیان نے شرارت سے کہا۔

"تو سدرہ کو کیوں ورغلا رہا ہے؟ کہہ دے کہ خاموشی سے جہاں اس کے ماں، باپ کہہ رہے ہیں، شادی کرلے۔"

"میں کیوں کہوں، جب اسے خود خیال نہیں ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ وہ میرے بغیر مر جائے گی تو میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی کہہ دیا کہ میں بھی تمہارے بغیر مرجاؤں گا۔"
سفیان ڈھٹائی سے بولا تو مجھے اس پر غصہ آیا۔
"اسے سچ سچ بتا دے کہ تو اس کے ساتھ فلرٹ کر رہا تھا۔ یار! اچھی خاصی عزت دار فیملی ہے۔ کیوں تماشا بنا رہا ہے ان کا۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔
"اونہہ! عزت دار فیملی... اتنے ہی عزت دار ہیں تو اپنی بیٹی پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔" سفیان کے لہجے میں حقارت تھی۔ میں بس اسے دیکھے گیا۔ اسے سمجھانا بہت مشکل تھا۔

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی سے آتے ہی میں سو گیا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو سفیان آئینے کے سامنے کھڑا تیاری میں مصروف تھا۔
"کہاں کے ارادے ہیں یار؟" میں نے اس کی تیاری دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"پارک جا رہا ہوں' سدرہ سے ملنے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ میں نے اسے سمجھانے کی نیت سے کچھ کہنا چاہا' مگر وہ میرا ارادہ بھانپ گیا۔
"اشعر! دیکھ اب ناصح نہ بن جانا۔ تجھے پتا ہے نا' مجھے نصیحت کرنے والے لوگ زہر لگتے ہیں۔"
اس کی بات سن کر میں نے اسے سمجھانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔
دروازہ زور سے بند ہونے پر دوبارہ آنکھ کھلی۔ سفیان شدید غصے میں کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے کھڑکی سے باہر کا جائزہ لیا تو حیران رہ گیا۔ میں کتنی دیر تک سوتا رہا تھا۔ باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں اٹھا اور منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر سستی کو کم کرنا چاہا۔ جب میں کمرے میں لوٹا تو سفیان کسی کو گالیاں دینے میں مصروف تھا۔
"ایڈیٹ' پیچ... وہ سمجھتی کیا ہے خود کو۔ اس جیسی ہزاروں صبح و شام سفیان رضا کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔ میں اس جیسی مڈل کلاس لڑکیوں کو گھاس تک نہیں ڈالتا۔"
"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اسے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے پوچھا۔
"سدرہ کی... پہلے مجھے پارک میں بلایا۔ پورے دو گھنٹے اس کا ویٹ کیا۔ فون کیا تو بولی' "سفیان! میں نہیں آسکتی۔ میری مجبوری کو سمجھو۔" سفیان نے اس کی نقل اتاری۔
"ہونہہ! بھاڑ میں جائے وہ اور اس کی مجبوری۔ ایک بار مل جائے تو اس کا وہ حال کروں گا کہ یاد رکھے گی۔" سفیان نے جوتے اتار کر دیوار پر دے مارے اور واش روم میں گھس گیا۔
جانے کیوں مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ سدرہ نہیں آئی۔

☆ ☆ ☆

"یار! آج شام سعود کی طرف چلنا ہے۔ برڈ فن ہوگا وہاں آج۔" میں نوٹس بنا رہا تھا' جب سفیان کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔
سعود یونیورسٹی کا کافی نامی گرامی لڑکا تھا۔ اس کی شہرت بالکل اچھی نہیں تھی۔ وہ کسی ایم پی اے کا بھتیجا تھا' اسی وجہ سے اس نے کھلی غنڈہ گردی مچائی ہوئی تھی۔
"نہیں یار! میں نہیں جاسکوں گا۔" میں نے صاف انکار کیا۔
"کیا مطلب نہیں جاسکوں گا۔ اس نے تجھے لانے کا اسپیشل کہا ہے۔"
"مجھے کیوں؟" میں حیران ہوا۔
"اس لیے کہ تو میرا دوست ہے۔ وہ کہتا ہے اس کے دوستوں کے دوست اس کے بھی دوست ہیں... تو آٹو میٹیکلی تو بھی اس کا دوست ہوا نا؟" سفیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"سفیان! وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔ ایسے لڑکوں سے دوستی نہیں..." میں نے اسے سمجھانا چاہا' مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔
"دیکھ اشعر! مجھے سمجھا مت۔ بس یہ بتا کہ میرے

ساتھ چلے گا یا نہیں؟" اس نے جواب طلب نظروں سے مجھے دیکھا۔
"ٹھیک ہے! چلوں گا۔ کتنے بجے جانا ہے؟" میں نے ہار مانتے ہوئے پوچھا۔
"رات کھانے کے بعد... تو تیار رہنا۔ میں ذرا گھر والوں سے بات کرلوں۔" سفیان موبائل پر نمبر ملاتے ہوئے ٹیرس پر چلا گیا۔
میں سفیان کی وجہ سے مان تو گیا تھا' مگر میرا سعود کی طرف جانے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ آج کل میں بہت اداس تھا۔ میں امی' ابا سے ناراض تھا۔ اس دن کے بعد گھر سے کوئی فون نہیں آیا تھا۔ حالانکہ میں منتظر تھا کہ امی مجھے منائیں' مگر لگتا تھا کہ امی کو کرن مجھ سے زیادہ عزیز تھی۔
کھانے سے فارغ ہو کر میں اور سفیان' سعود کے فلیٹ کی طرف چل پڑے۔ سعود بہت پرجوش انداز میں ملا۔ وہاں پہلے سے پانچ' چھ لڑکے موجود تھے' جنہیں میں اکثر یونیورسٹی میں دیکھتا رہتا تھا۔
"دادا! کوئی فن بھی ہوگا یا ایسے ہی بٹھائے رکھو گے؟" گرے شرٹ والے لڑکے نے بے تابی سے پوچھا۔
"فن' کوئی ایسا ویسا... بڑے انتظام کیے ہوئے ہیں دادا نے۔ سرپرائز ہے عاصم بھائی!" سعود کے پاس بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا۔
وہ سب ایک دوسرے سے معنی خیز گفتگو کر رہے تھے۔
سعود کا موبائل بجا تو نمبر دیکھتے ہی اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔
"اوں ہوں! یہ تو' میرے پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔" اس نے حقارت سے کہا اور موبائل بند کر کے دور اچھال دیا۔
"کون ہے دادا؟" سفیان نے اشتیاق سے پوچھا۔
"تمہارے ڈپارٹمنٹ کی حمیرا ہے یار! ذرا سی لفٹ کیا کرادی۔ پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔"
حمیرا کا نام سن کر میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ ہمارے ڈپارٹمنٹ کی کافی لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے لگتا تھا کہ یہی میری آئیڈیل ہے۔
"مم... مگر وہ تو ایسی لڑکی نہیں ہے۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔
"اوئے! کون سی دنیا میں رہتے ہو شہزادے؟" گرے شرٹ والے لڑکے نے مجھے دیکھ کر کہا۔
"سفیان! تیرا دوست تو بڑا ہی بھولا ہے یار!" سعود نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ کر کہا۔
"دادا! اسے چھوڑ۔ یہ بتا' پارٹی کب شروع ہوگی؟ ہم بھی دیکھیں' کیا سرپرائز ہے۔" سفیان نے باتوں کا رخ بدلا۔
وہ سب اپنی باتوں میں مصروف ہو چکے تھے' جبکہ میں اب تک شاک میں تھا۔ میں حمیرا سے بے حد متاثر تھا۔ میں تو یہاں تک سوچ چکا تھا کہ موقع پا کر حمیرا سے بات کروں گا کہ میں اپنی امی' ابا کو اس کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں' مگر...
وہ ویسی نہیں تھی' جیسی نظر آتی تھی... یا شاید مجھے لوگوں کی پہچان نہیں تھی۔
مجھے اپنا آپ وہاں مس فٹ لگ رہا تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اٹھتے دیکھ کر سفیان نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔
"کیا ہوا؟"
"یار! طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر جا رہا ہوں۔"
"کیا ہوا؟ میں گھر چھوڑ آؤں' اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو؟" سفیان کے چہرے پر پریشانی تھی۔ شاید میں چہرے سے بیمار لگ رہا تھا۔
"نہیں... میں خود چلا جاؤں گا' تو انجوائے کر۔" یہ کہہ کر میں رکا نہیں۔ جلدی جلدی سیڑھیاں اترتا نیچے پہنچا۔ کھلی فضا میں دو' تین لمبے لمبے سانس لے کر میں نے خود کو کافی بہتر محسوس کیا۔ اپنے فلیٹ پر پہنچ کر میں نے جیب سے چابی نکالی۔ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی میرے پیچھے کھڑا ہے۔ میں نے فوراً مڑ کر دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر کوئی لڑکی کھڑی تھی' بڑی سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چادر اوڑھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سفری بیگ بھی تھا۔ اس نے چادر سے منہ چھپایا ہوا تھا۔

"م شعر بھائی! سفیان کہاں ہے؟" آواز کچھ جانی پہچانی لگی۔

"تم کون ہو؟"

"میں سدرہ ہوں... میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ آئی ہوں۔"

"کیوں؟" میری آواز ایک دم تیز ہوگئی۔

"وہ لوگ میری شادی کررہے ہیں۔ میں سفیان کے بغیر مرجاؤں گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ مجھے آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ لوگ پیدا کرنے والے ماں، باپ کے بغیر تو رہ سکتے ہیں، مگر ایک اجنبی شخص کے بغیر مرنے کا دعوا کرتے ہیں۔

میں نے ایک نظر اس کے سفری بیگ پر ڈالی۔ میرا دل چاہا اس کی بے وقوفی پر ماتم کروں جو ایک اجنبی شخص کے لیے رات کے اس پہر اپنا گھر چھوڑ آئی تھی۔

"تمہیں معلوم بھی ہے، تم جس لڑکے کے لیے گھر چھوڑ کر آئی ہو، وہ روزانہ پچاس لڑکیوں کو یہی کہتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے، اور ان کے بغیر مرجائے گا؟"

"وہ... وہ ایسا نہیں ہے۔" سدرہ کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔

"تم جانتی کتنا ہوا سے؟ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں، تمہیں اس سے بات کرتے ہوئے۔ وہ پرانا کھلاڑی ہے۔ اگر میں تمہیں بتادوں کہ وہ تمہارے بارے میں کیسے کیسے الفاظ استعمال کرتا ہے تو تمہارا دل چاہے گا کہ کسی قریبی نالے میں ڈوب کے مرجاؤ۔

اور تم... تم منہ اٹھا کر اس طرح چلی آئیں۔ اپنے ماں، باپ کی عزت کا پاس نہیں ہے تمہیں؟" مجھے سدرہ پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔

مجھے محسوس ہوا، وہ رو رہی ہے۔

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ واپس چلی جاؤ۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے خیال آیا رات کے اس پہر اس کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں ہے۔

"رکو!" میری آواز پر وہ رک تو گئی تھی، مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ "میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

میں اس سے تھوڑے فاصلے پر چلنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا، وہ مسلسل روئے جارہی ہے۔

"اچھا ہے! ابھی رولے۔ نہیں تو اسے پوری زندگی رونا پڑتا۔"

سڑک پر اکا دکا گاڑیاں چل رہی تھیں۔ میں اس کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر رک گیا۔ وہ اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگی تو میں نے اسے پکارا۔

"سنو! آئندہ ایسی غلطی کبھی مت کرنا۔ لڑکیاں جب رات کے اس پہر اکیلی گھر سے نکل جاتی ہیں تو بے اماں ہوجاتی ہیں۔ جہاں تمہارے ماں، باپ کہہ رہے ہیں، وہاں شادی کرلو۔ وہ کبھی تمہارا برا نہیں چاہ سکتے۔ کیونکہ دنیا میں صرف ماں، باپ کا رشتہ ایسا ہے جو بے غرض ہے۔"

اس نے مڑ کر مجھے ایک نظر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تشکر تھا۔ وہ جلدی سے گھر کے گیٹ کی طرف بڑھی۔ دروازے پر ذرا سا زور ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ لگتا تھا اس کے گھر والوں کو ابھی تک خبر نہیں ہوئی تھی۔

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فلیٹ کی طرف چل پڑا۔ مجھے اپنے اندر سکون اترتا محسوس ہورہا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا، صبح ہوتے ہی گھر فون کرکے امی، بابا سے معافی مانگوں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ میں کرن سے شادی کے لیے تیار ہوں۔

مجھے ان کا فیصلہ منظور ہے۔ انہوں نے میرے لیے بہترین انتخاب کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی میرا برا نہیں سوچ سکتے۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائزہ افتخار

اک نئی سنڈریلا

سیف اللہ کاروبار کے سلسلے میں اکثر بیرون ملک جاتے رہتے تھے۔ وہ نیپال کے دورے پر گئے تو واپسی پر میشا ان کے ساتھ تھی۔ وہ ان کے دوست کی بیٹی تھی۔ اس کے والدین کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تو سیف اللہ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ سیف اللہ کی والدہ پر شکوہ خانم نے کھلے دل سے اس کا استقبال کیا مگر ان کی بیوی مہر نے اسے قبول نہ کیا۔ وہ ناراض ہو گئی اور دونوں بیٹیوں 'زینی اور ایمی کو ساتھ لے کر میکے چلی گئی۔ سیف اللہ نے اپنی میگیتر کارا کو چھوڑ کر مہر سے پسند کی شادی کی تھی۔ وہ مہر کی جدائی میں راتوں کو جاگنے لگا۔ دو سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے انتقال پر مہر واپس آ گئی مگر وہ میشا کو اس گھر سے نکال نہیں سکی کیونکہ وہ مکان پر شکوہ خانم کے نام تھا۔ اور وہ میشا کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں۔ مہر نے میشا کی تعلیم چھڑا دی۔ کیونکہ کاروبار مہر کے نام تھا۔ وہ میشا پر پیسہ خرچ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پر شکوہ خانم میشا کو گھر ہی میں پڑھانے لگیں۔ انہیں میشا کے خوابوں سے ڈر لگتا تھا کیونکہ اس کے خواب پراسرار ہوتے تھے اور اکثر سچے بھی ہوتے تھے۔

علاقے میں میلہ لگا تو مہر' ایمی اور زینی جوش و خروش کے ساتھ وہاں جانے کی تیاری کرنے لگیں۔ میشا بھی جانا چاہتی تھی۔ مگر مہر اور زینی نے اسے روک دیا۔

ناولٹ

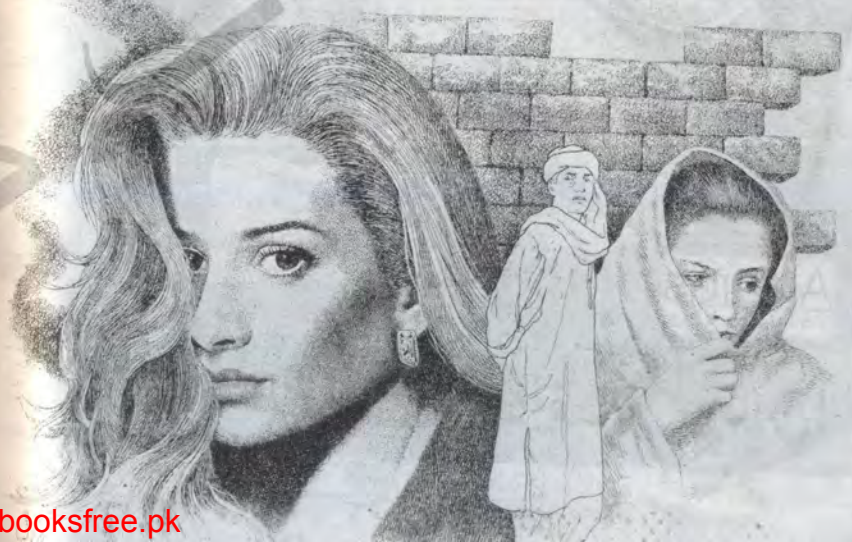

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یشا نے تہیہ کرلیا کہ خواہ سب سے چھپ کر سہی، میلے میں ضرور جائے گی۔ یشا نے پُرشکوہ خانم کی پرانی ساڑھی اور مہر کے کمرے کے پردے کاٹ کر ایک خوب صورت لباس تیار کیا اور چہرے پر بھونڈے انداز میں میک اَپ تھوپ لیا تاکہ کوئی اسے دیکھے بھی تو پہچان نہ سکے۔ کانوں میں اس نے زینی کے بُندے پہن لیے۔

یشا میلے میں گئی تو اسے وہاں دیر ہوگئی۔ اسے مائر نامی ایک نوجوان ملا۔ یشا نے اسے گھر تک ساتھ چلنے کا کہا، مگر اسے اپنا نام، پتا نہیں بتایا۔ وہ مائر کو اپنے ساتھ کشتی میں لے گئی۔ یشا کشتی سے اتری تو اس کا ایک بندا کشتی میں گر گیا۔ اس کے جانے کے بعد مائر نے وہ بُندا سنبھال کر رکھ لیا۔ یشا نے اپنی بے ساختہ باتوں سے اسے متاثر کیا تھا۔

مہر نے کارا کو دعوت پر بلایا، کیونکہ وہ اس کے بیٹے مائر سے اپنی کسی بیٹی کی شادی کرنا چاہتی ہے۔ مائر دعوت پر آیا تو یشا بیماری کے باعث اس سے مل نہیں سکی۔

زینی نے وہ بُندا جو اس رات یشا نے پہنا ہوا تھا، اپنے دوپٹے میں بروچ کے طور پر لگایا تو مائر اسے وہی لڑکی سمجھا، جو اسے فیسٹول میں ملی تھی۔

کارا نے خاندان اور قرب جوار کی تمام لڑکیوں کو اپنے گھر مدعو کیا تاکہ مائر شادی کے لیے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے۔ پرشکوہ خانم کا گھرانہ بھی مدعو تھا۔ مگر وہ لوگ یشا کو ساتھ نہیں لے گئیں۔

یشا گھر میں تنہا بیٹھی رو رہی تھی کہ اچانک وہاں رومان آگیا۔ اس نے اپنا تعارف پری زاد کی حیثیت سے کرایا۔ رومان نے پارٹی میں جانے کے لیے یشا کے لباس کا انتظام بھی کردیا۔ زینی نے وہ بُندا الان میں پھینک دیا تھا۔ رومان نے وہ اٹھا کر یشا کے دوپٹے میں لگا دیا اور اسے دعوت میں لے گیا۔ یشا دعوت میں پہنچی تو مائر اسے دیکھ کر چونک گیا۔

چھٹی قسط

آس سے زیادہ نہ سننے کی تاب تھی یشا میں نہ دیکھنے کی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ پلٹ گئی۔ نگاہوں کے آگے سب منظر دھندلے سے ہو رہے تھے۔

رومان تشویش سے اس کے پیچھے لپکا۔

"یشا... رُکو یشا...!"

وہ نہیں رکی تو رومان نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کے تھاما جسے یشا نے جھٹکا دے کر چھڑانا چاہا۔

"چھوڑو مجھے۔" اور جب کامیاب نہیں ہوئی تو دوسرے ہاتھ سے اسے مارنے لگی۔

"تم برے ہو... گندے ہو تم... مجھے تم پہ اب بالکل بھی بھروسا نہیں ہے۔ تمہاری ہر بات جھوٹی اور غلط نکلتی ہے۔ دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔ تم میرے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔ کوئی مدد نہیں کرسکتے میری۔ چلے جاؤ اپنے فیری لینڈ میں۔ جاؤ۔ بہت برے ہو تم۔ جاؤ... جاؤ۔"

اس کے ہاتھ اور زبان مسلسل چل رہے تھے اور رومان نے اسے بالکل بھی نہیں روکا۔

نہ مارنے سے... نہ بولنے سے۔

وہ چپ چاپ مار کھاتا اسے دیکھتا رہا۔ یشا کا دوسرا بازو اس نے ابھی بھی مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور جب یشا بولتے بولتے اور اسے مارتے مارتے ہلکان سی ہوگئی تو اس تونڈھال ہوکے اس نے اپنا ماتھا رومان کے سینے سے ٹکایا اور سسک کے رونے لگی۔

"برا میں نہیں ہوں یشا! بری یہ محبت ہے۔"

رومان نے اس کے سر کو ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"میں اس تک پہنچتے پہنچتے پیچھے کیوں رہ جاتی ہوں رومان... بتاؤ نا۔" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا یشا کہ نیت صاف رکھ کے اسے پانے کی کوشش کرو۔ اس میں ملاوٹ نہ کرو۔ تم نے پھر سے تو کوئی گڑبڑ نہیں کی؟"

اس کے سوال پہ یشا نے روتے روتے سسکی سی بھری اور اس کے سینے سے اپنا سر اٹھا کے دیکھا۔ اس

کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں شرمندگی عود کر آئی جسے محسوس کرکے رومان نے افسوس سے کہا۔

"یعنی کی ہے؟"

وہ لب کچلتے ہوئے سر جھکا کے ذرا ایک قدم پیچھے ہٹ کے کھڑی ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

"اب تو مجھے سو فیصد یقین ہوگیا ہے کہ مائر کبھی مجھ سے ناراض ہو ہی نہیں سکتا۔" زینی نے لہجے میں فخر سمو کے کہا۔ "چاہے میں کچھ بھی کرلوں۔ بس میرے دو آنسو یا ایک پیار بھری مسکراہٹ اسے چاروں شانے چت کرسکتی ہے۔ اتنا پیار کرتا ہے وہ مجھ سے۔"

"تم سے؟ یا اس سے؟ جس سے وہ جھیل پہ ملا تھا؟"

ایمی کے طنزیہ سوال پر وہ غصے سے چلا اٹھی۔

"شٹ اپ ایمی! وہ صرف اور صرف مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"تم اسے بھی دھوکا دے رہی ہو اور خود کو بھی۔"

"اور تم کیا کر رہی ہو؟ مجھے بلیک میل؟ میں تمہیں وارننگ دے رہی ہوں۔ اپنا منہ بند رکھو اور دوبارہ یہ ذکر مت کرنا۔ سمجھیں۔"

زینی نے اسے خوں خوار نظروں سے گھورا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے کتنی غلط حرکت کی ہے یشا۔" رومان کچھ کچھ ناراض لگ رہا تھا۔ اور وہ کچھ کچھ شرمندہ سی...

"پہلے تو تم نے صرف دو لوگوں میں مس انڈراسٹینڈنگ پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا اور اس بار کسی کو دوسرے کی نظر سے گرانے کے لیے جھوٹ بولا بلکہ اس کے کردار پہ کیچڑ بھی اچھالی۔ تمہیں احساس ہے کہ یہ کتنی غلط بات ہے؟"

اس کی لعنت ملامت پہ یشا نے منہ ہی منہ میں بدبدا کے صرف اتنا کہا۔ "سوری۔"

"مجھ سے نہیں... اللہ سے کہو۔ کیونکہ دوسروں پہ بہتان لگانا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اسی لیے تمہارا کام بنتے بنتے بگڑ جاتا ہے۔ اپنی نیت صاف رکھو یشا۔ اس میں کھوٹ نہ آنے دو پھر جو چاہو گی وہ ہو جائے گا۔"

اس کے تسلی دینے پہ بھی یشا کے دل سے نہ غبار دور ہوا نہ چہرے سے مایوسی کے سائے ہلکے ہوئے۔

اس نے فقط ایک نظر رومان کو دیکھا اور پھر مرے مرے قدموں کے ساتھ گھر کی جانب جانے لگی۔ اس بار رومان نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دکھ اور ہمدردی بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کھوٹ تو شاید میری نیت میں بھی ہے تب ہی تو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرپا رہا۔ یشا... میں نے سچ کہا تھا۔ محبت بہت بری ہے۔ یہ میری تم سے محبت ہی ہے جو تمہیں پانے کی خواہش بھی نہیں کرتی۔ مگر تمہیں کسی اور کو پانے بھی نہیں دے رہی۔"

☆ ☆ ☆

مائر زینی کے ساتھ ہو کے بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ نجانے کیوں جب بھی اسے یشا کے ساتھ گزارے گزشتہ روز کے خوشگوار پل یاد آتے تھے تو وہ بوجھل اور شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔ اسے ایک بے چینی سی گھیر لیتی تھی۔ سوچ کر کہ وہ اس معصوم اور سادہ دل سی لڑکی کو یہ کہہ کر آیا تھا کہ وہ اسے فون کرے گا۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ اسے سچی دوستی کے قابل سمجھتی ہے یا نہیں، مگر اب اس دوستی کا اعتراف زینی کے سامنے کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ زینی کی فطرت سے واقف جو تھا اور پھر یشا کے ساتھ اس کا جو رویہ تھا اس کی جھلک بھی کئی بار ملاحظہ کرچکا تھا۔ نہیں چاہتا تھا یشا محض اس کی وجہ سے زینی یا مہر کے زیر عتاب آئے اس لیے فون کرنے سے اس نے گریز کیا۔ اسے اندازہ تھا کہ زینی کو کبھی یہ بات اچھی نہیں لگے گی کہ وہ یشا کی جانب بڑھے یا یشا سے اس کی دوستی ہو۔

☆ ☆ ☆

یشا نے سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی سارا دن اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساری رات اس کے فون کا انتظار کیا۔
بوجھل دل اور اترے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ دھلے ہوئے کپڑے تار پہ پھیلا رہی تھی جب رومان اس کے عقب میں آکر کھڑا ہو گیا۔
"تم ابھی تک اداس ہو؟" وہ کل والی اداسی کے غلبے سے نکل چکا تھا۔
"نہیں! مجھے تو بہت خوش ہونا چاہیے... ناچنا گانا چاہیے..."
وہ البتہ کل کی طرح ہی اکھڑی ہوئی تھی۔
"بالکل! تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔"
"تم پاگل ہو گیا؟"
"نہیں! میں نہیں، تم پاگل لگو گی اگر یہ روتا بسورتا چہرہ اور آنسو بھری آنکھیں لے کر مائر کے سامنے گئیں اس پہ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ تمہیں اس کی وجہ سے کتنی تکلیف ہوئی ہے۔ یاد رکھو میشا! اس پر یہ کبھی ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم اس کی وقتی توجہ کا کوئی اور مطلب سمجھی ہو۔ اس کے سامنے ایسے رہو جیسے تمہیں اس بات کی بالکل پروا نہ ہو کہ وہ زینی سے محبت کرتا ہے یا اس سے شادی کرنے والا ہے۔ اس کے سامنے کبھی کمزور مت پڑو۔"
"کہنا آسان ہے۔ مگر کرنا بہت مشکل۔"
"اتنا بھی نہیں۔ جب کوئی ضبط کرنے پہ آئے تو بس کر گزرتا ہے۔" رومان کی جگنو بھری آنکھوں میں ستارہ ٹوٹا تھا۔
"تم جانتی ہو، وہ کون سی چیز ہے جس نے مائر کو زینی کی جانب دوبارہ پلٹنے پہ مجبور کیا؟"
"کون سی چیز؟"
"جیلسی... حسد... رقابت... جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ زینی کی زندگی میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے یا ہو سکتا ہے، وہ گھبرا گیا۔ تم بھی یہ احساس مائر کے دل میں جگا سکتی ہو۔"
"لو... الٹے مشورے تو کوئی تم سے سنے۔" میشا نے پہلے اسے تیکھی نظر سے گھورا پھر ہونٹ لٹکائے۔
"میں کیسے دلاؤں یہ احساس؟ میری زندگی میں تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔"
"احمق لڑکی... زینی کو بھی اور کوئی منہ لگانے پہ تیار نہیں ہے۔ جھوٹ بولا تھا اس نے۔ ڈراما کیا تھا۔ کچھ سمجھیں۔"
"ہوں..." اب میشا واقعی سمجھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ایمی ہمیشہ کی طرح آج بھی وہیں اسی درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ مسکرایا اور اس کے پاس آ کے بولا۔
"چاکلیٹ لاؤں تمہارے لیے۔"
"نہیں چاہیے۔" وہ ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کر کے بولی۔
"کیوں؟ ڈائٹنگ؟"
"اس سے کیا فرق پڑے گا۔ میں زینی جیسی تو پھر بھی نہیں بن سکتی۔"
"اللہ نہ کرے جو تم زینی جیسی بنو۔ تم جیسی بھی ہو... بہت اچھی ہو۔"
"تم میرا دل رکھنے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہو۔"
"کاش... میں تمہارا دل رکھ سکتا۔ مگر کیا کروں میرے پاس اتنی جگہ نہیں ہے۔"
اس کے سادہ سے انداز میں کہی بات نے ایمی کو پھر سے غصہ دلا دیا۔
"پھر سے مذاق اڑا رہے ہو میرا؟"
"قسم سے نہیں... میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ میں پہلے ہی کسی کا دل رکھ چکا ہوں اور ایک وقت میں ایک ہی دل رکھ سکتا ہوں۔ اتنی ہی جگہ ہے میرے سینے میں ورنہ خوشی خوشی رکھ لیتا تمہارا دل بھی۔"
ایمی کا منہ مایوسی سے لٹک گیا۔
"اچھا... مطلب۔ تم کسی اور سے محبت کرتے ہو؟ اور ماما کا خیال ہے وہ تم سے میری..."
کہتے کہتے وہ تو رک گئی۔ مگر پلکوں پہ سجے دو آنسوؤں کو گرنے سے نہ روک سکی جن کو رومان نے اپنی انگلی کی پور پہ چن لیا اور مسکرا کے کہا۔

"زینی پلیز... مام کو درمیان میں مت لاؤ۔"
"میں نہیں لا رہی۔ وہ خود آ رہی ہیں درمیان میں۔ جب سے وہ واپس آئی ہیں تم ایسے ہی پیش آ رہے ہو میرے ساتھ۔ لگتا ہے انہوں نے پھر سے تمہیں میرے خلاف بھر دیا ہے۔"
"وہ ایسا کیوں کریں گی زینی! تم بلاوجہ وہم کر رہی ہو۔ مام ایسی نہیں ہیں۔"
"وہ ایسی ہی ہیں۔ میری ماما نے مجھے بتایا ہے کہ ان کی نیچر ہی ایسی ہے۔"
"او گاڈ...! مہر آنٹی کے ان کے بارے میں ایسے خیالات ہیں۔ تب ہی تم ان کے لیے اتنی غلط رائے رکھتی ہو۔"
"میری مام غلط نہیں کہتیں۔ تم بھی بہت جلد کارا آنٹی کا اصل روپ دیکھ لو گے۔" اس کی یہ بات مائر کے صبر کو دہانے تک لے آئی۔
"تمہیں تو ابھی میری مام ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ تم اپنے دل میں ان کے خلاف اتنا کچھ بھر کے بیٹھی ہو۔ شادی کے بعد کیسے ایڈجسٹ کرو گی؟"
"تمہاری مام یہ شادی ہونے دیں گی... تب نا... میں جانتی ہوں۔ ان کی پوری کوشش ہے یہ شادی نہ ہو۔"
"اور مجھے لگتا ہے اگر یہ شادی نہ ہوئی تو اس کی سب سے بڑی وجہ تم ہو گی۔ اگر ہمارا بریک اپ ہوا تو اس کی وجہ مام کا نہیں، تمہارا رویہ ہو گا۔"
"بریک اپ؟ اب بھی تم کہتے ہو، کارا آنٹی کا تمہارے اس بدلتے رویے سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ کل وہ واپس آئی ہیں اور آج تم بریک اپ کی بات کر رہے ہو۔ جا رہی ہوں میں۔"
وہ جانے کے لیے پلٹی اور مائر نے پیچھے سے پکار کر کہا۔
"اس بار میں تمہیں منانے نہیں آؤں گا زینی!"

☆ ☆ ☆

رومان ڈسٹنگ کرتے ہوئے اپنی جمائیاں روکنے کی
"اف... یہ آنسو... یاد رکھو ایمی! کبھی بھی اس کے لیے آنسو نہ بہاؤ جو تمہارے لیے آنسو نہ بہا سکے۔ ان کو سنبھال کے رکھو۔ اس کے لیے جو تمہارے پیار میں آنسو بہا سکے۔"
"مجھے نہیں لگتا اس دنیا میں کوئی ایسا ہو گا۔" اس کے لہجے میں محرومیاں تھیں۔ رومان نے تسلی دی۔
"ہو گا... ضرور ہو گا... یہیں کہیں۔"

☆ ☆ ☆

یہ زینی کی غلط فہمی تھی کہ اب وہ جب چاہے مائر کو تسخیر کر سکتی ہے اور اس کے آنسو ہر بار اس کو موم کر سکتے ہیں۔ مگر اس کا یہ گمان کچھ مرجھا سا گیا تھا کیونکہ پچھلے دو دن سے وہ متواتر مل رہے تھے مگر ہر بار مل کے بھی اسے لگتا تھا وہ مائر سے نہیں ملی۔ مائر تو جیسے کہیں کھو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ساتھ نہیں ہوتا تھا۔
وہ جھنجلانے لگی۔ چڑنے لگی۔
اور اس جھنجلاہٹ اور چڑچڑے پن نے رنگ دکھانا ہی تھا کیونکہ دوسری جانب مائر تھا جس کا اپنا مزاج ہمیشہ آخری سرے پہ ہوتا تھا۔
"ہنی مون کے لیے کہاں جائیں گے؟" وہ بار بار اسے اس موضوع کی طرف لا رہی تھی جتنا وہ اس سے بدک رہا تھا۔
"ابھی سے میں کیا بتاؤں؟ بعد میں دیکھیں گے۔"
اس کی بے زاری نے زینی کو غصہ دلا دیا۔ "تمہارا موڈ بدلا بدلا سا ہے مائر۔"
"ایسا نہیں ہے۔ شاید تھکا ہوا ہوں۔"
"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو میرے ساتھ سے تمہیں تھکن نہیں محسوس ہونی چاہیے۔"
"زینی! یہ کیا بات ہوئی؟"
اس کے ماتھے کی ناگوار شکنیں زینی کو تاؤ دلا گئیں۔
"میں سمجھ گئی... یہ سب کارا آنٹی کی وجہ سے ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کررہا تھا کیونکہ پرشکوہ خانم ایک ضخیم کتاب میں سے کچھ پڑھ کے اسے سنا رہی تھیں بالفاظ دیگر اس کی معلومات میں اضافہ کررہی تھیں۔ جس کا وہ قطعی خواہش مند نہیں تھا۔

"تم دھیان سے کیوں نہیں سن رہے لڑکے؟"

آخر انہوں نے اس کی بے توجہی محسوس کرکے کہا۔

"آپ مجھے یہ سب سنا کیوں رہی ہیں؟"

وہ ناگوار تاثرات چھپانے کی رتی بھر بھی کوشش نہیں کررہا تھا۔

"تم بالکل میشا جیسے ہو۔ کہانیاں جتنی مرضی سنا دو اسے۔ بور نہیں ہوگی مگر کام کی بات بتانے لگو تو کانوں پہ ہاتھ رکھ لے گی۔ بہت عادتیں ملتی ہیں تم دونوں کی۔"

"کاش عادتوں کے ساتھ ساتھ ستارے بھی ملتے ہوتے۔"

اس نے بے حد آہستگی سے زیر لب کہا تھا۔ ان تک الفاظ تو نہیں پہنچ سکے مگر وہ اس کی نظروں کا مبہم مفہوم ضرور بھانپ گئیں۔ وہ نظریں جو دیوار پہ آویزاں میشا کی تصویر پہ مرکوز تھیں۔

پرشکوہ خانم کا ذہن ان نظروں سے الجھ سا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

زینی سے تلخ کلامی کرکے آنے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا اور گھر آتے ہی اپنے فون سے میشا کے گھر کا نمبر ملاتے ملاتے وہ ٹھٹک کے رکا۔

"تو کیا میں زینی کی قسمت سے اس لیے خائف ہورہا تھا کہ اس کی ناراضی کے ڈر کی وجہ سے مجھے میشا سے گریز کرنا پڑ رہا تھا۔ کیا اس لیے دانستہ یا نادانستہ میں نے اسے خود سے دور کیا تاکہ میں کسی طرح دوبارہ میشا سے رابطہ کرسکوں۔"

وہ اپنی ادھیڑبن سے تب نکلا جب فون کے دوسری جانب میشا کی آواز سنائی دی۔

"مائر؟ خیریت؟" اس کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔ وجہ وہ جانتا تھا۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔ ملنا چاہتا ہوں۔"

"میرے لیے بغیر کسی وجہ کے نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے مائر! کئی پہلو ہوتے ہیں۔"

"مجھ سے ملنے کے لیے کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے کہ میں ملنا چاہتا ہوں۔"

اور یہ سن کے میشا کی وہ ساری دیواریں ڈھے گئیں جو اس نے رومان کی ہدایت پہ اپنے اردگرد کھڑی کی تھیں۔

"کہو۔" وہ ہتھیار ڈالنے کے انداز میں بولی۔

"کیا ہم صبح مل سکتے ہیں؟"

"صبح؟ مشکل ہے۔"

"پلیز میشا! بس تھوڑی دیر کے لیے۔"

"ٹھیک ہے۔ دیکھتی ہوں کچھ۔"

اور اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ فون بند کرتے ہی اس کے چہرے پہ خوشی بھری مسکراہٹ آگئی کچھ دیر کے لیے اس نے زینی کے وجود کو یکسر فراموش ہی کردیا۔

علی الصبح وہ گھاٹی کے اوپر سے پھول توڑ کے لارہی تھی جب گھر کے بالکل سامنے مائر کو اپنے انتظار میں پایا۔

"جنگل سے آرہی ہو؟ ڈر نہیں لگتا اکیلے جانے سے؟"

"نہیں تو۔ لگتا تب بھی جاتی۔ اتنا پیار ہے مجھے ان پھولوں سے کہ ان کے لیے کہیں بھی جاسکتی ہوں۔"

"کیا کرتی ہوں ان پھولوں کا؟"

"سجاتی ہوں۔"

"کہاں؟"

مائر نے اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتی زینی کو دیکھ لیا تھا اس لیے بلاوجہ بات کو طول دینے لگا۔

"کہیں بھی۔ جہاں بھی یہ سجے ہوئے اچھے لگیں۔"

وہ مائر کے اس سوال در سوال کا مقصد نہ جان پارہی تھی۔

"میں بتاؤں یہ پھول سب سے اچھے کہاں سجے کے لگیں گے۔"

"ہاں... بتاؤ۔" میشا کے کہنے پر مائر نے اس کے ہاتھ میں تھمی ٹوکری سے ایک پھول اٹھایا اور اس کے بالوں میں سجانے لگا۔

"یہاں... ان پھولوں کی اس سے اچھی جگہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔"

میشا کے لیے یہ انتہائی غیر متوقع تھا' اس لیے وہ اپنی بے ساختہ امنڈ آنے والی مسکراہٹ اور خوشی کو چھپا نہ پائی۔ باوجود رومان کی سب ہدایتیں پلو سے باندھنے کے... بالکل اسی طرح جیسے زینی یہ چھپا نہیں پارہی تھی کہ وہ کتنی جل بھن رہی ہے۔ مائر نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے زینی کو دیکھا اور میشا کا ہاتھ تھاما۔

"جھیل پہ چلیں..."

"ہاں... چلو..."

اور ابھی وہ اس کے ساتھ چند قدم ہی آگے چلا ہوگا کہ اس کے فون پہ زینی کی کال آگئی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا پھر بڑے اجنبی سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں بولو زینی... کیا بات ہے؟"

"مائر! تم یہ ٹھیک نہیں کررہے۔"

دوسری جانب سے وہ چلائی تھی۔

میشا نے ایک نظر مائر کے چہرے کو دیکھا اور پھر خود کو اس گفتگو سے لاتعلق ظاہر کرتے ہوئے اپنی گود میں رکھی ٹوکری کے پھول گننے لگی۔ یونہی بلاوجہ...

"تم تو جیسے بہت ٹھیک کررہی ہو اور میں نے کیا کیا ہے؟ بات کو تم نے بڑھایا تھا زینی۔"

"تم مجھے غصہ دلا دیتے ہو تو میرے منہ سے بھی کچھ الٹا سیدھا نکل جاتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس وجہ سے میرے سامنے کسی اور کے ساتھ..."

مائر نے فون کان سے ہٹایا۔ مگر لائن کاٹے بغیر ہی میشا سے کہنے لگا۔ صرف اور صرف زینی کو سنانے کے لیے۔

"میشا! تم ڈسٹرب ہو رہی ہوگی ان بار بار آنے والی کالز سے... میں ایسا کرتا ہوں شام تک کے لیے فون آف کردیتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔"

"مائر... تم شام تک اس کے ساتھ رہنے والے ہو؟"

دوسری جانب سے زینی کی چیخ سن کر مائر کے اندر سکون سا اتر آیا۔

☆ ☆ ☆

"اتنا مزا آیا۔ اتنا مزا آیا۔ اس نے بتایا' اسے میرا ساتھ کتنا اچھا لگتا ہے۔ میرے ساتھ باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ میں اچھی لگتی ہوں۔ اور جب زینی کو پتا چلا تو اس کا وہ حال ہوا کہ کیا بتاؤں۔ میں نے اتنی دور تک اس کے چلّانے کی آواز سنی تھی۔"

وہ رات کو مزے لے لے کر رومان کو بتا رہی تھی۔ جس کے چہرے پہ تاسف صاف نظر آرہا تھا۔

"اور اسے بتایا کس نے۔"

"ظاہر ہے! مائر نے۔" وہ بولی۔

"تمہیں پتا ہے میشا! تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے؟"

"ہاں پتا ہے۔ پیار ہورہا ہے۔" وہ آنکھیں میچ کے کہہ رہی تھی۔ "مجھے مائر سے اور مائر کو مجھ سے..."

"احمق لڑکی! جو تم مائر کے ساتھ کرنے جارہی تھیں' وہ تمہارے ساتھ کررہا ہے اب..."

"وہی تو... میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ وہ بھی اب مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔"

"ڈفر... تم بھول رہی ہو کر میرے کہنے پہ تم اسے رقابت اور حسد کا مزا چکھانے والی تھیں یہ بتا کر کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔ تاکہ اس کے دل میں چبھن پیدا ہو۔ اور یہی وہ کررہا ہے اب۔ زینی پہ یہ ثابت کرکے وہ اس کے مقابلے میں تمہیں اہمیت دیتا ہے تاکہ زینی مجبور ہو کے اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔ اور تم کتنی آسانی سے کٹھ پتلی بن گئیں۔ میشا وہ زینی کو منانے کے لیے تمہیں استعمال کررہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ دکھ بھی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھی آجاتے ہیں۔ بے چینی سی ہوتی ہے۔ مگر لب سے آہ نہیں نکلتی۔ بس سب کچھ برا برا سا لگنے لگتا ہے۔ کسی اور سے تو نہیں۔ ہاں اپنے آپ سے ضرور نفرت ہو جاتی ہے، ہم کیوں اس قابل نہیں کہ اس کی نظر میں سما سکیں۔"

"مطلب جلن ہوتی ضرور ہوتی ہے۔"

"ہاں مگر بھسم کر دینے والی نہیں۔ میٹھی میٹھی سی کسک۔ ہلکا ہلکا دھواں۔"

"تم کیسی فضول اور مشکل سی باتیں۔۔۔"

بے زاری سے منہ بناتے ہوئے میشا کہہ رہی تھی جب رومان کی جیب سے جھانکتی چاکلیٹ پہ اس کی نظر پڑی۔

"واؤ۔۔۔ چاکلیٹ۔۔۔ میرے لیے لائے تھے؟"

اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کی جیب سے چاکلیٹ نکال لی جو اگلے ہی پل رومان نے واپس اچک لی۔

"اوں ہوں۔ تمہارے لیے نہیں ہے۔ ادھر دو۔ یہ میں ایمی کے لیے لایا تھا۔"

"ایمی کے لیے کیوں؟" اسے برا لگا تھا۔

"کیونکہ اسے پسند ہے۔"

"مجھے بھی پسند ہے۔"

"تمہیں بھی لا دوں گا۔ مگر یہ ایمی کی ہے۔ صرف ایمی کی۔"

اس نے چاکلیٹ دوبارہ جیب میں رکھ لی۔ میشا کچھ نہ بولی مگر دل میں ایک میٹھی میٹھی سی کسک اور جلن ضرور تھی۔

اور آس پاس اٹھتا۔۔۔ ہلکا سا دھواں۔۔۔

اندر کہیں چھپ کے بیٹھی محبت اوٹ سے دیکھتی مزے لیتی مسکرا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

مرے مرے بوجھل قدموں کے ساتھ وہ گھر کے اندر داخل ہوئی۔ اس کی سمجھ سے قاصر تھا کہ ایک ذرا سی چاکلیٹ نہ ملنے پہ وہ اتنی افسردہ کیوں ہو رہی ہے۔

میشا منہ کھولے حیرت سے سنتی رہی۔ اس نے رومان کی بات جھٹلانے کی کوشش بھی نہ کی۔ بس ٹوٹے ہوئے لہجے میں اتنا کہا۔

"رومان! مجھے تو لگتا تھا۔ زینی بس مائر سے شادی کرنا چاہتی ہے کسی بھی طرح۔ تو کیا وہ سچ مچ اس سے محبت کرتی ہے۔"

"ایسا کیوں لگا تمہیں؟"

"دیکھو ناں! وہ مائر سے محبت کرتی ہے تب ہی تو اتنا جلی مجھے اس کے ساتھ دیکھ کے۔ ابھی بھی مجھے ایسے گھور رہی تھی جیسے کچا چبا جائے گی۔ کرینی ساتھ نہ ہوتیں تو وہ شاید مجھے مار ہی دیتی۔ نفرت تو وہ مجھ سے پہلے بھی کرتی تھی مگر آج اس کی آنکھوں میں دس گنا زیادہ نفرت تھی۔ اس لیے ناں کہ مائر اس کے بجائے مجھ سے۔۔۔ نہیں رومان! یہ مائر سے اس کی محبت ہے جو مجھ سے حسد کر رہی ہے۔"

"نہیں۔۔۔ یہ محبت نہیں ہے۔"

"کیوں۔۔۔ کیوں نہیں ہے؟"

"جس سے محبت کی جائے، اسے کسی کے ساتھ دیکھ کے دکھ ہوتا ہے شاید حسد اور جلن بھی محسوس ہوتی ہو مگر محبت کی جلن میں انسان اندر ہی اندر خود جل کے بھسم ہو جاتا ہے۔ دھواں باہر نہیں نکالتا۔"

"میں سمجھی نہیں۔" اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی رومان کی یہ منطق۔

"زینی! تمہیں مائر کے ساتھ دیکھ کے جلی۔ مگر اس حسد میں دکھ ہوتا تو محبت ثابت ہوتی۔ اس کے حسد میں صرف غصہ اور نفرت ہے۔ ہارنے کا غصہ۔۔۔ اور پیچھے رہ جانے کی تلملاہٹ۔"

"اگر اسے سچی محبت ہوتی، تو کیا کرتی۔"

رومان بے ساختہ کہنے والا تھا۔

"وہی، جو میں کر رہا ہوں۔"

مگر بروقت اس نے خود کو روک لیا اور اپنے دل کی آواز کو کچھ اور الفاظ کا پیراہن پہنا دیا۔

"سچی محبت۔۔۔ جس سے سچی محبت ہو، اس کے دل میں کسی اور کی جگہ بنتے دیکھ کے دل میں کسک تو ہوتی

"اونہہ۔۔۔ بڑا آیا چاکلیٹ نہ دینے والا۔ سمجھتا کیا ہے خود کو۔

کہیں کا۔۔۔ مجھے کیا کمی ہے چاکلیٹ کی۔۔۔ ابھی مائر سے کہوں تو ڈھیر لگا دے میرے سامنے۔"

اس نے تصور میں مائر کا لایا ڈھیر دیکھنا چاہا۔ مگر دل ہنوز اسی معمولی سی چاکلیٹ کے لیے ہمک رہا تھا جو رومان نے اس سے واپس چھین لی تھی۔

اندر مہر زینی کے بھڑکانے پہ اس پہ برسنے کے لیے تیار تھی۔ چاہ کے بھی وہ مائر والی بات زبان پہ نہیں لا پا رہی تھی کہ اس میں سبکی تو اپنی بیٹی کی ہی تھی کہ سب جانتے تھے، مائر اسے پسند کرتا ہے۔ اب کیسے سب کے سامنے اعتراف کیا جائے کہ مائر اس کے بجائے میشا کو۔۔۔ اس لیے دل کی بھڑاس اور طریقوں سے نکالی جا رہی تھی۔

"سارا دن بھی تم گھر سے باہر رہتی ہو اور راتوں کو بھی تمہارے چکر ہی ختم نہیں ہوتے۔ کیا کر رہی تھیں تم اتنی رات کو باہر۔۔۔ اور خبردار جو اب کوئی من گھڑت بہانہ بنایا تو۔"

میشا اندر ہی اندر اتنی الجھی ہوئی تھی کہ مہر کو ترخ سے جواب بھی نہ دے پائی۔ البتہ پرشکوہ خانم اس کی مدد کو آگے بڑھیں۔

"تمہارے پاس بھی بہت سے بہانے ہوتے ہیں مہر! کسی نہ کسی بات کو وجہ بنا کے میشا کو ڈانٹتی رہتی ہو۔"

"اور آپ اسے شہہ دیتی رہتی ہیں۔ یہ میری کچھ نہیں لگتی۔ مگر میرے گھر میں تو رہتی ہے۔ کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو باتیں مجھے بھی سننی پڑیں گی۔ اسے اتنی ڈھیل مت دیں۔"

"اور جو ڈھیل تم نے زینی اور ایمی کو دے رکھی ہے وہ تمہیں نظر نہیں آتی۔ زینی سارا سارا دن مائر کے ساتھ گھومتی پائی جاتی ہے اور ایمی چوبیس گھنٹے رومان کے گرد منڈلاتی رہتی ہے۔ مانا دونوں لڑکے اچھے اور شریف ہیں مگر لوگ کیا کہیں گے؟"

ان دونوں کو بحث میں الجھا چھوڑ کے میشا اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔

"ان کی بات اور ہے۔ مائر اور زینی کی کچھ دن تک منگنی ہو جائے گی۔"

مہر نے دانستہ میشا کو سنانے کے لیے کہا۔ اور اوپر جاتے جاتے وہ پل بھر کے لیے ٹھٹک کے رکی بھی۔ تلملاہٹ اور جھنجلاہٹ نے اس کے پورے وجود کو گھیرے میں بھی لے لیا تھا۔ مائر اور زینی کا نام ایک ساتھ سننا ناقابل برداشت نہیں ہوا۔

"ان کے لیے تو اچھا ہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں تاکہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔"

میشا کا ٹھٹک کے رکنا ہی مہر کو تسکین دے گیا۔ ابھی تو اس نے میشا کے ماتھے کی شکنیں اور نگاہوں میں لپکتے شعلے بھی دیکھنے تھے۔ میشا ایک گہرا سانس لے کر خود کو ٹھنڈا کرتی اگلا قدم زینے پہ رکھنے ہی والی تھی کہ مہر کی اگلی بات نے اسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

"ایمی اور رومان کے بارے میں بھی اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے لیے بھی میں نے یہی سوچا ہے کہ ان کی شادی کر دی جائے۔"

وہ ایک جھٹکے سے مڑی۔۔۔

اب ماتھے پہ شکنیں نہیں۔ پورے وجود پہ لرزہ تھا۔ جھنجلاہٹ یا تلملاہٹ نہیں۔۔۔ شکست خوردگی کا احساس غالب تھا۔ اس کی ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں۔ جیسے آگے بڑھنے سے انکاری ہوں۔

وہ ساری رات اس نے ایک خالی پن کے ساتھ گزاری۔

خالی خالی ذہن۔۔۔

خالی خالی دل۔۔۔

☆ ☆ ☆

مائر صبح صبح زینی کو اپنے کمرے کے باہر دیکھ کے حیران رہ گیا۔

زینی کو مہر نے پٹی پڑھا کے بھیجا تھا کہ اسے اتنی جلدی ہار نہیں ماننی چاہیے اور مائر کو میشا سے دور کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے مائر۔" وہ یکسر بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

"مجھے کسی سے ملنے جانا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔" بدل تو وہ بھی گیا تھا۔

"بس! تھوڑی دیر۔"

"اوکے! میں ایک کال کر کے بتا دوں اسے۔ جس سے مجھے ملنے جانا تھا ورنہ وہ پریشان ہوگی۔"

محض زینی کو مزید جلانے تڑپانے کے لیے اس نے سیف کا نمبر ملایا۔ صفائی میں مصروف میشا نے ریسیور اٹھایا اور خلاف توقع اکھڑے لہجے میں اس کی وارفتگی کا جواب دیا۔

"ہاں بولو... ذرا جلدی۔ مجھے بہت سے کام ہیں۔"

اور مائر جس نے جان بوجھ کے زینی کے سامنے بہت زیادہ والہانہ پن سے اسے مخاطب کیا تھا۔ کچھ ٹھٹک سا گیا، مگر زینی کی موجودگی کی وجہ سے سوال نہ کر پایا۔

"تم تیار ہو، سوری! تمہیں انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ میں بس آ ہی رہا ہوں۔"

"نہیں! تم مت آؤ۔ میں نہیں مل سکتی۔"

اس بار لہجہ صرف اکھڑا ہوا اور اجنبی ہی نہیں صاف صاف بے زار بھی محسوس ہو رہا تھا۔

مائر چاہتے ہوئے بھی وجہ دریافت نہ کر پا رہا تھا اور اس کی کوشش تھی اس کی یک طرفہ گفتگو سے زینی کو بس یہی اندازہ ہو کہ دونوں کے درمیان بہت دوستانہ اور بے تکلفانہ گفتگو ہو رہی ہے۔

"کیا ہوا، مجھے تو بتاؤ۔ مجھ سے تو تم سب کچھ شیئر کرتی ہو۔"

"نہیں! ابھی تم میرے لیے اتنے اہم نہیں ہو کہ میں تم سے سب کچھ شیئر کروں۔"

اب تو مائر کو پختہ یقین ہو گیا کہ کچھ ہے ضرور... مگر اس نے کمال مہارت سے بات پلٹی۔

"ہاں... بالکل... میرے لیے بھی تم بہت اہم... بہت خاص ہو میشا۔"

جہاں زینی یہ سن کے اندر ہی اندر بھڑک کر خاک ہو گئی وہیں میشا ضبط نہ کر سکی اور تڑاخ سے کہا۔

"وہ تو مجھے اندازہ ہے۔ میں واقعی بہت اہم ہوں۔ میں نہ ہوں تو تم زینی کو اپنے تک کھینچ کے کیسے لاؤ گے؟"

اس نے کھٹ سے فون رکھ دیا۔

اس بار تو مائر کے ہاتھوں کے توتے ہی اڑ گئے۔ حواس باختگی کو چھپاتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظروں سے زینی کو دیکھا اور بمشکل مسکرا کے کہا۔

"ہاں... میشا ملتے ہیں پھر..."

☆ ☆ ☆

"ہاں! ابھی ملتی ہوں تم سے۔ ہونہہ..." وہ غصے میں تیز تیز ہاتھ چلاتی پوچا لگا رہی تھی۔

"میں نہیں ملنے والی اس سے کبھی... سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔ میں کیا اتنی فالتو ہوں جو یہ مجھے زینی کو جلانے کے لیے استعمال کرے گا۔ میں بھی کیسے بدھو بن گئی اس کے ہاتھوں۔ رومان ٹھیک کہتا تھا۔"

دل جو غصے سے ابل رہا تھا، یکایک رومان کے نام سے بھر آیا۔ اور وہ سب وہیں چھوڑ کے بازوؤں میں منہ چھپا کے رو پڑی۔

وہ اپنے آنسوؤں کی وجہ خود نہیں جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

زینی مہر کے سکھائے اسباق پہ پوری طرح عمل کرتے ہوئے کارا کے سامنے تابعدار سی بنی کھڑی تھی۔

"پتا نہیں آنٹی! مجھے کیا ہو گیا تھا ورنہ مجھے تو آپ ہمیشہ اپنی ماما جیسی لگتی ہیں۔ بلیومی! آپ کو ناراض کرنے کے بعد سے اب تک میں سو نہیں سکی۔ نہ کچھ کھایا پیا۔ آپ جب تک مجھے معاف نہیں کریں گی میں نہ یہاں سے جاؤں گی۔ نہ کچھ کھاؤں پیوں گی۔"

وہ لیجٹرپن سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے کہہ رہی تھی اور کارا الجھن کے عالم میں تھی کہ اس کی باتوں کا یقین کرے یا جھاڑ کے رکھ دے۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش بھی کی۔

"اوکے زینی... تم بہت زیادہ...؟"

"نہیں آنٹی نہیں..." اس نے گرفت اور مضبوط کر دی۔ رونے بھی لگی۔ "جب تک آپ کھلے دل سے معاف نہیں کرتیں۔ میں نہیں جاؤں گی یہاں سے۔ نہ آپ کے ہاتھ چھوڑوں گی۔ بلکہ میں تو پیروں میں بھی پڑ جاؤں گی۔"

اس کے رونے سے بالآخر کارا ذرا نرم پڑ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔ تم بھی سب بھول جاؤ۔"

"آپ جو کہیں گی۔ میں وہی کروں گی۔ بس آپ بتا دیں کہ آپ کو میری کون کون سی بات بری لگتی ہے، کون کون سی عادت ناپسند ہے۔ میں وہ سب چھوڑ دوں گی اور... اور آنٹی... آپ کو اگر مائر سے میری دوستی بھی پسند نہیں ہے تو میں وہ بھی چھوڑ دوں گی۔"

اس بار وہ کارا کو چونکانے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

"زینی!"

"جی آنٹی... میں سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ بے شک آزما کے دیکھ لیں۔ مجھے وہ محبت نہیں چاہیے جو ایک ماں کے خواب توڑ کے یا اس کا دل دکھا کے ملے۔"

لو جی۔ اب تو کارا نے ڈھیر ہونا ہی تھا۔ یہ معرکہ سر کرنے کے بعد وہ مائر کے سامنے تھی۔ اترا اترا کے کہتے ہوئے۔

"دیکھا تم نے زینی کا کمال۔"

مائر خود حیران تھا۔ اپنی مام کے یکسر بدلے خیالات دیکھ کے۔

"تم بہت عجیب ہو زینی۔"

"تمہارے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں مائر! ویسے بھی تمہاری مام میرے لیے اتنی ہی قابل احترام ہیں جتنی تمہارے لیے۔ مجھے تمہارے ساتھ ساتھ ان کی خوشی کا بھی خیال ہے۔"

"تم نے یہ سب میرے لیے کیا ہے لیکن اگر مام نے واقعی تم سے کہا کہ تم میرا خیال دل سے نکال دو... تو...؟"

"تو میں سچ مچ ایسا ہی کروں گی۔ تم پہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ مگر میں جانتی ہوں کارا آنٹی کبھی ایسا نہیں کریں گی۔ وہ تمہاری مام ہیں۔ ان کو بھی تو تمہاری خوشی اور محبت کا خیال ہوگا۔ وہ مجھے تم سے دور کیسے کر سکتی ہیں۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ابھی ابھی مام نے مجھ سے یہی کہا ہے۔"

"کیا کہا ہے؟" زینی نے بے تابی سے پوچھا۔

"یہی کہ اب انہیں میری پسند پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ تمہیں بطور بہو قبول کر رہی ہیں۔"

یہ اطلاع دیتے ہوئے مائر کے انداز میں نہ کوئی خوشی تھی نہ بشاشت۔ مگر زینی جیسے پھر سے جی اٹھی۔

"سچ!" اور پھر کچھ سوچ کے اسے ٹٹولنے لگی۔

"اور... اور وہ میشا...؟"

وہ بری طرح چونکا۔ "میشا؟"

"اسے کیوں لائے تم درمیان میں؟"

زینی کو گویا پھر سے سارے حقوق مل گئے تھے اس سے بازپرس کرنے کے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے، وہ کیوں آئے گی درمیان میں۔ وہ صرف ایک اچھی دوست ہے۔"

"میں جانتی تھی، وہ کچھ اور ہو بھی نہیں سکتی نہ کچھ اور ہونے کے قابل ہے۔"

وہ طمانیت سے مسکرائی۔ مائر کو میشا کا ذکر اس انداز میں خاصا ناگوار گزر رہا تھا مگر وہ اچانک ہی پھر سے ناگواری کا اظہار کر کے کوئی تلخی اور بدمزگی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو لڑکی اس کی محبت میں اور اس کی ماں کی عزت و تکریم میں اتنا آگے جا سکتی ہو، اس کے ساتھ درشتی سے پیش آنا مائر کی نفیس طبیعت کو گوارا نہیں تھا۔

"ویسے ایک بات کہوں۔ وہ تمہاری دوست بننے کے لائق بھی نہیں ہے۔"

"ہم کیوں کسی اور کو ڈسکس کر رہے ہیں؟"

مائر کو اس کا منہ بند کرنے کا اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ اس کا بازو تھام کے باہر لے جانے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنے عرصے بعد ہمارے دل ایک دوسرے سے صاف ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا چاہیے۔"

☼ ☼ ☼

واپس آکے زینی نے مزے لے لے کر اپنی اور مائر کی کچھ سچی، کچھ جھوٹی باتیں سنائیں۔ مخاطب امی اور مہر تھے۔ مگر درپردہ وہ یہ سب میشا کو سنا رہی تھی جو ذرا فاصلے پہ بیٹھی پردوں کی ترپائی کر رہی تھی۔

"آپ یونہی فکر کر رہی تھیں ماما! میں نے کہا تھا ناں کہ مائر میری محبت میں پوری طرح پاگل ہے۔"

"مجھے تم پہ بھی بھروسا ہے اور مائر کی محبت پہ بھی یقین ہے۔ بس کارا کی جانب سے دھڑکا تھا۔" مہر نے اس کی نظر اتارتے ہوئے کہا۔

"مائر کے ساتھ ساتھ اب وہ بھی میری مٹھی میں ہیں۔"

زینی نے میشا کو گھورتے ہوئے کہا۔ جو بظاہر کام میں مگن تھی مگر کپکپاتے ہاتھ اور ڈبڈباتی آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ اس پہ کیا گزر رہی تھی۔ زینی چاہتی تو اپنے اندر کی کھولن اس پہ نکالنے کے لیے اسے پیٹ کے رکھ دیتی۔ حلیہ بگاڑ دیتی اس کا۔ مگر مجبور تھی۔ نہیں چاہتی تھی اس کی کوئی بھی ایسی حرکت کارا یا مائر کے علم میں آئے۔ جس سے اس کی حیثیت ان کی نظر میں کم ہو جائے۔

"اور مائر کو اب میرے علاوہ کوئی اور نظر آئے گا بھی نہیں۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ بلکہ درپردہ میشا کو جلایا۔

"پہلے تو نظر آیا تھا۔" امی نے جل کے کہا۔ "میں نے سنا ہے تمہاری چار دن کی ناراضی میں اس نے کسی اور لڑکی سے ملنا شروع کر دیا تھا۔"

میشا کا ہاتھ ذرا سا کانپا اور سوئی اس کی انگلی کی پور میں چبھ گئی۔

"وہ لڑکی... وہ تو کوئی بہت ہی چیپ اور چیکو لڑکی تھی۔ گھٹیا۔ ہوتی ہیں ایسی بھی۔ موقع کی تلاش میں رہتی ہیں ہر وقت کہ کب کسی کے گلے کا ہار بنیں۔ وہ بھی زبردستی۔"

زینی کے لہجے اور نظروں میں میشا کے لیے تپش تھی۔ جسے میشا کا وجود بآسانی محسوس کر رہا تھا۔

مائر کو اکیلا پا کے خود اپنے آپ کو پیش کر رہی تھی۔ مگر مائر کا یہ اسٹینڈرڈ کہاں ہے کہ وہ ہر ایری غیری لڑکی کو منہ لگائے۔ وہ تو بس اس کی حماقت اور خوش فہمیاں انجوائے کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

میشا کب سے گود میں سر چھپائے روئے جا رہی تھی۔ اس کے حزن میں شریک ماتم ہوتے الماس کے پتے اس کے اردگرد گرتے جا رہے تھے۔

اپنے نزدیک آہٹ محسوس کر کے بھی اس نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ اس آہٹ کو بخوبی پہچانتی تھی۔

اور جیسے ہی رومان نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اسے پکارا۔ "میشا۔"

وہ سر اٹھائے بغیر آنسوؤں سے رندھی آواز میں بولی۔ "مجھے رونے سے مت روکنا رومان۔"

"تم اس کے لیے رو رہی ہو جو کبھی تمہارا تھا ہی نہیں۔" تم نے ہر کوشش کر کے دیکھ لی۔ اور میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم خود کو اور اسے اچھی طرح آزما لو تاکہ تمہیں یہ افسوس نہ رہے کہ تم اسے پانے کے لیے کچھ نہ کر سکیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو آپ کے نصیب میں ہو، وہ بنا کوشش کیے مل جاتا ہے۔ وہ تمہارا ہوتا تو میرے مشوروں پہ عمل کیے بنا ہی تم اس کو پا لیتیں۔"

"میں اس لیے نہیں رو رہی کہ میں اسے پا نہیں سکی۔ میں اس لیے رو رہی ہوں کہ میں نے اسے پانے کے لیے یہ سب کرنے کی کوشش ہی کیوں کی؟ میں نے کیوں خود کو اتنا گرایا؟ ایک شخص کے لیے خود کو بے عزت کیا؟"

"ایسا کیوں سوچ رہی ہو۔ تم نے جو کیا۔ محبت میں کیا۔ محبت میں سب چلتا ہے۔"

رومان کو مائر کے لیے نہ اداس ہونے پہ ایک اطمینان ہوا۔ مگر محض اس شرمندگی سے اسے نکالنے کے لیے تسلی دینے لگا۔

"نہیں... میں نے محبت میں نہیں۔ یہ سب خواہش میں کیا۔ ایک ہینڈسم سے لڑکے کی محبت اور توجہ پانے کی خواہش۔ ایک بڑے گھر کی بہو بننے کی خواہش، ساری زندگی عیش سے گزارنے کی خواہش سنڈریلا بننے کی خواہش۔"

"وہ تو تم ہو... سنڈریلا" رومان مسکرایا۔ مگر وہ پھر سے رو پڑی۔

"نہیں... نہیں ہوں میں سنڈریلا۔ میں سنڈریلا نہیں ہوں۔ میں چیپ ہوں۔ چیکو ہوں۔ گھٹیا ہوں۔"

وہ خود کو کوستی جانے لگی تو رومان نے اس کا ہاتھ تھام کے اپنی جانب کھینچا۔

"مت کہو خود کو ایسے... مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"زینی ٹھیک کہتی ہے۔ میں نے جان بوجھ کے مائر کے گلے کا ہار بننا چاہا۔ موقع دیکھ کے اس کی قسمت کو اس سے چھیننا چاہا۔ میں بہت گندی... بہت بری ہوں۔"

روتے روتے وہ رومان کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔ رومان کو لگا اس نے کچھ دیر اور اس کی محبت کو اپنے اندر چھپانے کی سعی کی تو اس کا دل پھٹ جائے گا۔ اس کے بال سہلاتے ہوئے اس نے کراہ کے کہا۔

"میشا... مت روؤ... پلیز... مت روؤ۔ تمہارے آنسو مجھے ختم کر رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں کچھ تھا شاید۔

یا اس کے لمس میں...

یا پھر اس کی دھڑکن میں۔ جو اس وقت میشا کی سماعتوں کے بے حد نزدیک تھیں۔

اس نے فوراً اپنا سر اس کے سینے سے اٹھا کے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ جواب فوراً ہی معمول کے مطابق تھا۔ اپنے مخصوص لاپروا انداز میں مسکراتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"دیکھو ناں۔ اتنی سردی میں تم نے اپنے آنسوؤں سے میری شرٹ گیلی کر دی ہے۔ نمونیے سے ختم ہو جاؤں گا میں۔ پلیز مت روؤ۔"

میشا شرمندہ سی ہو کے اس سے الگ ہوئی اور آنسو صاف کرتی گھر کے اندر کی جانب جانے لگی۔ رومان نے مسکرا کے اپنی شرٹ سے میشا کا بال اٹھایا اور جیب میں رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼

زینی نے کارا کی رائے اپنے بارے میں کیا بدلی۔ دونوں گھروں میں شادی کی تاریخ کے بارے میں بھی مشورے ہونے لگے۔ تیاریاں عروج پہ تھیں۔ پرشکوہ خانم کے دل میں فطری طور پہ زینی کے لیے بھی محبت تھی۔ بہرحال وہ بھی ان کی پوتی... ان کا خون تھی۔ مگر دانستہ انہوں نے خود کو ان سب تیاریوں اور گہما گہمی سے الگ تھلگ رکھنا مناسب جانا... شاید میشا کی دل آزاری کے خیال سے...

اس وقت بھی وہ مضمحل سی نظر آتی گرینی کے پیروں کا مساج کر رہی تھی۔ انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم مائر اور زینی کی شادی کی وجہ سے پریشان ہو؟"

"نہیں تو گرینی۔" مگر اس کا لہجہ چغلی کھا گیا۔

"تم کل سے بہت بجھی بجھی اور اداس ہو۔ بار بار تمہاری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔"

"وہ کسی اور وجہ سے ہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"میں سب جانتی ہوں میشا۔ مجھ سے کیا چھپانا۔ میں تمہارے خوابوں سے بھی واقف ہوں اور اس بات سے بھی کہ تم نے اپنے وہ سب خواب مائر کے حوالے سے سچ کرنے چاہے تھے لیکن بیٹا! قسمت پہ کوئی زور نہیں ہوتا۔ جس کا بندھن اوپر جڑ جائے۔ ہم نیچے والے اسے بدل نہیں سکتے۔"

"جی گرینی! اور میں نے انہیں بدلنے کی جو ناکام کوششیں کی تھیں۔ میں اصل میں ان پہ ہی شرمندہ اور دکھی ہوں۔ کاش میں نے یہ بات پہلے سمجھ لی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی۔"

"کیا تمہارے جذبات تم تک رہے یا تم نے انہیں ماٹر تک بھی پہنچایا؟"

پتا نہیں ان کے لہجے میں کون سے خدشے چھپے ہوئے تھے کہ یشا چونک گئی۔

"جی؟"

"میرا مطلب ہے۔ تم نے اس پہ اپنی محبت ظاہر تو نہیں کر دی۔ اور کہیں اس نے اس سے فائدہ اٹھا کے دل لگی کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"نہیں گرینی۔ ایسا تو نہیں ہے۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے ورنہ زینی کے حوالے سے اس کا ہم سے اور تم سے بھی ایک رشتہ جڑنے والا ہے۔ کہیں کوئی عمر بھر کا مسئلہ نہ پیدا ہو جاتا۔ اور سنو.... کہیں تمہاری کسی بات سے اسے یہ تو نہیں لگا کہ تمہارا دل ٹوٹا ہے۔ یا تم نے اس پہ جتانے کی کوشش کی ہو کہ اس شادی سے یا اس کی بے توجہی سے تم ہرٹ ہوئی ہو۔"

"نہیں گرینی! اور کبھی ظاہر بھی نہیں کرنا چاہوں گی میں۔ میں کبھی بھی اسے اس بات کا احساس نہیں دلانا چاہتی۔"

یہ سن کے پر شکوہ خانم نے ایک طمانیت اور تشکر بھرا سانس لیا۔

"شکر ہے۔ میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔"

"کیسا اندازہ گرینی؟"

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم کو ماٹر سے محبت تو نہیں ہو گئی۔ محبت اور وہ بھی اس کم عمری کی محبت... اور پھر یک طرفہ محبت۔ تمہیں سنبھلنے میں بہت وقت لگتا۔ مگر شکر ہے، تمہیں اس سے محبت نہیں تھی۔ صرف وقتی کشش تھی۔ یا لگاؤ"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" وہ ان کے وثوق بھرے انداز پہ حیران ہوئی۔

"کیونکہ تمہیں اس سے اپنا دکھ، اپنی تکلیف شیئر کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے جبکہ انسان جس سے محبت کرتا ہے۔ ہمیشہ اسی کے کاندھے پہ سر رکھ کے اپنے آنسو بہاتا ہے۔"

یشا کے ان کے پیروں پہ گردش کرتے ہاتھ تھم سے گئے.... وہ پل، وہ ساعت نظروں کے سامنے جھلملا اٹھی جب وہ رومان کے سینے پہ سر رکھے اپنے اندر کے سب دکھ آنسوؤں کی صورت میں بہا رہی تھی۔

گھبرا کے وہ اٹھی اور باہر جانے لگی۔

"کیا ہوا یشا؟"

✡ ✡ ✡

شومئی قسمت وہاں سے نکلتے ہی اس کی نظر باغیچے میں خوش گپیاں لگاتے رومان اور ایمی پہ جا پڑی۔

وہ سلگ کے رہ گئی۔

رومان کی مسکراہٹ.... اور ایمی کی کھلکھلاہٹ اسے زہر لگ رہی تھی۔

کچھ دیر کھڑی وہ کھا جانے والی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی رہی پھر ایمی کے جاتے ہی رومان کے پاس آئی۔

"تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے، جو ہر وقت اس موٹی کے ساتھ کھڑے گپیں لگاتے رہتے ہو؟"

"ہاں.... اس وقت تو واقعی کوئی کام نہیں تھا۔ ویسے بھی فارغ وقت میں اگر میں کوئی نیکی کما لیتا ہوں تو تمہارا کیا جاتا ہے۔"

"کون سی نیکی.... کسے بنا رہے ہو؟ تمہیں لگتا ہے میں کچھ نہیں جانتی.... مہر ماما نے سب کو بتا دیا ہے تمہارے اور ایمی کے بارے میں۔"

"ایسا کیا بتا دیا ہے، جو میں نہیں جانتا۔"

وہ ذرا حیران ہوا.... اس انکشاف پہ نہیں.... یشا کی غیر معمولی ناراضی اور غصے پہ۔ "اور کچھ بتایا بھی ہے تو تم اتنی پریشان کیوں ہو اس بات پہ؟"

"میں کیوں پریشان ہوں گی، پریشان تو مہر ماما اور ایمی کو ہونا چاہیے جو تم سے شادی کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔"

اب رومان کو اس کی پریشانی کی وجہ جان کے ہنسی آ

گئی۔

"کیوں؟ کیا برائی ہے مجھ میں.... مجھ سے شادی کیوں نہیں ہو سکتی ایمی کی؟"

"یہ تم پوچھ رہے ہو؟ تم نہیں جانتے کیا کہ ایمی ایک انسان ہے.... ایک عام انسان اور تم پرے۔"

رومان سناٹے میں آ گیا۔ یشا اسے طعنہ دے کر چلی بھی گئی اور وہ کتنی دیر یہی سوچتا رہا کہ وہ یہ بات بھول کیسے گیا کہ اس نے یشا کو اپنے بارے میں کون سی کہانی سنائی تھی۔

وہ بھول گیا تھا.... مگر یشا نہیں بھولی تھی۔

"کیا پتا تھا یہ مذاق اتنا لمبا ہو جائے گا اور الٹا گلے پڑ جائے گا۔ وہ تو واقعی مجھے انسان نہیں کسی اور دنیا کا سمجھ رہی ہے۔ حد ہے معصومیت کی۔"

اس کی جس معصومیت پہ رومان فدا ہوا تھا، وہ آج اسے زہر لگ رہی تھی۔

"اب تو اسے اصل بات بتانا ہی ہو گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

✡ ✡ ✡

اس کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیوں اتنی بھڑک اٹھی تھی رومان پہ....

"جس سے سچی محبت ہو اس کے دل میں کسی اور کی جگہ بنتے دیکھ کے کسک تو ہوتی ہے دکھ بھی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں.... بے چینی سی ہوتی ہے مگر لب سے آہ نہیں نکلتی.... بس سب کچھ برا برا سا لگنے لگتا ہے۔ کسی اور سے تو نہیں.... ہاں اپنے آپ سے شکایت ضرور ہو جاتی ہے کہ ہم کیوں اس قابل نہیں کہ اس کی نظر میں سما سکیں۔"

رومان کی باتیں یاد آنے پہ یشا نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا اور خود سے سوال کیا۔

"اگر ایسی جلن صرف محبت میں محسوس ہوتی ہے تو مجھے رومان کو ایمی کے ساتھ دیکھ کے یہ جلن اور تکلیف کیوں ہوتی ہے۔"

اس بار جواب گرینی نے دیا۔

"انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس کے کاندھے پہ سر رکھ کے اپنے آنسو بہاتا ہے۔"

ایسا جواب جو اس کے اندر مزید سوال جگا گیا۔

"مجھے بھی ہر دکھ.... ہر تکلیف میں ایک وہی کیوں یاد آتا ہے؟ کیا میں اس سے.... نہیں نہیں.... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

اسے خود سے بے زاری محسوس ہونے لگی۔ کیوں سوچ رہی تھی وہ ایسا۔

✡ ✡ ✡

"ماما! آپ ایمی کے لیے اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ میری ماٹر سے شادی ہونے دیں.... شاید کوئی اچھی فیملی کا لڑکا ایمی کو پسند کر ہی لے.... دنیا میں کیا نہیں ہوتا۔ شاید کوئی معجزہ ہو جائے۔"

اپنی جانب سے زینی نے مہر کو بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا مگر ایمی تلملا اٹھی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"بہن ہوں تمہاری.... تمہیں رومان جیسے ٹٹ پونجیے اور گھسیارے کے ساتھ زندگی گزارتے دیکھ کے مجھے افسوس ہو گا۔"

"خبردار جو اس کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا بولا؟"

"بس کرو تم دونوں، جب دیکھو چونچیں لڑاتی رہتی ہو.... ایمی تم یہی سوچ لو کہ زینی اب کچھ دنوں کی مہمان ہے۔"

"اوہ ریلی! کچھ دنوں کی مہمان! مرنے والی ہے یہ۔"

"شٹ اپ۔" زینی دھاڑی۔

"زینی! تم بھی اسے مت اکسایا کرو.... اسے رومان پسند ہے اور مجھے بھی اتنے اونچے خواب اسے مت دکھاؤ، جن کی تعبیر اسے نہیں مل سکتی۔"

مہر نصیحت کر کے چلی گئی.... مگر زینی نے شغل جاری رکھا۔

"ہاں.... یہ بھی ہے۔ تمہیں رومان جیسے فٹ پاتھیے، یتیم، مسکین کے علاوہ کس نے منہ لگانا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے تمہیں منع کیا ہے کہ اس کے بارے میں بکواس نہ کرنا۔"

"ہائے اللہ..... نہیں سنا جاتا تم سے؟ کہیں محبت وحبت تو نہیں ہوگئی اس سے؟" زینی نے بات کر کے قہقہہ لگایا۔

"ہاں، ہوگئی ہے تو؟"

"کم آن ایمی..... محبت کرنے سے پہلے کچھ دیکھ تو لینا تھا۔"

"محبت کرتے ہوئے کچھ دیکھا نہیں جاتا۔"

"مگر میں نے تو دیکھ بھال، سوچ سمجھ کے مائر سے محبت کی ہے۔"

"تم نے مائر سے محبت کی کب ہے۔"

"اوکے نہیں کی..... کیا فرق پڑتا ہے..... اس نے تو کی ہے اور بات یہ ہے۔ شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ سے محبت کرتا ہو۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری..... اس نے بھی تم سے نہیں اس لڑکی سے محبت کی ہے جسے وہ جھیل پہ ملا تھا اور جس کا فائدہ تم اٹھا رہی ہو اور تمہاری یہ شادی بھی ایک دھوکا ہے۔ کسی اور کا حق ہے جو تم نے چھینا ہے۔"

"مائر پر صرف میرا حق ہے..... کوئی دھوکا نہیں دیا میں نے اسے۔"

زینی حلق پھاڑ کے چلائی۔

"یشا اس کے لائق نہیں ہے، وہ تو اتفاق سے اس رات جھیل پہ وہ یشا سے۔"

بات کرتے کرتے اس نے ایمی کی باہر کو ابلتی آنکھیں دیکھیں تو رک گئی۔

"اوہ..... تو وہ لڑکی یشا ہے، جس سے مائر محبت کرتا ہے۔"

ایمی اب جا کے معاملے کی تہہ تک پہنچی..... اس سے پہلے وہ صرف آدھے سچ سے واقف تھی۔

☆ ☆ ☆

رومان پر شکوہ خانم کے کمرے کی جانب آرہا تھا اور وہ سوپ کا خالی پیالا لے کر وہاں سے نکل رہی تھی۔

"یشا..... مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

"مجھے نہیں سننی۔"

یشا کو اس سے نہیں اپنی ان سوچوں سے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی جو اسے آج کل گھیرے رکھتی تھیں۔ وہ رومان سے نہیں..... اس احساس سے گریز کرنا چاہ رہی تھی جو اس پہ حاوی ہوتا نظر آرہا تھا۔

"بہت ضروری بات ہے یشا..... اب تمہارے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ میں۔"

"پلیز رومان..... میں نے کہا ناں..... مجھے اس وقت بہت سے کام ہیں۔ بالکل بھی وقت نہیں ہے۔"

وہ کترا کے تیزی سے آگے نکل گئی..... جیسے اس کے قرب سے یا اس کے سحر سے بچنا چاہ رہی ہو..... مگر رومان کی سمجھ سے اس کا پیہ گریز بالاتر تھا۔

وہ اندر ہی اندر الجھتا، شکوہ خانم کے پاس آیا..... ان کے لیے لائبریری سے کچھ کتابیں لایا تھا۔ انہوں نے رومان کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے بتا کیوں نہیں دیتے۔" وہ بری طرح چونکا۔

"کسے؟ کیا بتانا ہے؟"

"تم جانتے ہو رومان..... کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

رومان نے نظر چرالی۔

"ڈرتے ہو؟"

"جی..... ڈرتا ہوں۔" اس کے لبوں کے گوشے سے بڑی مبہم سی مسکان چھلکی۔

"انکار سننے سے؟"

"نہیں اس کا دل ٹوٹنے کے خیال سے، اسے کتنا برا لگے گا کہ وہ ہمیشہ سے ایک شہزادے کے خواب دیکھتی آئی ہے۔ ایک محل میں راج کرنے کے اور ایک بنجارہ اس کی طلب کر رہا ہے..... میں اس کے خواب پورے نہیں کر سکتا..... مگر مجھے اس کے خواب اس سے چھیننے کا حق بھی نہیں ہے۔"

وہ اس سے وجہ جان کے مسکرا اٹھیں۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میری جہاں دیدہ آنکھوں نے اس کے خوابوں میں تمہارا عکس دیکھ لیا ہے تو؟"

"جی؟"

"ہاں۔ اور مجھے لگتا ہے، اب تمہیں اس سے دل کی بات کہنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"میں اتنا خوش نصیب نہیں ہوں۔ ویسے بھی دل کی بات نہ بتانے کی ایک وجہ اور بھی ہے اور پلیز وہ مت پوچھیے گا مجھ سے، وہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔"

☆ ☆ ☆

"تم اتنے خوش نظر نہیں آرہے مائر! جتنا خوش تمہیں ہونا چاہیے۔"

کارا نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا تو وہ بمشکل مسکرایا۔ محض اس کی تسلی کے لیے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مام۔"

"لگتا ہے اب تک مجھ سے ناراض ہو۔ جبکہ اب میں دل سے تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ مہر سے اپنی دیرینہ رقابت کی وجہ سے شاید میں بلاوجہ زینی سے بیر باندھے بیٹھی تھی ورنہ وہ اتنی بری لڑکی بھی نہیں ہے۔"

"جی.....!" وہ فقط اتنا کہہ پایا۔

"اوہ..... ہاں میں نے تو ڈرائیور کو بھیجا تھا مہر کی طرف۔ آج ان سب کو لنچ پہ بلایا ہے تاکہ شادی کی ڈیٹ فائنل کر دی جائے۔"

یہ سنتے ہی وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

"ڈرائیور کو رہنے دیں..... میں لے آتا ہوں۔"

"مائر! زینی یہیں آرہی ہے۔ میں نے مہر سے کہا ہے کہ اسے ساتھ لے کر آئے، ایسی بھی کیا بے تابی۔"

کارا کے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کیے گئے مذاق پہ بھی مائر کی سنجیدگی پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ چابیاں اٹھاتا باہر نکل گیا۔ کارا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"زینی! تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ گی کہ نہیں۔"

زینی وہاں جانے کے لیے گیل کانٹے سے لیس ہونے والی تیاریاں کر رہی تھی جب ایمی چیختی چنگھاڑتی وہاں داخل ہوئی۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی..... مگر زینی کے سکون میں رتی برابر فرق نہ پڑا۔

"اب کیا تکلیف ہے تمہیں؟"

"تم مسلسل ماما کو رومان کے خلاف بھڑکا رہی ہو۔ اس کے بارے میں الٹی سیدھی بکواس کر کے ان کی رائے بدلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ چاہتی کیا ہو تم؟"

"تم اتنا بھی نہیں سمجھتیں؟ ظاہر ہے کہ میں نہیں چاہتی، تمہاری شادی اس سے ہو۔ وہ بالکل بھی اس قابل نہیں ہے۔ ہے کیا اس کے پاس نہ فیملی بیک گراؤنڈ..... نہ گھر نہ تعلیم نہ کوئی کیریئر نہ جاب نہ پیسہ اور نہ ہی شکل وصورت۔"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں ہے یہ میرا مسئلہ..... میری شادی مائر سے ہونے والی ہے مائر سے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ایک بہن کی شادی تو مائر جیسے شخص سے ہو اور دوسری کی رومان جیسے شخص سے۔ لوگ تو ہنسیں گے ہی..... مذاق بھی بنائیں گے مگر مائر اور کارا آنٹی کو بھی برا لگ سکتا ہے۔ وہ کیا سوچیں گے ایمی۔"

"انہیں برا کیوں لگے گا؟" یہ نکتہ ایمی کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"کیونکہ میرے اور تمہارے شوہر کا آپس میں بھی کوئی رشتہ بنتا ہوگا۔ جیسے بدقسمتی سے تمہارا اور میرا رشتہ ہے۔ تم ایک معمولی بلکہ گھٹیا ترین شخص کو مائر کے مقابلے پہ لانا چاہتی ہو، نہ یہ مائر کو قبول ہوگا نہ میں برداشت کروں گی۔"

وہ کاجل اور گہرا کرنے لگی اور ایمی خلاف توقع اس کا منہ نوچنے کے بجائے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھتی کچھ اور سوچ رہی تھی۔

"مطلب یہ ہے کہ اب تم میری شادی کبھی بھی اور کسی سے بھی نہیں ہونے دو گی کیونکہ مائر کے مقابلے میں لانے کے لیے اس جیسا شخص تو مجھے کبھی مل ہی نہیں سکتا..... نہ میرے پاس تمہارے جیسا حسن ہے نہ یہ مکاری..... میری زندگی سے رومان کو دور کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بجائے تم مائر کو کیوں نہیں اپنی زندگی سے دور....."
اور یہی سوچتے سوچتے اسے بالآخر ایک راہ سوجھ ہی گئی۔

☆ ☆ ☆

مائر گیٹ کے پاس گاڑی کھڑی کر کے تیزی سے اس کی جانب بڑھا مبادا وہ اسے دیکھ کے اندر نہ چلی جائے جبکہ وہ تو آیا ہی اس سے ملنے۔ بلکہ بات کرنے تھا۔
"میشا..... مجھے تم سے کچھ کہنا ہے میشا..... رکو۔"
وہ بادل نخواستہ رکی۔
"جھوٹ یا سچ.....؟" اس کے بے تاثر چہرے پہ سجی دو آنکھیں تاثرات سے پر تھیں۔
"میں نے تم سے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا میشا۔"
اب کے وہ کچھ بولی تو نہیں..... مگر اس کے ہونٹوں پہ بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ آئی تھی..... کچھ جتاتی ہوئی جس پہ مائر خجل سا ہو گیا۔
"مجھے احساس ہے کہ میں نے انجانے میں تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں کیا۔"
"اچھا.....؟ واقعی؟ مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا۔" دل کی کسک کو چھپا کے اس نے بے اعتنائی ظاہر کی۔

"میں تمہارے جذبات کے ساتھ کھیلا۔" اس نے شرمندگی سے اعتراف کیا۔
"تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میرے جذبات کے ساتھ کھیلنا اتنا آسان نہیں ہے کہ کوئی بھی اس میں کامیاب ہو سکے۔ نہ ہی میرے جذبات کوئی راستے میں پڑے ہوتے ہیں۔"
"بہرحال..... پھر بھی مجھے شرمندگی ہے میں نے جان بوجھ کے ایسا نہیں کرنا چاہا تھا مگر میں 'میں تم سے معافی مانگ کر دل ضرور ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔"
اس پر میشا نے بڑے ناز سے دونوں بازو سینے پہ باندھے اپنی صراحی دار گردن اٹھائی اور شاہانہ انداز میں کہا۔
"ٹھیک ہے..... مانگو پھر۔"

"کیا؟" وہ بھونچکا رہ گیا۔
"معافی..... تمہیں معافی مانگنی ہے ناں تو مانگو۔"
وہ ہچکچا سا گیا..... ساری عمر کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی تھی..... پھر اسی ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔
"سوری میشا! میری وجہ سے تم ہرٹ ہوئیں..... میں شرمندہ ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔"
میشا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی..... کل تک وہ اسے بہت خاص۔ بہت ہی خاص لگتا تھا اور اب اس کے سامنے چہرے پہ ندامت اور ہونٹوں پہ معذرت بھرے الفاظ لیے کتنا عام سا لگ رہا تھا۔
"جائیے..... معاف کیا۔"
اس نے سرد لہجے میں کہہ کر قدم بڑھا دیے۔ مائر اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا..... پتا نہیں کیوں..... حالانکہ اس کے پاس کہنے کو اب اور کچھ نہیں رہا تھا..... مگر اندر سے نکلتی ایمی، زینی اور مہر کو دیکھ کے وہیں رک گیا۔
میشا صنوبر کے تنے سے ٹیک لگائے ان تینوں کو مائر کے ساتھ جاتے دیکھ رہی تھی رومان پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔
"میں سمجھ سکتا ہوں میشا..... کہ تمہارے دل پہ کیا گزر رہی ہے۔"
"مگر میں خود نہیں سمجھ پا رہی کہ میرے دل پہ کیا گزر رہی ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"مجھے بہت مایوس..... بہت اداس، بہت دکھی ہونا چاہیے تھا مگر میں نہیں ہوں۔ جس سے شادی کرنے کے لیے میں مری جا رہی تھی..... اس کی شادی کسی اور سے ہونے جا رہی ہے..... جس سے مجھے محبت تھی، وہ کسی اور کی زندگی میں شامل ہونے جا رہا ہے..... مگر مجھے اپنے دل میں کسی خالی پن کا احساس کیوں نہیں ہو رہا رومان۔"
اس کی بات سن کے رومان کے چہرے پہ خوشی کا تاثر اور ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تمہارا دل خالی نہ ہو.....

اس میں کسی اور کی سلطنت ہو۔"
میشا نے چونک کے اسے دیکھا..... رومان کی مسکراتی آنکھوں کے جگنو اس کے اندر پھیلے اندھیرے میں راستہ بنانے لگے۔ روشنی کی شعاعیں جیسے خود اپنی جگہ بناتی ان سوالوں کے جواب تلاشنے لگیں۔ جو اس اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ وہ اس روشنی کے پھوٹتے ہی پھر سے گھبرا اٹھی۔
اسے نہیں چاہیے تھے جواب.....
وہ ان سوالوں کو اندھیرے میں ہی رکھنا چاہتی تھی اس لیے گھبرا کے اندر کی جانب بھاگنے لگی۔ اور وہ جو تمہید باندھنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا کہ ایسے کس انداز میں بات شروع کرے جس سے میشا کی ناراضی کا اندیشہ کم سے کم ہو۔ اسے روکتا ہی رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"لگتا ہے ان بچوں کا بندھن اوپر لکھا جا چکا ہے۔" مہر نے مسکرا کے کارا سے کہا۔
"بالکل..... ہم نے تو بس رسمی فرض ادا کرنا ہے ورنہ جہاں بچے خوش..... وہاں ہم بھی خوش۔"
آج تو کارا ابھی خوش دلی کے ریکارڈ توڑ رہی تھی بالکل ایسے جیسے زینی شرمانے کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔ ..... سر جھکائے، ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے نیچی نظریں ایمی اس کے ڈرامے پہ لعنت بھیجتی چپکے سے ان سب کے درمیان سے اٹھی۔ اس کا رخ مائر کے کمرے کی جانب تھا جو اوپر بیٹھا نیچے ہونے والے اپنی زندگی کے سب سے اہم فیصلے سے لاتعلق نظر آ رہا تھا۔
"مائر..... مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ بلکہ بتانی ہے۔"
"زینی کے بارے میں؟" مائر نے اندازہ لگایا۔
"ہاں اور میشا کے بارے میں بھی۔ اب تم سوچو کہ وہ کون سی بات ہو سکتی ہے جو میشا اور زینی دونوں کے بارے میں ہے۔"
"تم کہنا کیا چاہتی ہو ایمی؟"
"تم زینی کو تب سے چاہتے ہو ناں جب اس سے پہلی بار ملے تھے۔"
"ہاں۔" اس اعتراف کے بعد اس کی الجھن اور بوجھل پن ہمیشہ کی طرح مزید بڑھ گیا۔ یہی گرہ تو کھل نہ پائی تھی کبھی۔
"پارٹی میں..... یا ہمارے گھر؟"
"کیا تمہیں کبھی زینی نے یہ نہیں بتایا کہ ہم پہلی بار جھیل پہ ملے تھے۔"
"اور لگتا ہے، تمہیں کبھی زینی نے یہ نہیں بتایا کہ تم جھیل پہ اس سے نہیں..... میشا سے ملے تھے۔"
"میشا سے؟"
وہ بری طرح چونکا۔
"ہاں وہ لڑکی میشا تھی..... جس کی تم صورت تو نہ دیکھ پائے۔ مگر اسے دل دے دیا اور زینی نے تمہارے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ وہی اصل میں وہ لڑکی ہے۔ جبکہ اس رات....."
"ایمی!" زینی اندر آتے ہوئے زور سے چلائی۔

☆ ☆ ☆

میشا پر شکوہ خانم کے سامنے کھانا لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"آپ کو کارا آنٹی کے ہاں جانا چاہیے تھا۔ شادی کی ڈیٹ فکس ہوتے ہوئے آپ کی موجودگی ضروری تھی گرینی۔"
"اتنی ضروری ہوتی تو میرے انکار کے بعد مہر ایک بار تو اصرار کرتی..... ویسے بھی میں تمہیں اکیلا چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی تھی۔"
"کیونکہ آپ کو ڈر تھا کہ میں صدمے سے خودکشی نہ کر لوں۔" اس نے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
"نہیں..... ڈر میرے دل سے نکل چکا ہے۔" وہ بھی طمانیت سے مسکرائیں۔
"کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم اس سے محبت نہیں کرتیں۔ بس اب یہ ثابت ہونا رہ گیا ہے کہ تم جس سے محبت کرتی ہو..... وہ۔" ان کی بات پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے سے پہلے ہی بیشا گھبرا کے کہہ اٹھی۔
"میں صرف آپ سے محبت کرتی ہوں گرینی صرف آپ سے۔"
وہ ہنس پڑیں۔ "لیکن خوابوں میں تم مجھے تو سفید گھوڑے پہ آتا نہیں دیکھتی ہوگی۔"
خواب کے ذکر پہ بیشا کھو سی گئی..... پر شکوہ خانم نے اسے گہری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ویسے رومان بہت اچھی ہارس رائیڈنگ کرتا ہے۔"
بیشا نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا..... اور ان کی پلیٹ میں میٹھا نکالنے لگی۔ پر شکوہ خانم نے بات مزید آگے بڑھائی۔
"بہت لکی ہوگی وہ لڑکی جو اس سے محبت کرے۔ جو اس کی محبت پائے جس سے رومان کی شادی ہو..... ہے ناں۔"
اب وہ برداشت نہ کر سکی اور تلخی سے بولی۔
"ایسی کوئی لڑکی کم از کم اس دنیا میں تو نہیں ہوگی۔"
"کیا مطلب؟"
ان کے پوچھنے پہ وہ ان کے قریب کھسک آئی اور کانوں کے پاس آ کے رازداری سے کہا۔
"آپ کو نہیں پتا گرینی..... رومان کیا ہے۔"
وہ بے حد حیران تھیں..... اس کی بات پہ بھی اور انداز پہ بھی۔
"کیا ہے رومان؟"
"وہ انسان نہیں ہے۔" بیشا نے سرگوشی کی۔
"کیا؟ انسان نہیں ہے تو کیا ہے؟"
"را..... را ہے وہ..... پرستان سے آیا ہے اور پلیز گرینی! آپ نے یہ بات کسی کو بتانی نہیں ہے۔ رومان نے کہا تھا جتنے لوگوں کو یہ راز پتا چلتا جائے گا۔ اس کی جادوئی طاقتیں ویسے ہی ایک ایک کر کے کم ہوتی جائیں گی۔ بے چارہ۔ آج آپ کو پتا چلا ہے ناں تو اس کی ایک اور جادوئی طاقت چلی گئی ہوگی اور ہاں پلیز رومان کو بھی نہ بتائیے گا کہ اس کا راز میں نے آپ کو بتا دیا ہے، وہ ناراض ہوگا اور مجھے وعدہ خلاف بھی سمجھے گا۔"
پر شکوہ خانم پہ حیرت کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ وہ اس سے ایک بھی سوال نہ کر سکیں۔

☆ ☆ ☆

مائرہ کا بکا کھڑا اپنے سامنے کھڑی ایمی اور زینی کو ایک دوسرے کے ساتھ محتشم گتھا دیکھ رہا تھا۔
"تم میری بہن نہیں ہو..... دشمن ہو۔"
"اور تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے، وہ کوئی دشمن بھی نہیں کرتا..... مائر! تم اس کی بکواس پہ بالکل یقین کرنا۔"
"سچائی کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ مائر! تم اس رات بیشا سے ملے تھے، اسی کے بندے تمہارے پاس رہ گئے تھے اور اسی کی باتوں نے تمہارے دل میں محبت جگائی تھی۔ اسی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تم غلط لڑکی کے چکر میں پھنس گئے تھے۔"
ایمی نے اس کی مٹھی سے اپنے بال چھڑاتے ہوئے کہا۔
"کیا یہ سچ ہے زینی؟" بہت مشکل سے مائر کچھ کہنے کے قابل ہو سکا۔
"جھوٹ بول رہی ہے یہ۔" وہ پھر گئی۔
"تو ٹھیک ہے مائر! تم اس سے وہ سب باتیں پوچھو..... جو تم دونوں کے درمیان اس رات ہوئی تھیں..... اس ڈریس کا کلر پوچھو جو اس لڑکی نے پہنا ہوگا۔ یہ کچھ نہیں بتائے گی اور پھر بیشا سے پوچھنا۔"
ایمی کے کہنے پر آخر زینی چلا اٹھی۔
"ہاں..... تھی وہ بیشا..... میں نہیں تھی مگر اس سے کیا ثابت ہوتا ہے محبت تو تمہیں مجھ سے ہے مائر! وعدے تو تم نے مجھ سے کیے ہیں شادی تو ہم دونوں کی ہو رہی ہے۔"

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہِ شوق سے دُور ہیں، رگِ جاں سے لاکھ قریں سہی

ہمیں جان دینی ہے ایک دن، وہ کسی طرح وہ کہیں سہی
ہمیں آپ کھینچیے دار پر، جو نہیں کوئی، تو ہمیں سہی

غمِ زندگی سے فرار کیا، یہ سکون کیوں، یہ قرار کیا
غمِ زندگی بھی ہے زندگی، جو نہیں خوشی تو نہیں سہی

سرِ طُور ہو، سرِ حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی

نہ ہو اُن پہ جو مرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں انہیں کا تھا میں انہیں کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سہی

جو ہو فیصلہ وہ سُنائیے، اسے حشر پر نہ اُٹھائیے
جو کریں گے آپ ستم وہاں، وہ ابھی سہی، وہ یہیں سہی

اُسے دیکھنے کی جو لَو لگی تو نصیرؔ دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دُور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی

نصیرالدین نصیرؔ

خبر تحیرِ عشق سُن، نہ جنوں رہا، نہ پری رہی
نہ تو تُو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

شہہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

چلی سمتِ سیں ایک ہوا کہ چمن ظہور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہال غم، جسے دل کہیں سو ہری رہی

نظر تغافلِ یار کا، گِلہ کس زباں میں کروں بیاں
کہ شراب صد قدح آرزو خمِ دل میں ہے سو بھری رہی

وہ عجب گھڑی تھی میں جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتابِ عقل کی طاق میں جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی

ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر سہی یہاں ہوا
کہ آئینے میں جلا رہی، نہ پری کو جلوہ گری رہی

کیا خاک آتشِ عشق نے دلِ بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا، نہ حذر رہا، مگر ایک بے خطری رہی

سراج اورنگ آبادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہکار آنچل اُڑاتا جائے، بجتا جائے زیور بھی
دل کے اندر پھول کھلے ہیں ایک بہار ہے باہر بھی

سارے گھر میں پھیل رہی ہے اس کی نظروں کی شوخی
اس کے ہنسنے سے بدلا ہے موسم بھی اور منظر بھی

اس کے نام کی مہندی نے ہاتھوں پہ ایسی دستک دی
جاگ اُٹھا انگڑائی لے کر برسوں بعد مقدر بھی

لوگ بچھڑتے وقت نجانے کیا کیا وعدے کرتے ہیں
میں تو بالکل بول نہ پائی، چپ تھی اس کے لب پر بھی

جیون کے اس دھوپ نگر کو ہنستے گاتے پار کرو
اس کے پیار کی چھاؤں ہے سر پر، اس کے نام کی چادر بھی

حمیدہ شاہین

فیصلہ

تو اب ہم ایسا کرتے ہیں
محبت ترک کرتے ہیں
یہ شعر و شاعری کا سلسلہ، یہ پیار کی باتیں
سب ہی کچھ چھوڑ دیتے ہیں
ہم اپنی سوچ کا، احساس کا رُخ موڑ دیتے ہیں
کسی کو بے وفا کہنا، کسی کو کج ادا لکھنا
کبھی اپنی وفاؤں کے صلے کی آرزو رکھنا
ہمیشہ دل کو چاہت کے لیے بے آبرو رکھنا
کسی عینی، کسی لیلیٰ، کسی مومل کی خاطر ہم
کسی سوہنی، کسی بھی ہیر کے آنچل کی خاطر ہم
نہیں برباد ہوں گے اب
نہیں ناشاد ہوں گے اب
تو اب یہ فیصلہ کر لیں
ہم اپنی زیست کی ناکامیاں تسلیم کرتے ہیں
ہم اپنی بے بسی کی خامیاں تسلیم کرتے ہیں
یہ شہرت ہے کہ بدنامیاں تسلیم کرتے ہیں
حقیقت مان لیتے ہیں
لپکتے، دوڑتے، بڑھتے ہمارا پاؤں ریتا ہے
اُدھر وکٹوں کے پیچھے سے کوئی انگلی بھی اُٹھی ہے
ہماری عمر کی ملی اننگز اب ختم ہوتی ہے
ستارے بجھ گئے ہیں اب
شرارے بجھ گئے ہیں اب
اکیلے پن کی اب کوئی نئی تدبیر کیا ہوگی
کسی بھی عشق کی پاؤں میں اب زنجیر کیا ہوگی
ستم پرور بھلا اب اور بھی تقدیر کیا ہوگی
تو اب ہم ایسا کرتے ہیں
ہم اپنی خودکشی کا آپ خود اعلان کرتے ہیں
قلم کاغذ کو دھرتے ہیں
بہت کچھ لکھ لیا ہم نے
بہت دن جی لیا ہم نے
یہ رشتہ توڑ دیتے ہیں
سب ہی کچھ چھوڑ دیتے ہیں

اظہر جاوید

صبا سحر

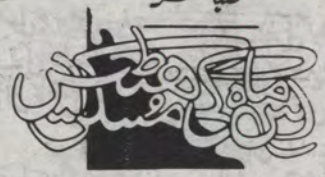

مجبوری

نو آموز سپاہیوں کا ایک دستہ بڑی دیر سے سخت چلچلاتی دھوپ میں پریڈ کر رہا تھا۔ ان سے بار بار غلطی سرزد ہو رہی تھی۔ سارجنٹ غصے سے خوب جھنجلا رہا تھا۔ آخر تنگ آکر وہ دھاڑا۔

"اف! میرے خدا! اتنے نکمے لوگ..... آخر! میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

گرمی اور دھوپ سے نڈھال سپاہیوں کی نظریں بے اختیار قریبی سایہ دار درختوں کی طرف اٹھ گئیں۔ سارجنٹ ان کا مقصد بھانپ گیا مگر جل کر بولا۔

"ہاں، ہاں! میں سمجھتا ہوں..... مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس اتنی زیادہ رسیاں نہیں ہیں۔"

(مسرت جبیں..... ڈیفنس)

انداز ہمدردی

بس میں بہت زیادہ رش تھا۔ ایک بزرگ سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے ڈنڈا پکڑے کھڑے تھے۔ قریب ہی سیٹ پر ایک نوجوان کھڑکی پر سر ٹکائے سو رہا تھا۔ کنڈیکٹر نے اس خیال سے اسے جگانے کی کوشش کی کہ کہیں اس کا اسٹاپ نہ نکل جائے۔ نوجوان آنکھیں کھولے بغیر بولا۔

"میں سو نہیں رہا، تم اپنا کام کرو۔"

"سو نہیں رہے تو پھر اس طرح آنکھیں بند کیے، کیوں بیٹھے ہو؟" کنڈیکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"میں بزرگ کو کھڑے ہو کر سفر کرتے نہیں دیکھ سکتا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

(اقراء نمرہ..... کراچی)

لاعلمی

"لاعلمی بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔" ایک سائنس دان نے ایک خاص قسم کی مکھی پر لیکچر دیتے ہوئے کہا۔

"سائنسی نقطہ نظر سے اس مکھی کے پر اس کے جسم سے چھوٹے ہیں چنانچہ سائنس کی رو سے یہ مکھی اس قابل نہیں ہے کہ اڑ سکے، لیکن چونکہ مکھی کو اس اہم سائنسی حقیقت کا علم نہیں ہے۔ اس لیے وہ آسانی سے اڑتی ہے۔"

(آمنہ اجالا..... ڈہرکی)

خفگی

ایک صاحب کے گھر میں ان کی تین بیویاں اور تقریباً دو درجن بچے تھے، ہر وقت لڑائی جھگڑے کا سماں بندھا رہتا تھا۔ ایک روز وہ صاحب اپنے دروازے کے باہر کھڑے گالیاں دے رہے تھے۔ محلے داروں نے وجہ پوچھی تو وہ صاحب بہت ہی غصے سے بولے۔

"کوئی ناہنجار میرے گھر کے دروازے پر ایک نام لکھ کر چلا گیا ہے۔"

"ایسا کیا نام لکھ دیا ہے، جو آپ اتنے خفا ہو رہے ہیں؟" ایک پڑوسی نے پوچھا۔

یہ سن کر ان صاحب نے دروازے کا پٹ سیدھا کر دیا۔ جس پر لکھا تھا.....

"اسمبلی ہال۔"

(غزل خان..... میٹرو ول)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دور اندیشی

ایک خوش حال تاجر کو کسی معمولی جرم میں دو ہفتہ قید کی سزا یا پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ تاجر نے قید بھگتنے کو ترجیح دی تو ان کا قریبی دوست حیران رہ گیا۔

"جرمانہ کیوں نہیں ادا کر دیتے۔ ایسی بھی کیا کنجوسی؟"

"ارے بھئی! کنجوسی کی بات نہیں ہے۔ دراصل آج ہی میرے باورچی نے چھٹی کر لی ہے۔ گھر پر رہوں گا تو بیوی کے ہاتھ کا کھانا کھانا پڑے گا۔"

تاجر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

(پروین اسلم..... ہجرت کالونی)

جواز

ایک معمولی شکل و صورت کی عورت نے اپنے خوب صورت شوہر سے کہا۔

"تم نے ہر طرف یہ جھوٹی خبر کیوں پھیلا رکھی ہے کہ میں لاکھوں کی جائداد اور کاروبار کی تنہا وارث ہوں۔"

شوہر نے جواب دیا۔ "تم سے شادی کرنے کا کوئی نہ کوئی جواز تو مجھے پیش کرنا ہی تھا۔"

(رقیہ اسماعیل..... لودھراں)

مرد بمقابلہ مرد

ایک شخص اپنے دوست کی عیادت کے لیے اسپتال پہنچا اور اس کے زخمی ہونے کی وجہ پوچھی۔ دوست کراہتے ہوئے بولا۔

"بازار میں ایک آدمی ایک عورت کو مار رہا تھا۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے اسے للکار کر کہا۔

"بزدل آدمی! شرم کرو، مرد ہو تو مرد سے مقابلہ کرو۔"

"پھر کیا ہوا؟" دوست نے پوچھا۔

"کچھ یاد نہیں۔ ہوش میں آیا تو اسپتال میں تھا۔"

زخمی دوست نے کراہ کر جواب دیا۔

(شائستہ جاوید..... ایف بی ایریا)

بکھیڑا

ایک امریکی گوشت کا بیوپاری اسپین پہنچا تو اپنے میزبان کی دعوت پر اس نے سانڈ اور انسان کی لڑائی بھی دیکھی۔ جب آدمی نے سانڈ کو ختم کر کے مقابلہ جیت لیا تو میزبان نے اپنے امریکی مہمان سے پوچھا۔

"دلچسپ تماشا تھا نا..... آپ کو پسند آیا؟"

"ہاں مگر..... اس میں بکھیڑا زیادہ تھا۔ ہمارے ملک میں تو یہ کام مشینوں سے کیا جاتا ہے۔"

امریکی نے سادگی سے جواب دیا۔

(نسرین صلاح الدین..... میٹروول)

"پروا نہیں"

ایک ملک میں بھیک مانگنا سخت جرم تھا۔ پندرہ سال قید بامشقت کی سزا تھی۔ ایک بھکاری نے کسی دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا۔ ایک شخص نے باہر آ کر پوچھا۔

"جی فرمائیے!"

بھکاری نے نظریں جھکاتے ہوئے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"جناب! میں کئی دن سے فاقے میں ہوں۔ آج کا دن بھوک کی حالت میں گزر گیا اور کل بھی....." اس کی زبان اچانک رک گئی۔ اس نے ایک سپاہی کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے تیزی سے گردن اکڑائی اور سینہ تان کر بولا۔

"اور کل بھی اگر مجھے کھانا نہ ملا تو کوئی پروا نہیں۔ میں کل بھی کھائے پیے بغیر رہوں گا اور آئندہ بھی بھوکا رہوں گا۔ میرا حوصلہ اب بھی بلند ہے۔"

(انیقہ انا..... چکوال)

شگفتہ جاہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل،۔

1۔ اس میں اہل خیر و صلاح کے ساتھ محبت رکھنے کی فضیلت کے علاوہ اللہ کے فضل و کرم کا بھی بیان ہے کہ وہ ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے کم مرتبہ لوگوں کو بھی بلند تر درجوں پر فائز کر کے محبوبوں کے ساتھ ملا دے گا۔

2۔ اس میں یہ ترہیب ہے کہ برے اور بدکردار لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق اور محبت نہایت خطرناک ہے کہ کہیں انسان کا حشر ان ہی کے ساتھ نہ ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عمل و اخلاق،

حضرت شعبی بیان کرتے ہیں ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بازار تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نصرانی ایک زرہ بیچ رہا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس زرہ کو پہچان لیا اور فرمایا۔

"یہ میری زرہ ہے۔ چلو میرے اور تمہارے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے گا۔"

ان دنوں مسلمانوں کے قاضی حضرت شریح تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہی انہیں قاضی بنایا تھا۔

"اے شریح! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرو۔"

حضرت شریح نے کہا۔ "اے امیر المومنین! آپ کیا کہتے ہیں؟"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ "یہ زرہ میری ہے۔ کافی عرصہ پہلے یہ کہیں گر گئی تھی۔"

حضرت شریح نے کہا۔ "اے نصرانی! تم کیا کہتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ امیر المومنین غلط کہہ رہے ہیں لیکن یہ زرہ میری ہے۔"

حضرت شریح نے کہا۔ "میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ زرہ اس سے نہیں لی جا سکتی۔ کیونکہ آپ کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ "قاضی شریح نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔"

اس پر نصرانی نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیا والے فیصلے ہیں۔ امیر المومنین اپنے ماتحت قاضی کے پاس آئے اور اس قاضی نے امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کیا۔

اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! یہ زرہ آپ کی ہے۔ آپ کے پیچھے میں چل رہا تھا۔ آپ کے خاکی رنگ کے اونٹ سے گری تھی، جسے میں نے اٹھا لیا تھا۔

اس کے بعد اس نصرانی نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

"جب تم مسلمان ہو ہی گئے ہو تو اب یہ زرہ تمہاری ہی ہے۔"

اور پھر اسے ایک گھوڑا بھی دیا۔

توکل،

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں۔ جب حضرت علیؓ کی زندگی کی آخری رات آئی تو انہیں قرار نہیں تھا۔ (کبھی اندر جاتے کبھی باہر) گھر والوں کو خطرہ محسوس ہوا۔ کہ انہیں کچھ ہو نہ جائے تو انہوں نے آپس میں چپکے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باہر نہیں جانا چاہیے۔ انہوں نے یہ بات ان کی خدمت میں اللہ کا واسطہ دے کر عرض کی۔ انہوں نے فرمایا۔

"ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں کہ جب تک تقدیر کے لکھے ہوئے کا وقت نہ آجائے۔ اس وقت تک وہ ہر بلا اس بندے سے دُور کرتے رہتے ہیں اور جب تقدیر کا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ دونوں فرشتے اس کے اور تقدیر کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔"

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد تشریف لے گئے جہاں انہیں شہید کر دیا گیا۔

غصہ پی جانا،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"کسی بندے نے غصے کے گھونٹ سے زیادہ بہتر گھونٹ دودھ یا شہد کا کبھی نہیں پیا۔"

بُرائی سے روکنا،

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

"کسی جگہ اللہ کی نافرمانی کا کام ہو رہا ہو اور کوئی آدمی اس موقع پر موجود ہو لیکن وہ دل سے اسے بُرا سمجھتا ہو تو وہ ان لوگوں کی طرح شمار ہوگا۔ جو اس نافرمانی کے موقع پر موجود نہیں ہیں۔ اور جو نافرمانی کے موقع پر موجود تو نہ ہو لیکن وہ اس نافرمانی پر دل سے راضی ہو تو وہ ان لوگوں کی طرح ہوگا جو اس نافرمانی کے موقع پر موجود ہیں۔"

گوشہ نشینی،

حضرت قاسمؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

"آپ مجھے کچھ وصیت فرمادیں"۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا۔

"تم اپنے گھر میں رہا کرو (باہر نہ جایا کرو) اور اپنی زبان کو (لایعنی اور بے کار باتوں سے) روک کر رکھا کرو اور اپنی خطاؤں یاد کر کے رویا کرو۔"

حضرت اسماعیل بن ابی خالدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے بیٹے حضرت ابو عبیدہ کو تین وصیتیں کیں۔

"میں تمہیں اللہ سے ڈرتے کی وصیت کرتا ہوں اور تم اپنے گھر میں ہی رہا کرو اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔"

حضرت عمرؓ کے قول،

- فتح و شکست کا دارومدار فوج کی کمی بیشی پر نہیں ہوتا۔ اللہ کی مدد پر ہوتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ زمین کے ان حاکموں سے رضامند ہوتا ہے جن کے نفس اُن کے قابو میں ہوں۔
- علم عمر کی کمی یا زیادتی پر منحصر نہیں ہوتا۔

زوبار یہ خالد۔ لاہور

انمول موتی،

- جو نہیں ہے اس کا غم نہ کریں بلکہ جو ہے اس پر قناعت کریں۔
- کبھی کسی سے توقعات نہ رکھیں بلکہ جو آپ سے بن پڑے وہی کریں۔
- دُنیا تمہیں اس وقت تک نہیں ہرا سکتی جب تک تم خود نہ ہار جاؤ۔
- اگر کسی نے تمہاری راہ میں کانٹے بچھائے ہیں تو تم ان کانٹوں کو ہٹا دو کیونکہ اگر تم بھی جواب میں کانٹے بچھاؤ گے تو دُنیا کانٹوں سے بھر جائے گی۔

رقیہ اسماعیل۔ یزمان

سلام کرنا،

حضرت طفیل بن ابی کعب کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا کرتا۔ وہ میرے ساتھ بازار جاتے۔ جب ہم بازار جاتے تو حضرت عبداللہ کا جس کباڑیے پر، بیچنے والے پر، جس مسکین پر، عرض یہ کہ جس مسلمان پر گزر ہوتا، اسے سلام کرتے۔ ایک دن

میں ان کی خدمت میں گیا تو وہ مجھے اپنے ساتھ بازار لے گئے۔ میں نے کہا۔

"آپ بازار کس لیے آتے ہیں۔ نہ تو آپ کسی بیچنے والے کے پاس رُکتے ہیں اور نہ کسی سامان کے بارے میں پوچھتے ہیں اور نہ قیمت معلوم کرتے ہیں اور نہ بازار کی کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ آئیے۔ ہم یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ دیر باتیں کرتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ نے فرمایا "اے پیٹو! (میرا پیٹ بڑا تھا) ہم تو سلام کی وجہ سے بازار آتے ہیں لہٰذا جو ملتا جائے۔ اسے سلام کرتے جاؤ۔" ایک روایت میں یہ ہے کہ ہم تو سلام کی وجہ سے بازار آتے ہیں۔ اس لیے ہمیں جو ملے گا۔ ہم اسے سلام کریں گے۔"

حاصلِ مطالعہ،

اگر آپ کوئی نظریہ رکھتے ہیں تو اس کے اظہار میں اس لیے تامل نہ کیجیے کہ وہ بظاہر احمقانہ معلوم ہوتا ہے۔ بیشتر نظریات جو آج کل تسلیم کیے جا چکے ہیں۔ انہیں کسی زمانے میں احمقانہ تصور کیا جاتا ہے۔

طاہرہ ملک۔ پسرور

موتی مالا،

- محبت چہروں سے نہیں، دلوں سے، روحوں سے کی جاتی ہے۔ چہرے روپ بدل سکتے ہیں۔ چہرے ایک جیسے ہو سکتے ہیں لیکن روحیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔
- تم جسے چاہو، وہ تمہاری پروا نہیں کرتا اور جو تم پر جان دے اس کے لیے تم کشش محسوس نہیں کرتے۔
- عشق تو دُوریوں کے جزدان میں لپٹا اچھا لگتا ہے ملتا ہے تو دُکھ بن جاتا ہے۔ تبھی تو اللہ نے ہیر کو رانجھے سے، سوہنی کو مہینوال سے اور سسی کو پنوں سے نہیں ملایا۔
- ہاں ایسا ہوتا ہے کسی شخص ایک شخص کے چلے جانے سے شہر کے شہر ویران ہو جاتے ہیں اور کسی ایک کو پا لینے سے دو جہاں مل جاتے ہیں۔
- جب بڑی خواہشیں پوری نہ ہوں تو پوری نہ ہونے والی چھوٹی چھوٹی تمنائیں بھی حسرت بن جاتی ہیں۔
- ہر خوشی ایمیلس کے فوارے کی مانند ہے جس کا پانی حکایت کے مطابق محفوظ نہیں کیا جا سکتا ہے سو ہر ملے کو اپنے ساتھ وہ تمام خوشیاں لے جانے دو، جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔

ارم کمال۔ فیصل آباد

خلیل جبران نے کہا،

- ان افکار کو جن کو تم نے قول کے ذریعے مقید کر رکھا ہے، عمل کے ذریعے آزاد کر لو۔
- جب تمہارا دل آتش فشاں ہے تو تم کو یہ توقع کیوں ہے کہ تمہارے ہاتھوں میں پھول کھلیں۔
- غار میں اُگنے والا درخت پھل نہیں دیتا۔
- جو زخم تمہیں دوسروں نے دیے ہیں، انہیں بھول جاؤ مگر جو زخم تم نے دوسروں کو دیے ہیں، انہیں یاد رکھو۔

اقراء عائشہ۔ گوجرہ

دُشوار امر،

ذات کے تمام عناصر میں مایوسی سے زیادہ تلخ عنصر کوئی نہیں۔ زندگی میں اس سے زیادہ کوئی دُشوار امر نہیں ہے کہ اپنی ذات سے کہا جائے۔

"تم شکست کھا چکے ہو۔"

مقدس ظہور۔ فیصل آباد

عقل اور ہم،

ہمیں ہر اس چیز سے محبت کرنی چاہیے جو محبت کرنے کے لائق ہو اور ہر اس چیز سے نفرت کرنی چاہیے جو نفرت کرنے کے لائق ہو۔ لیکن یہ اسی صورت ممکن ہے جب ہمارے پاس دونوں میں فرق کرنے اور دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے عقل کی دولت اور علم کی روشنی ہو۔

زبیدہ بیگ۔ جناح یونیورسٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

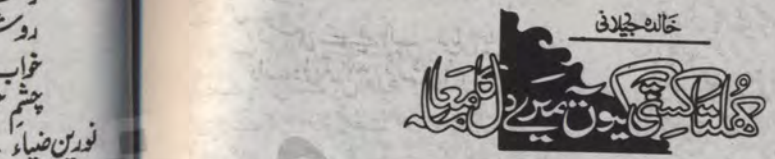

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

خالدہ جیلانی

سحرش خان بھٹو ــــــ لاڑکانہ
خواب پلکوں پہ سجا کر نہ نکلنا باہر
یہاں پتھر اچھلتے سر بازار بہت ہیں
سحرش کبھی روٹھ جائیں تو منانے میں صدیاں لگیں
سنا ہے اہل محبت خوار بہت ہیں

آمنہ اُجالا ــــــ ڈہرکی
سبھی لوگ تو کبھی بھی اچھے نہیں رہتے
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے
اعتبار کی ٹوٹی دہلیز پر اکثر
جو بہت ہوں اپنے، اپنے نہیں رہتے

نائلہ، شمائلہ ــــــ چونیاں
ہم میں سو عیب ہوں گے پر اک خوبی ہے فراز
ہم رستے میں کسی کو تنہا چھوڑا نہیں کرتے

عالیہ بتول ــــــ حویلی بہادر شاہ
میں خود غرض نہیں میرے آنسوؤں کو پرکھ کے دیکھ
فکرِ چمن ہے مجھے، غمِ آشیاں نہیں

عابدہ نثار ــــــ کراچی
کر رہے تھے تذکرہ کچھ اپنی وفاؤں کا
ہمیں دیکھتے ہی بات کا موضوع بدل گئے

عروسہ شہوار ــــــ کالا گوجراں
دمک رہے ہیں میرے حرف لب پہ آئے بغیر
سمجھ رہا ہے وہ باتیں میری بتائے بغیر
یہ دو چراغ ہیں اور ایک لو سے روشن ہیں
دیا جلا نہیں کرتا لہو جلائے بغیر

صومیہ نذیر ــــــ ہری پور
جس شام برستے ہیں تیری یاد کے بادل
اس شب کوئی ہجر کا تارا نہیں ہوتا
یونہی میرے پہلو میں چلا آتا ہے اکثر
وہ درد جسے ہم نے پکارا نہیں ہوتا

ملیحہ صدیقی ــــــ کراچی
اب اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں
دوستی کا دعوا کیا عاشقی سے کیا مطلب
میں ترے فقیروں میں، میں ترے غلاموں میں

حنا سلیم اعوان ــــــ آخون بانڈی
بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی
شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

سونیا رمانی ــــــ قاضیاں محلہ بالا
آنکھ ڈھونڈے گی مگر اس کو نہ پلٹے گی کہیں
وہ ان ہی گلیوں میں اک دن لاپتہ ہو جائے گا

طاہرہ ملک ــــــ پسرور
فاصلے پیار کی پہچان ہوا کرتے ہیں
نہ جانے کیوں لوگ پریشان ہوا کرتے ہیں
یہ حقیقت ہے کہ جہاں ٹوٹ کے چاہا جائے
وہاں بچھڑنے کے امکان ہوا کرتے ہیں

آمنہ اُجالا ــــــ ڈہرکی
اسی سے جان گیا میں کہ بخت ڈھلنے لگے
میں تھک کے چھاؤں میں بیٹھا تو پیڑ جلنے لگے
میں دے رہا تھا سہارے تو اک ہجوم میں تھا
جو گر پڑا تو سب ہی راستہ بدلنے لگے

نمرہ، اقراء ــــــ کراچی
رہزن ہو تو حاضر ہے متاعِ دل و جاں بھی
رہبر ہو تو منزل کا پتا کیوں نہیں دیتے
کیا بیت گئی اب کے فراز اہلِ چمن پر
یارانِ قفس مجھ کو صدا کیوں نہیں دیتے

اقراء محمد اشرف ــــــ حافظ آباد
راستہ پُر خطر اور اندھیرے کا ڈر
روشنی کے لیے اک دیا چاہیے
خواب دل تو نہیں ٹوٹ جاتیں تو کیا
چشمِ حیراں تجھے سوچنا چاہیے

نورین ضیاء ــــــ ساروکی گجرات
خواب جب آئینہ دکھاتے ہیں
ان گنت لوگ یاد آتے ہیں
تشنگی دل میں ہو محبت کی
لوگ دریا سے لوٹ جاتے ہیں

انیلا ــــــ ڈہرکی
نہیں ہے سود مگر رنجش زیاں بھی نہیں
جو عمر گزری ہے کچھ ایسی رائیگاں بھی نہیں

زنیرہ ــــــ جھنگ
عشق میں خواہ سند بن جائے
کوئی نہیں ہے کامل پھر بھی
سب کچھ امجد مل بھی جائے
کیا ہوتا ہے حاصل پھر بھی

ارم کمال ــــــ فیصل آباد
خموشیوں میں بھی رکھنا ہے شعلگی کا سماں
کہ اس کی آنکھ کا لہجہ خطاب ٹھہرا ہے
وہ درد جس کو کیا مدتوں نظر انداز
کتابِ دل کا وہی خاص باب ٹھہرا ہے

انیقہ انا ــــــ چکوال
دیکھنا یہ حبس کا عالم رہا تو ایک دن
اک بگولا آئے گا سب کچھ اڑا لے جائے گا
مدعی رہ جائیں گے فریاد کرتے قتل پر
اور قاتل مسکراتا خوں بہا لے جائے گا

اقراء، عائشہ ــــــ گوجرہ
شمع طلب بجھ کے بھی جاگے تمام رات
ہم آج انتظار کی حد سے گزر گئے

عفیرا، صبیحہ ــــــ گاؤں چھو کر خورد
کچھ سوچ کر ہی بنا تھا موجِ دریا کا حریف
ورنہ مجھے بھی پتا تھا عافیت ساحل میں ہے

سندھو اجن ــــــ سانگھڑ
نئے منظر سجانا چاہتی ہوں
میں خود کو آزمانا چاہتی ہوں
میرے ہونٹوں پہ اک حرفِ دعا ہے
اب اس کا فیض پانا چاہتی ہوں

ثمینہ طاہر بٹ ــــــ لاہور
سفر میں ریت کے ٹیلوں پہ مت بھروسا کر
کہ یہ نشان تو اکثر بدلتے رہتے ہیں
مشیت اس کی نہیں ہے کسی کی بھی محتاج
ستارے کب یہ مقدر بدلتے رہتے ہیں

طاہرہ ملک ــــــ پسرور
ہے تعلق تو ایک سادہ لفظ
پھر جو بھی ہے وہ تباہ میں ہے
ہم کسی تیسرے کی منزل ہیں
دل کسی دوسرے کی راہ میں ہے

حنا کنول ــــــ حویلی لکھا
اس کی یہ ضد ہے کہ پتھر پھینکے
اور پھر جھیل میں ہلچل بھی نہ ہو
دولتِ عشق خدا سب کو ہی دے
کوئی میری طرح پاگل بھی نہ ہو

شیبا گل ــــــ کراچی
ایک خوشبو کے روٹھ جانے سے
کچھ بھی باقی جہان میں نہ رہا
کون سے موڑ! اور کیا کردار
تو ہی جب داستان میں نہ رہا

عمارہ منیر ــــــ گوجرانوالہ
دو نیم کر گئی کیوں دل کو گفتگو اس کی
وہ جس کے دستِ ہنر میں گلاب دیکھے تھے

مقدس رباب ــــــ چکوال
بدلا ہے کتنی بار میرے دل نے فیصلہ
روکوں اسے، پکاروں، کہوں کچھ مگر نہیں
میں کس کے آگے جا کے رکھوں دل کا سلسلہ
ہمدم نہیں، رفیق نہیں، چارہ گر نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رضیہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔ 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔
اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت، عافیت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔
رب کریم آپ کو، ہم کو، ہمارے پیارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور جو لوگ پاکستان کے خلاف سازشیں کررہے ہیں، ان کو ان کے ناپاک ارادوں کو ہمیشہ ناکام و نامراد رکھے۔ آمین

پہلا خط چکوال سے انیقہ انا کا ہے لکھتی ہیں

آپ نے انیلا قیصر کو لکھا کہ ڈھائی سال پرانی کہانی کے بارے میں کچھ بتانا مشکل ہے۔ تو جناب میں نے تو دل ہی تھام لیا اور دل میں جو موہوم سی امید تھی کہ شاید کبھی آپ پرانی فائلیں نکالیں اور کسی ایک آدھ تحریر پر آپ کی نظر کرم ہو اور آپ نوک پلک سنوار کر شائع کردیں (آپ ہی نے کہا تھا نا آپی! کہ نوک پلک سنوار کر......) شاید کہ آپ کو یاد ہو نہ ہو۔ مجھے سب یاد ہے ذرا ذرا..... اب جب آپ نے اسے وہ جواب دیا تو..... (بڑے دکھی دل سے) میں نے اپنی تمام تحاریر پر فاتحہ پڑھ لی۔
بہرکیف..... اب دل کہہ رہا ہے!
آنکھیں سلامت تو خواب بہت.....
نمرہ نے باقی تحاریر کی طرح اب بھی اپنا معیار برقرار رکھا اور ایک خوب صورت ناول لکھا۔ بہارے، اس ناول میں کتنے برس کی ہوگی؟
"ابن آدم" صائمہ کا گزشتہ ماہ شائع ہوا ناول، مجھے خوب گلے تھے صائمہ سے، لیکن مذکورہ ناول پڑھ کر تو سارے گلے، سمندر کے جھاگ کی طرح غائب ہوگئے۔ بہت بہت اچھا لکھا۔ کئی کئی جملوں پر تو دل فدا ہوگیا۔ جیسے "ہم وہ دیکھتے ہیں جو ہمارا دل ہمیں دکھانا چاہتا ہے۔" واہ.....!
عائشہ نصیر نے پرانے موضوع کو بھی نہایت خوب صورتی سے تحریر کیا۔ زین کا کردار بہت پسند آیا۔
فرحانہ ناز، ایک طویل مدت کے بعد جلوہ گر ہوئیں اور ایک خوب صورت سے ناول سمیت واہ.....!
فائزہ نے شکر ہے اپنے قارئین کو نوازا تو سہی..... رومان کا کردار اور اس کے لیے "پرا" کی اصطلاح خوب مزے کی لگی۔ ویسے اس بار فائزہ نے خوابوں کا یہ شہر کس دیس میں بسایا ہے؟ باقی ییشا کا ماضی، بہت پراسرار سا ہے۔ اس کے علاوہ فی الحال تو کہانی اچھی جارہی ہے۔

پیاری انیقہ! آپ کا خط پڑھ کر حیرت ہوئی، آپ نے جب بھی خط لکھا۔ ہم نے شامل کیا، پچھلے ماہ بھی آپ کا خط شامل تھا۔ انیقہ! آپ نے ایک خوب صورت جملہ لکھ کر گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا۔
آنکھیں سلامت تو خواب بہت۔
آپ ہمیں نئی کہانیاں لکھ کر بھجوائیں اس بار آپ سے بالکل پکا وعدہ ہے، آپ کی تحریریں موصول ہوتے ہی فوراً پڑھیں گے اور نوک پلک سنوار کر شائع کرنے میں پہلے کی طرح تاخیر نہیں ہوگی۔ اپنا فون نمبر ضرور لکھیے گا تاکہ آپ سے رابطہ کرسکیں۔
نمرہ کے ناول میں بہارے کی عمر 9 سال ہے۔

صالحہ اور اقصیٰ نے میرپور آزاد کشمیر سے لکھا ہے

آپ ہمارے خط تو شائع کرتی ہیں لیکن اس میں سے ساری لائنیں کاٹ کر صرف چند لائنیں شامل کردیتی ہیں۔ آمنہ ریاض کو نہ پاکر بہت مایوسی ہوئی لیکن جب ان کی بیٹی کی خبر پڑھی تو دل سے بے ساختہ دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی بیٹی کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ "دیوار شب" بڑی خوب صورتی سے اختتامی مراحل پر رواں دواں ہے "جنت کے پتے" میں پاشا نے حیا کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا، یہ جان کر حیرت ہوئی لیکن حیا کی شادی اگر میجر احمد سے کردی جائے تو؟ ابن آدم بھی اچھا ناول تھا۔ لیکن ارفع کو خضر کے بجائے کسی اور سے شادی کرنی چاہیے تھی تاکہ خضر کو اپنے فیصلے پر پچھتانا پڑتا، عائشہ نصیر کا ناول بھی اچھا تھا "علینہ اور میں" بھی اچھا تھا، لیکن اسد کے گھر والوں کو اسد سے تو بات کرنی چاہیے تھی، بشریٰ احمد کا افسانہ حقیقت پر مبنی تھا۔ صبا اسلام کا افسانہ ہمارے معاشرے کا اک کڑوا سچ تھا۔ باقی دونوں افسانے بھی ٹھیک تھے۔ رخسانہ نگار کب آئیں گی۔ چائلڈ آرٹسٹ کا بھی انٹرویو شائع کیا کریں۔

صالحہ اور اقصیٰ! ہم چاہتے ہیں قارئین شعاع کی تحریروں پر تفصیلی تبصرہ کریں تاکہ ہم ان کی رائے سے آگاہ ہوسکیں مگر ہم ان کے خط پورے شائع نہیں کرپاتے اور مختصر کرکے شائع کرتے ہیں۔ اچھی بہن یہ ہماری مجبوری ہے کیونکہ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ قارئین کے خط شامل ہوں اگر ہم پورا خط شائع کریں تو پھر چند ہی خطوط شامل ہوسکیں گے اور دیگر قارئین کو شکایت ہوگی۔ رخسانہ نگار کی تحریر آپ جلد پڑھ سکیں گی۔ انٹرویو کے لیے شاہین تک فرمائش پہنچائی جارہی ہے۔

مسز شمیم امجد نے گاؤں پنڈ گجراں تحصیل و ضلع ہری پور سے لکھا ہے

سب سے پہلے بات کروں گی "جنت کے پتے" کی نمرہ احمد واہ میں آپ کی کیا تعریف کروں۔ شروع کی دو تین اقساط میں تو مجھے یہ لگا یہ ناول تو صرف گلیمرس ہے لیکن اس قسط میں واضح ہوگیا کہ نمرہ احمد کوئی ایسا ناول نہیں لکھتیں۔ جس میں اصلاح نہ ہو چہرے کا حجاب "واجب یا مستحب؟" اتنے واضح الفاظ میں تفصیل سے بتایا کہ کسی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں رہی اور آپ نے جو گھر بیٹھے ترکی کی سیر کروائی اس کے لیے بھی شکریہ۔
"دیوار شب" عالیہ بخاری نے زیادہ لمبا کردیا ہے۔ مجھے اس ناول میں آپا گل کا کردار بہت ہی عجیب لگتا ہے کیا کوئی شادی شدہ بیٹی اتنی خود غرض ہوسکتی ہے "اک نئی سنڈریلا" میں ییشا نے زینی کو خوب اپنی انگلیوں پہ نچا رکھا ہے۔ رومان نے جو مائر کو تھالی کا بینگن کہا ہے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ صائمہ اکرم کے ابن آدم میں اگر میں ارفع عزیز کی جگہ ہوتی تو اپنی زندگی خوار کرلیتی ساری زندگی جدائی کا زخم سہتی لیکن دوبارہ خضر حیات کی زندگی میں کبھی نہ جاتی۔ یہ کوئی تک بنتی ہے کیا ہم لڑکیاں اتنی ارزاں ہوتی ہیں جب جی چاہا اپنا لیا جب جی چاہا دھتکار دیا۔ بشریٰ احمد کا افسانہ بہت اچھا تھا یہی تو فرق ہے پہلے کی زندگی اور شادی شدہ زندگی میں تبدیلی صرف لڑکیوں کی زندگی میں آتی ہے لڑکوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شمیم! دنیا میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو لوگ خود غرض اور بدفطرت ہوتے ہیں، وہ کسی کے نہیں ہوتے۔ آپا گل اپنی بہن کے لیے ہی خود غرض نہیں ماں کے ساتھ بھی ان کا رویہ ایسا ہے۔ سسرال والوں کی برائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں اور زندگی میں کبھی کوئی موقع آیا تو شوہر اور اولاد کے ساتھ بھی اسی خود غرضی اور بدفطرتی کا مظاہرہ کریں گی۔ آپ تھوڑا سا غور کریں تو آپ کو ایسے کردار اپنے اردگرد بھی نظر آئیں گے۔
صائمہ اکرم کے ناول کو آپ سمجھ نہیں پائیں، ارفع

اعتذار

عالیہ بخاری علالت کی وجہ سے "دیوار شب" کی قسط نہ لکھ سکیں۔ اس ماہ ان کے ناول کی قسط شامل اشاعت نہیں ہے۔ آئندہ ماہ آپ ان کی قسط پڑھ سکیں گی۔ ان شاءاللہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عزیز نے اسے خضر حیات کا نہیں قدرت کا فیصلہ سمجھ کر قبول کیا تھا۔ اسے خضر حیات سے محبت تھی، جب زندگی نے اسے ایک بار پھر اپنی محبت کو پانے کا موقع دیا تو وہ انکار کر کے کفران نعمت کیوں کرتی۔
صرف انا کی خاطر زندگی تباہ کرنا تو دانش مندی نہیں ہے۔

صائمہ ریاض چکوال سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

اکتوبر کا پورا شمارہ زبردست تھا۔ سب سے پہلے نمرہ احمد کا ناول "جنت کے پتے" پڑھا۔ پردے کے بارے میں بہت اچھا لکھا تھا کہ واقعی قیامت کے دن جب ہم چھوٹی چھوٹی نیکیاں ڈھونڈ رہے ہوں گے تو ہم واقعی سوچیں گے کہ ہم یہ نیکی کر لیتے تو کیا تھا۔ میرا ساجن بھی اچھی تحریر تھی۔ زین اور ہادی کی باتیں کافی دلچسپ اور مزاحیہ تھیں اور تعبیر کا کردار بھی بہت اچھا تھا۔ "علینہ اور میں" بھی اچھی تحریر تھی۔ افسانے سارے ہی زبردست تھے۔ بساط بھی اچھی تحریر تھی۔ مگر سب سے اچھی بشریٰ احمد کی پھر یوں ہوا اور بات تو سچ ہے تھی۔ "بات تو سچ ہے" میں کاش طیبہ کی ماں ہمت کرتی تو اسے دار الامان جانے کا فیصلہ نہیں کرنا پڑتا۔ "ایک ہی زندگی" بھی اچھی تحریر تھی۔ آفاق کا کردار اچھا تھا۔ لیکن آفاق کی ماں کا رویہ کچھ عجیب لگا بھلا اس سب میں آفاق کا کیا قصور؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں بھی بہت اچھا سلسلہ ہے۔ بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ فائزہ افتخار کا "اک نئی سنڈریلا" ٹی وی پہ دیکھ کر اچھا لگا۔ بیشا کی حرکتیں نہایت دلچسپ ہیں۔ ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔
پیاری صائمہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

صبور شریف ضلع گجرات سے علی گولڑوی نے لکھا ہے

آپ کے رسالہ میں کچھ تصحیح مطلوب تھی (شعاع اکتوبر 2012ء کے "شاعری سچ بولتی ہے" میں محترمہ کرن شبیر صاحبہ نے یہ شعر نصیر ترابی صاحب کا لکھا ہے جو کہ ان کا نہیں بلکہ یہ شعر "حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی" کا ہے۔

جو ہو فیصلہ وہ سنائیے اسے حشر پر نہ اٹھائیے
جو کریں گے آپ ستم وہاں' وہ ابھی سہی وہ یہیں سہی

یہ شعر پیر صاحب کے مجموعہ کلام "پیمان شب" میں سے ہے۔ پوری غزل لکھ کر آپ کو بھیج رہا ہوں۔
علی صاحب! بہت شکریہ۔ آپ نے ہماری غلطی کی نشان دہی کی اور ہمیں پوری غزل بھجوائی۔ غلطی کی تصحیح کی جا رہی ہے اور پوری غزل بھی شامل اشاعت ہے۔

مسز عاشق علی نار یجو نے مکلی سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سارا کا سارا شعاع ہی لاجواب تھا۔ میں آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں میرا نام نور ہے اور میں میٹرک پاس ہوں۔ مجھے اردو بالکل بھی لکھنا نہیں آتی تھی۔ لیکن آپ کے رسالے پڑھنے کے بعد تھوڑا بہت لکھ لیتی ہوں۔ آپ شاید یقین نہ کریں۔ لیکن جب میں اسکول پڑھنے جاتی تھی' اس وقت میرے ساتھ ہمارے گاؤں کی تین لڑکیاں اور ہوتی تھیں۔ اب تو اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ سب اپنی لڑکیوں کو پڑھنے بھیجتے ہیں۔ لیکن میں آگے نہ پڑھ سکی۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔
بھائی نے کہا کہ کوئی بھی ہمارے خاندان کی لڑکی نہیں پڑھی ہم نے دس پڑھی ہیں وہ بھی بہت ہیں۔ میں بہت روئی تھی۔ آپ سمجھ رہے ہیں میں کوئی 20-25 سال پہلے کی بات کر رہی ہوں تو ایسا بالکل' بھی نہیں ہے۔ میری عمر 25 سال ہے اور میری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں میرے دو پیارے بچے بھی ہیں۔ آپ کے رسالے صرف میں نہیں پڑھتی بلکہ میری چھوٹی بہنیں ناہید۔ نغمہ' نائلہ بھی بہت شوق سے سنتی ہیں۔ میرے شوہر جب بھی کراچی جاتے ہیں تو میں ان سے پرانے ڈائجسٹ بھی منگواتی ہوں مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق نہیں بلکہ ان سے عشق ہے جنون ہے۔
پیاری نور! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہماری دیہی علاقوں میں جہاں لڑکیوں کے لیے نہ تو اسکول ہیں اور نہ ہی انہیں پڑھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ آپ کے بھائی قابل قدر ہیں کہ انہوں نے اس ماحول میں آپ کو میٹرک تک تعلیم دلائی۔ آگے آپ — تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکیں۔ اس کا افسوس نہ کریں۔ تعلیم صرف ڈگری حاصل کرنے کا نام نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج بڑے بڑے اعلا ڈگری یافتہ لوگوں کے ذہن ایام جاہلیت کی طرح مختلف تعصبات میں نہ جکڑے ہوتے۔ آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق ہے تو آپ گھر بیٹھے بھی یہ سلسلہ جاری رکھ سکتی ہیں۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ انسان کے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ ذہن کو روشن کرتا ہے۔
یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو ایسے شریک حیات ملے ہیں جو آپ کے شوق کا خیال رکھتے ہیں اور آپ کو ہر ماہ رسالے لا کر دیتے ہیں۔ آپ ہماری جانب سے ان کا شکریہ ادا کر دیں۔
آپ نے لکھا ہے کہ آپ کی اردو اچھی نہیں ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کی اردو بہت اچھی ہے۔ اب ہمیں ہر ماہ باقاعدگی سے خط لکھتی رہیے گا۔ ایک ضروری بات آپ نے لکھا ہے آپ کی بہنیں سنتی ہیں۔ کیا وہ پڑھنا نہیں جانتیں؟

ثوبیہ' صوفیہ' سمیعہ' سدرہ اور صفیہ نے سعادت پور سرائے عالم گیر سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

ٹائٹل ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ وائٹ فراک بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ پیارے نبی کی پیاری باتوں سے فیض یاب ہو کر سیدھے پہنچے "جنت کے پتے" تک۔ بہت خوب صورت موضوع' بہت خوب صورت فقرے' جملے' بہت خوب صورت منظر نگاری ہر چیز لاجواب لیکن حیا سے ہمیں ایک شکایت ہے کہ وہ جہان کو معافی کا ایک موقع تو دیتی۔ لیکن خیر اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں نمرہ کا اتنا خوب صورت لکھنا واقعی حیرت انگیز ہے۔
"اک نئی سنڈریلا" کی فائزہ کی تعریف کرنا تو سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔
جس کہانی نے خط لکھنے پر مجبور کیا وہ ہے "ابن آدم" صائمہ اکرم چوہدری نے زبردست لکھا۔ یہ ناول رسالے کی جان تھا۔ موضوع بھی مختلف تھا۔ لیکن اتنا اچھا ناول لکھتے ہوئے صائمہ نے ایک غلطی کی وہ یہ ہے کہ معید اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لیکن صائمہ نے 3'2 جگہ معید کے ساتھ نا مناسب الفاظ استعمال کیے ہیں' ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا' ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔
سب سے مزے کا ناولٹ "علینہ اور میں" زبردست فرحانہ کے جملوں کی برجستگی بہت اچھی لگی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ عائشہ نصیر نے بھی اچھا لکھا کیا یہ نئی رائٹر ہیں۔ اس کے علاوہ تو سارے ہی سلسلے زبردست تھے۔

ستمبر کے شعاع میں شازیہ قیصر نے خط لکھا تھا نزوال شریف سے تو ان سے میں یہ پوچھنا چاہوں کہ شازیہ آپ واقعی نزوال سے ہیں یا نزیال سے کیونکہ نزوال میرا ننھیالی گاؤں ہے اس لحاظ سے میں پورے گاؤں کو جانتی ہوں لیکن آپ کا نام پہلی دفعہ سنا ہے۔
شاہین آپی سے ایک ریکوئسٹ ہے کہ آپ جیو نیوز کے شو "خبرناک کے اینکر" آفتاب اقبال کا تفصیلی انٹرویو شائع کریں پلیز ود فیملی۔
اور آخر میں راحت آپی' فاخرہ آپی' نایاب جیلانی' نبیلہ عزیز' مریم عزیز' نبیلہ ابر راجہ' ام مریم سب کہاں غائب ہیں پلیز تشریف کے ٹوکرے لے آئیں۔ ثمینہ عظمت' انیسہ سلیم اور تمام رائٹرز جن کی وجہ سے شعاع مہکتا ہے' یہ شعاع کے پھول کدھر غائب ہو گئے ہیں۔
ثوبیہ' صوفیہ' سمیعہ' سدرہ اور صفیہ! آپ سب بہنوں کو شعاع کی بزم میں خوش آمدید اور دعائیں۔ اللہ

سانحہ ارتحال

معروف نعت خواں اور حبیب آئل ملز کی مینجر پرموشن محترمہ تابندہ لاری کی والدہ گزشتہ روز قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ خواتین ڈائجسٹ ان کی ناگہانی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلا مقام اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

نام کے سلسلے میں آپ نے ہماری غلطی کی نشان دہی کی۔ بہت شکریہ۔ آئندہ خیال رکھیں گے۔ مصنفین سے بھی درخواست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام جو اسماء الحسنیٰ کہلاتے ہیں۔ اپنی تحریروں میں استعمال نہ کریں۔

عائشہ نصیر احمد نئی رائٹرز ہیں۔ لیکن ان کی صلاحیت دیکھ کر لگتا ہے کہ بہت جلد ان کا شمار بہت اچھی رائٹرز میں ہوگا۔

عدیلہ شہزاد نے لیہ سے لکھا ہے

زندگی نے کئی رخ پلٹے، یہ ڈائجسٹ ہمیشہ ایک اچھے استاد کا کردار ادا کرتے رہے۔ یہیں سے میں نے زندگی کو سمجھنے اور رشتوں کو برتنے کا فن سیکھا۔ "جنت کے پتے" شاندار طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے امید ہے نمرہ جی حیا سلیمان اور جہان سکندر کے ساتھ برا نہیں کریں گی۔ اب کچھ اپنے گاؤں کے بارے میں بتاؤں گی۔ ضلع لیہ میں (ساؤتھ پنجاب) اردگرد پھیلے چکوں میں سے چک 90 ایم ایل سے میرا تعلق ہے۔ میرے گاؤں میں ہر سہولت موجود ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ گورنمنٹ انگلش میڈیم ہائی اسکولز، دو پرائیویٹ ایک مڈل اور ہائی اسکول اکیڈمیز، گورنمنٹ ویمن ڈگری کالج، ہیلتھ سینٹر، پوسٹ آفس، یوی آفس، ہر طرح کی شاپس ہیں۔ یہی وجہ ہے اس گاؤں کے لوگ شاذ ہی شہروں کی طرف شفٹ ہوئے ہیں۔ بلکہ آئے روز آبادی بڑھ رہی ہے۔ اس گاؤں نے پاک فوج کے شہیدوں میں اپنے جوانوں کا نام بھی لکھوایا ہے۔

پیاری عدیلہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید حیرت ہے۔ اتنے طویل ساتھ کے باوجود آپ نے کبھی خط لکھ کر ہمیں اپنی رائے سے آگاہ نہیں کیا۔ اب باقاعدگی سے خط لکھتی رہیے گا۔

آپ کے گاؤں کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کے گاؤں میں یہ تمام سہولیات مہیا ہیں۔ خصوصاً "جنوبی پنجاب کے گاؤں میں جس کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ ایک پسماندہ علاقہ ہے اور وہاں کے رہنے والے ضروری سہولیات سے محروم ہیں۔

نوشی بٹ جو پہلے علی پور چٹھہ سے لکھتی تھیں اب لاہور سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

گردش ماہ و سال بھی ہماری محبتوں کی راہ میں حائل نہیں ہو سکے۔ جو وار فتگی، جنون پہلے دن تھا سو اب بھی ہے بھلے میکے کی گلیوں سے پیا دیس سدھارے بھی عرصہ ہوا ہے اس ڈرامے کی تین اور مکمل اقساط بھی ہو چکیں

(ابلاغ احمد، ابراہیم احمد اور تلبیہ احمد)

اب شمارہ بہت لیٹ ملتا ہے پہلا گلہ نوٹ فرمالیجیے دوسرا یہ کہ بہت پیاری پیاری سی رائٹرز جن کی تحریروں نے کچھ پڑھنا سکھایا تھا، وہ نہیں ملتیں اگرچہ بہت سی نئی لکھاری جنہیں بھی کسی طرح کم نہیں ہیں آج تو سرفہرست نمرہ احمد ہیں اتنی خوب صورت پر اثر اور دلچسپ انداز میں ایسی گہری باتیں جن کی آج کی جنریشن کو ازحد ضرورت ہے بیان کرتی ہیں عالیہ بخاری نے دل و دماغ میں ساڑھے پانچ سال سے جھگڑ چلا رکھے ہیں خدارا اتنی لمبی تحریریں نہ دیا کریں افسانے سب ہی اچھے ہیں فرحانہ ناز نے ہٹ کر تحریر لکھی ہے اچھی لگی۔ صائمہ اکرم نے ابن آدم کو واقعی لفظوں کے رنگ دیے ہیں اتنی بے ساختہ محبت اور اپنائیت میں اللہ کے حکم کا ماننا بہت اچھا لگا۔

تاریخ کے جھروکوں سے دل جھوم اٹھا اور اک نئی آس جاگی شاید ہمارے ملک میں بھی کوئی ایسا حکمران آجائے جسے اس بات کا احساس ہو کہ اللہ نے جو رتبہ اسے دیا ہے وہ اسے کس طرح نبھا رہا ہے۔

پیاری نوشی! 14 سال کی طویل مدت بعد آپ کے دل میں شعاع میں شرکت کی خواہش جاگی اور آپ نے ہمیں یاد کیا۔ بہت شکریہ۔ زندگی کی مصروفیات اپنی جگہ لیکن اپنوں کے لیے تو وقت نکالنا چاہیے۔ بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے مصروفیات کے باوجود شعاع سے آپ کا تعلق قائم رہا ہے۔ پرانی کچھ رائٹرز تو اب بھی لکھ رہی ہیں یہ اور بات ہے کہ اب پہلے کی طرح باقاعدگی سے نہیں لکھتیں آہستہ آہستہ نئے لوگ بھی جگہ بنا رہے ہیں۔

انٹرویو کے لیے آپ کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔ تھوڑا انتظار کرلیں۔

عطیہ طارق اور صبا طارق نے ڈاہرانوالہ سے لکھا ہے

صائمہ اکرم چوہدری کی "ابن آدم" کا آغاز بہت اچھا تھا۔ لیکن یہ کیا صائمہ جی! آخر میں بالکل وہی پرانی کہانی کہ ارفع بی بی سب کچھ بھول کر خضر حیات کی ہمراہی میں چل دیں۔ کچھ مزا نہیں آیا۔ سدرہ سحر عمران کا افسانہ اچھا لگا۔ صبا اسلام کا "بات تو سچ ہے" اور ثریا انجم کا "ایک ہی زندگی" بھی اچھے تھے۔ ناولٹ "علینہ اور میں" میں علینہ کا نٹ کھٹ سا انداز اچھا لگا۔ "شاعری سچ بولتی ہے" میں کرن شبیر کا انداز اور انتخاب دونوں اچھے لگے۔ "زاویہ" پر آمنہ زریں کا تبصرہ اچھا لگا۔ آمنہ ریاض کو ننھی پری کی آمد پر مبارکباد۔

عطیہ اور صبا! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔ ارفع بی بی کو خضر حیات سے محبت تھی تو ان کے ساتھ ہی جانا چاہیے تھا۔ آپ کو یہ بات کیوں اچھی نہیں لگی؟

فرح مقصود نے فیصل آباد سے لکھا ہے

شعاع میں ہر کہانی بہت زبردست ہوتی ہے نمرہ احمد بہت خوب صورت اور اچھا لکھ رہی ہیں اور سنڈریلا فائزہ افتخار بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ سے درخواست تھی کہانی لکھنے کا اور بھیجنے کا طریقہ بتادیں۔

فرح! صفحہ کے ایک جانب سطر چھوڑ کر لکھیں اور بذریعہ ارجنٹ میل سروس ہمیں بھجوادیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

الفت زہرہ ہراج نے داؤد والا قلمبہ خانیوال سے لکھا ہے

"شعاع کے ساتھ ساتھ" کا سلسلہ مجھے اچھا لگتا ہے پلیز اسے بند نہ کرنا اور اس کے علاوہ افسانوں میں سدرہ سحر کا افسانہ اچھا تھا عالیہ بخاری کا ناول دیوار شب مجھے بہت پسند ہے اور اس وقت بہت مزا آیا جب جویا نے اس الو کی آنکھوں والے منگیتر کو تھپڑ مارا۔ مریم عزیز اور ماہا ملک کہاں ہیں۔ آپی فرحان علی (مشہور نعت خوان) کا انٹرویو شائع کریں۔

الفت شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچارہے ہیں۔

ثانیہ مشعل نے حویلی لکھا، تحصیل دیپالپور، ضلع اوکاڑہ سے لکھا ہے

ٹائٹل بہت اچھا لگا فائزہ افتخار جی! آپ کے قلم سے نکلا ہر لفظ براہ راست دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک بہن نے لکھا تھا کہ "میشا کا کردار اچھا نہیں لگتا ہے" پڑھ کر بہت حیرت ہوئی کیونکہ اس ناول کی جان ہی میشا کا کردار ہے۔

"دیوار شب" پڑھا۔ عالیہ بخاری جی نے آخر کار زرتاج بیگم کی تباہی کا آغاز کر ہی دیا۔ ویل ڈن عالیہ جی!

"ابن آدم" صائمہ اکرم جی نے بڑا ہی زبردست لکھا۔ خوشگوار سا اختتام سب کو خوش کر گیا ہے۔

فرحانہ ناز ملک جی نے بھی اچھا لکھا۔ شائستہ بیگم کی سوچ بھی درست ہی تھی۔ مگر اسد نے واقعی سگا بن کے دکھایا۔ افسانوں میں "پھر یوں ہوا" حقیقت سے قریب تر لگا۔ "بساط دل" کا اختتام غم زدہ کر گیا۔ علی نے جو کہا سچ کر دکھایا۔ باقی سارے سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح بہت ہی زبردست تھے۔

نبیلہ عزیز جی! کرن کو ایسی پیاری ہوئیں کہ ہمیں بھول ہی گئیں اور نایاب جیلانی جی کہاں غائب ہیں؟ پلیز تشریف لائیے نا.....

ثانیہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ قبول کریں۔ نایاب جیلانی کی تحریر آپ جلد ہی پڑھیں گی۔ نبیلہ عزیز بھی شعاع کے لیے ناول لکھ رہی ہیں۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچارہے ہیں۔

رقیہ اسماعیل نے یزمان سے لکھا ہے

مجموعی طور پہ یہ شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح فرسٹ کلاس تھا۔ ٹائٹل پہ ماڈل اور اس کا ڈریس دونوں بہت زبردست لگے۔ "ستارہ شام" کو نہ پا کر مایوسی تو ہوئی لیکن آمنہ ریاض کے قدموں تلے جنت تعمیر ہوئی یہ سن کر بہت خوشی ہوئی مبارکاں "دیوار شب" بھی میری موسٹ فیورٹ تحریر ہے پلیز جویا اور معاذ کو جدامت کیجئے گا۔ نمرہ احمد نام کی طرح منفرد ناول لے کر آتی ہیں "جنت کے پتے" کی اس قسط نے تو ہیپنا ٹائز کر دیا حجاب کے بارے میں، غزوہ خندق کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں عائشے گل کی باتیں، نمرہ جی کیپ اٹ اپ، ہم آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں پلیز۔

پیاری رقیہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

ام برہان نے کراچی سے لکھا ہے

السلام علیکم شاید 95 یا 96 سے آپ کے رسالے شعاع اور خواتین پڑھ رہی ہوں ہمیشہ سوچتی کہ بتاؤں مجھے رخسانہ نگار عدنان کتنی پسند ہیں کہ میں سب کہانیاں چھوڑ کر پہلے انہیں پڑھتی ہوں۔ وہ کہاں غائب ہیں پلیز رخسانہ آپ واپس آجائیں، میری خاطر ہی سہی اور بھی بہت سی بہنیں ہیں جو آپ کو پڑھنا چاہتی ہوں گی مجھے رخسانہ، فائزہ فرحت، نمرہ، آسیہ رزاقی، عمیرہ، سیما بنت عاصم، کاشفہ حسین، قانتہ رابعہ اور بھی سب رائٹرز بہت پسند ہیں اور رخسانہ اور نمرہ تو بہت ہی زیادہ۔

دوسری بات نمرہ کے "مصحف" کی ہے۔ نمرہ آپ نے کیا ہی خوب لکھا کہ سید ھا دل میں اترا اور جب قرآن پاک کی کوئی آیت بطور دلیل بیان کرتیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے کہ یارب ساری زندگی ترجمہ پڑھایا اور پڑھا لیکن اس کا ایسا مطلب تو سوچا ہی نہیں۔ اس پہلو سے تو اس آیت کو سمجھا ہی نہیں یہاں میں ایک چھوٹی سی غلطی کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جس دن محمل کی ماں کا انتقال ہوا اور اس سے پہلے اس نے کلام مجید کو کھولا تو یہ آیت کھلی "ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے" اس آیت میں آزمائش کے لیے کچھ چیزوں کا ذکر تھا اور وہ تھا "خوف" بھوک مال کی کمی جان کی کمی اور پھلوں کی کمی، لکھتے ہوئے نمرہ پھلوں کا ذکر کرنا بھول گئیں بہرحال نمرہ آپ مبارکباد کی مستحق ہیں "مصحف" پر بھی اور اب "جنت کے پتے" پر بھی اور ہاں نمرہ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر کہاں پڑھی ہے کیا ڈاکٹر فرحت ہاشمی کے اداروں سے؟ بہرحال خوش رہیں۔ خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔

ام برہان! شعاع اور خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ رخسانہ نگار عدنان ہمیں بھی بے حد پسند ہیں اور ان کی کمی ہم بھی اسی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ رخسانہ ماں بننے کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ اس لیے اتنا عرصہ نہ لکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش و خرم، صحت مند رکھے اور ان کے فرزند کو دو جہاں کی کامیابیاں اور خوشیاں عطا فرمائے اور وہ ہمارے لیے بہت سارا لکھیں۔

آپ جلد ہی رخسانہ کا ناول شعاع میں پڑھیں گی قرآنی آیات کا ترجمہ شائع کرتے ہوئے ہم پوری احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں اور قرآن پاک سے دیکھ کر نقل کرتے ہیں۔ ممکن ہے نمرہ نے صحیح ترجمہ لکھا ہو لیکن پروف پڑھتے ہوئے سہواً یہ الفاظ رہ گئے ہوں آپ نے ہماری غلطی کی نشان دہی کی۔ بہت شکریہ۔

سندس اسلام نے کراچی سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

میں اے لیول کی طالب علم ہوں اور ڈائجسٹ پڑھ کر ہی میں نے اپنی اردو اس معیار تک پہنچائی ہے۔ شعاع ہاتھ میں آئے تو سب سے پہلے نظر نمرہ احمد کا مکمل ناول "جنت کے پتے" کی طرف بڑھتی ہے۔ ہر قسط نئے موڑ پر ختم ہوتی ہے۔ مجھے جہان کا کردار بہت پسند آیا۔ افسانے اچھے تھے اور سلسلہ وار ناول کے بارے میں میں کہنا چاہوں گی کہ پلیز کہانی کا ٹیمپو تھوڑا تیز کریں۔ فائزہ افتخار نے کمال کا ناول لکھا ہے۔ وہ ہمیشہ مزاح اور مقصدیت ساتھ لے کر چلتی ہیں۔ رومان اور مائرہ دونوں اچھے کردار ہیں اور ہم کسی بھی ایک کے ساتھ ناانصافی نہیں دیکھ سکتے۔

سندس! شعاع کی بزم میں خوش آمدید اور دعائیں۔ کیک کے لیے آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔

☆

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

دستک نہ دو

مصنفہ: الطاف فاطمہ

تبصرہ: آمنہ زریں

تخلیق اپنے خالق کی مظہر ہے!

کہانی بھی تخلیق کی صنف سے تعلق رکھتی ہے اور یہ تخیل کی روح ہے جو الفاظ، مناظر اور کردار کو پڑھنے والے کے لیے مجسم کر دیتی ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ انسان کا اپنی مختصر سی زندگی میں اس کائنات کی بیشتر چیزوں سے صرف لطف اندوز ہونے کا تعلق رہتا ہے سو ایک کہانی بننے والا ذہن، تخلیقی جوہر سے مالا مال ہوتا ہے ..... ہمیں اس کا اعتراف بہرحال کرنا چاہیے۔

ادب میں شامل کچھ بے ادب تحریریں بھی یقیناً تخلیق ہیں مگر ہر تخلیق پسندیدہ ٹھہرے، یہ ممکن نہیں۔

طبقاتی امتیاز ہر دور کی جیتی جاگتی حقیقت رہی ہے۔ اسے قائم رکھنے والے مٹ بھی جائیں، یہ رائج رہتی ہے، مگر حاصل شدہ نعمت کو حق سمجھ کر کم نعمت یافتہ طبقے سے جتلاتا ہوا فاصلہ ... اختیار کرنا معاملے کی نوعیت کو حساس بناتا ہے اور مسئلہ تو کھڑا ہی تب ہوتا ہے، جب ایک دوسرے کی حیثیت اور رائے کا احترام ختم ہو جائے۔

"دستک نہ دو" کا تانا بانا اسی طبقاتی امتیاز سے بنا گیا ہے ..... اور پھر سہج سہج ..... منظر منظر قلم کی صورت گری ہمیں یہ دکھلاتی ہے کہ انسان کا سکون فطری سادگی میں مضمر ہے۔ تصنع اور تکلف کی کثافت سے اظہار پر روک لگ تو جاتی ہے، مگر روح تشنج کا شکار ہو جاتی ہے۔ پھر جسم عارضی خوشیوں اور ظاہری آسروں کی تلاش میں بھٹکتا پھرے ..... تو پھرے، روح لاعلاج رہتی ہے۔

تو الطاف فاطمہ نے نہایت سادگی اور نرم روی سے، اپنے قلم اور کرداروں کے ذریعے یہ بات واضح کر کے قاری تک پہنچا دی کہ کبھی بھی اپنی روح کو مادیت کی دیواروں میں قید کرنے کی غلطی نہ کریں۔ اس کے نتائج یاس، رنج اور شکست خوردگی کے علاوہ کچھ نہیں۔

تو چلیے..... دیکھیے کہانی کا پہلا منظر:

"اس دوپہر پر ہی شام کا گمان ہو رہا تھا۔ وہ جنوری کا سب سے زیادہ کہر آلود دن تھا۔ مالی نے اسی شام کیاریوں کی گوڑائی کی تھی کہ شاید آج برکھا ہو جائے۔ سنہرے سنہرے سرکنڈوں کے سہارے لہلہاتے ہوئے سوئٹ پی کے پودوں میں سفید، آسمانی، اودے اور گلابی پھول اپنے جوبن پر تھے۔ سرد اور دھندلی فضا میں ہر طرف بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ دل کی وضع کی کیاریوں میں نیلے اور بسنتی پھول منہ لٹکائے گہری سوچوں میں غرق نظر آ رہے تھے۔ اندر سے باہر تک خاموشی تھی اور صرف چمنیوں سے بل کھاتا ہوا دھواں نظر آ رہا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی آپ ایک ایسے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جہاں کے مکین خوب صورت ماحول اور خوشحال زندگی سے لطف اندوز تو ہو رہے ہیں مگر مزاجوں کا اختلاف کیوں اور کیسے کا سفر اس طرح طے کرے گا کہ آپ خود کو ان ہی کے ساتھ پائیں گے۔

کہانی کے آغاز کا وقت تقریباً"1930ء کا بنتا ہے، قدیم زمانے میں موجود جدتیں، تمدن، ادب آداب،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اقدار، شادی بیاہ کی رسمیں، کھانے پینے اور لباس کے رجحانات، خاندانی تعلقات کی اہمیت اور نوعیت جاننے کے لیے "دستک نہ دو" ٹائم مشین بن جاتی ہے اور انسانی ذہن کا ایک کمال یہ بھی تو ہے کہ وہ تخیل کی سواری کا شہسوار ہے۔

اس گھر کے سربراہ جہانگیر مرزا ہیں۔ جبکہ اولاد اور خاندانی معاملات کو ہنر سے چلانے والی ان کی بیگم ہیں پہلے ہی منظر میں نمودار ہونے والا صفدر لیوچو، حالات کے جبر کے نتیجے میں، پردیس میں مزدوری کرنے والا چینی مسلم باشندہ ہے، جو چھپری لگا کر اپنے وطن کی بنی ہوئی اشیا فروخت کرتا ہے۔

"اور جب نفاست کے ساتھ ناک بھوں چڑھاتی ہوئی بیگمیں برآمدے میں پڑے ہوئے مونڈھوں پر آ کر بیٹھ جاتیں تو وہ اپنا گٹھڑ کھول کر چینی دست کاری کے بیش بہا نمونے ان کے قدموں میں بکھیر دیتا۔ پلنگ پوش، سلک کے نائٹ سوٹ اور ڈریسنگ گاؤن، میز پوش، ٹی کوزیاں۔ سامان کیا ہوتا، فائن آرٹ کی نمائش ہوتی۔"

"اور جب وہ اپنا گٹھڑ دوبارہ سائیکل پر لادتا تو یہ سوچ کر اس کا دل کڑھ کر رہ جاتا کہ یہ بیگم لوگ اس کی چیزوں کو معمولی اور نکما بتاتی ہیں، ان کو کیا معلوم یہ چیزیں اس کے نزدیک کتنی پیاری اور بے بہا ہیں۔ یہ اس کے ملک کی فاقہ کش عورتوں کی دست کاری ہیں جن کو سخت محنت اور دیدہ ریزی کے بعد بھی شکم سیری نصیب نہیں ہوتی۔"

صولت آرا اس گھر کی بڑی بیٹی ہیں، جن کی شادی کے سلسلے میں صفدر سے خریداری کا سلسلہ جاری ہے۔

طبقاتی امتیاز کو ہر صورت (حکومتی رٹ کی طرح) قائم رکھنے کا ذہنی اور عملی رجحان رکھنے والی اماں بیگم، جن کے خیال میں یہ کنبے ناتے کے لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ ہر وقت ان کو گھسایا جائے۔ وہ دولت کو سب سے بڑی قدر جانتی تھیں..... ہر دکھ کا مداوا..... ہر رنج کی تسکین..... اور مزے کی بات یہ کہ پہلے اس کی خاطر دل توڑو، پھر اس کے سہارے، بلند معیار زندگی کا مرہم لگاتے رہو..... (عجیب!)

خیر! اپنی ذہنی روش کو درست جانتے ہوئے (آمرانہ خصوصیت) انہوں نے اپنی کم عمر، خوب صورت ترین بیٹی کو اس کی مرضی، بلکہ پورے خاندان کی مرضی کے خلاف، عمر رسیدہ کرنل سے بیاہنے میں ذرا بھی ہرج نہ سمجھا۔

وہ صولت آرا، جس کو شادی کا تحفہ دینے کی غرض سے آئے صفدر لیوچو نے دیکھ کر سوچا۔

"جیسے کسی نے مکھن کے تارے چرا کر چاول کے آٹے میں ملا دیے ہوں اور اس کو دودھ سے خوب گوندھ کر یہ دلہن بنائی ہو۔"

مگر وقت نے ثابت کیا کہ دل اپنے روندے جانے کے عمل کو یوں ہی نہیں جانے دیتا، سو صولت آرا بیگم جو شادی سے پہلے خاموش طبع اور مدبر سمجھی جاتی تھیں، جذباتی، نفسیاتی شکست و ریخت کا بری طرح شکار ہوئیں۔ اپنے ردعمل کو منجمد کر کے انہوں نے سمجھا تھا، زندگی کا کیا ہے، جیسے چاہے گزار دو..... مگر زندگی تو اکثر ہماری مرضی کے برخلاف کھڑی ہوئی ملتی ہے۔

لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح سب ہی کرداروں کے ظاہر و باطن تک رسائی، بدلتے ہوئے زمینی حالات کے مطابق منفی یا مثبت ذہنی رجحان کو پڑھنے والے کے فہم تک سہولت سے پہنچانے والے باکمال تخیل اور قلم کو داد دینا، خود اپنے آپ کو لطف پہنچانا ہے۔

یہی صولت اپنی متروک محبت زبیر کی شادی اپنی چچا زاد عصمت سے طے ہونے کی اطلاع پا کر اسے "تیبل جوک" قرار دیتی ہیں اور پھر شادی میں شرکت کا فیصلہ کرتے ہوئے خود کلامی کرتی ہیں۔

"اماں بیگم بھی بس مجھ کو چھوئی موئی ہی سمجھتی رہیں۔ دل نہ ہوا، شیشہ ہو گیا۔ ارے! اب میں وہ کوئی

پہلی سی نا تجربہ کار اور سادہ دل صولت جہانگیر ہوں؟ اماں بیگم! بیگم صولت آصف جاہ ہے، جو اب اپنے فیصلے خود کرتی ہے اور جس کے دل کے جذبات سے خود آصف جاہ تک کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ میری ٹھوکر میں زبیر ایسے دس انسان رہتے ہیں اور کیا مجال آصف جاہ کی جو سانس بھی لے سکے۔ ماڈرن سوسائٹی کا بس ایک یہی تو فائدہ ہے۔"

صولت نے اپنی ماں کے ذہنی رجحان کا ورثہ سنبھال لیا اور اپنی خود مختار روش میں ان سے بہت آگے نکل گئیں۔

اپنے ساتھ ہونے والی زبردستی کو تسلیم کر کے اور اسی تسلیم کو اپنی ذات کے انکار کو جواز بنا کر پہلے بھائی اور پھر بہن کی خوشیوں کا سفاکی اور صفائی سے قتل کیا۔

بے وطنی کے شدید احساس میں گھرا ہوا، وطن، ماں کی یاد کے سوز میں مبتلا، محنت مزدوری کے شب و روز، ایثار اور محبت سے پر دل اور قدیم چین کے اسرار میں لپٹی روح..... صفدر لیوچو۔

صفدر مزدور طبقے کا نمائندہ ہے جو مسائل اور وسائل کی تقسیم کا ادراک رکھتا ہے، مگر اس پر شکوہ کناں نہیں، بلکہ قانع اور مصروف عمل ہے۔ (قوموں کی کامیابی کا راز)

"ارے ہٹاؤ! مجھے کیا معلوم۔ میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ سارے شہر ایک جیسے ہوتے ہیں، چاہے چین کے ہوں، اٹلی کے یا ہندوستان کے۔"

"سچ کہتا ہوں۔" وہ بڑے وثوق سے بولا۔ "بالکل ایک جیسی نک چڑھی اور مغرور بیگمیں، زن مرید مرد، مرگھلے کلرک، توندل اور عیار دکان دار، فاقہ کش، نیم برہنہ مزدور، بھٹکتے ہوئے فقیر، آوارہ کتے اور بچے اور ہسپتالوں میں تڑپتے ہوئے مریض اور ان کے خون کا آخری قطرہ تک چوسنے والے خبیث ڈاکٹر۔"

کچھ حقیقتیں زمان و مکان کی قید سے آزاد..... رائج اور قائم رہتی ہیں۔

صفدر کی بے وطنی کے احساس کو کم کرتی ہوئی گیتی کی چینیوں جیسی شکل، دن بدن بڑھتی ہوئی انسیت اور زندگی بھر مختلف مقامات پر ہونے والا قدرتی میل اس تعلق کو آفاقیت عطا کرتے ہیں جو لیوچو اور گیتی کے درمیان تھا۔

انسان کے بنیادی مسائل اور دکھوں کا اشتراک اسے زمینی فاصلوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور یہ انسانی عظمت کا گہرا ادراک ہے، جو رنگ، نسل اور خطہ مختلف ہونے کے باوجود اپنائیت کا احساس عطا کرتا ہے۔

قدیم اور پراسرار..... تہذیب و تمدن کا امین..... چین۔ دلچسپ اور عجیب ہے کہ یہ کتاب ہماری اور چین کی آزادی سے پہلے کے دور کو بیان کرتی ہے، مگر محبت، دوستی کا وہی لازوال اور انمٹ نقش قائم کرتی ہے، جو بعد میں آنے والے دور کی سب سے بڑی سیاسی، تاریخ اور زمینی حقیقت بنا!

ایک دلچسپ رخ اس کہانی کا یہ بھی ٹھہرا کہ خوب صورت چہروں کو مرکزی اہمیت دینے کے رجحان کے برخلاف، الطاف فاطمہ نے "موٹی گدبدی گیتی" کو ہماری آنکھوں کا تارا بنا دیا۔

گیتی..... بے ساختگی کے جوہر سے آراستہ، فطری سادگی سے بھرپور، شفاف آئینے جیسا دل رکھنے والی، جہاں کدورت پل بھر کو نہیں ٹھہرتی تھی، ماں کی ناپسندیدہ، باپ کے دل کے قریب، دادی کے لیے ہیرا ارجمند کے لیے دل جلی، لیوچو کے لیے "جو نہ کرے تھوڑا ہے" اور مسعود سوچ رہا تھا۔ "بھئی! عجیب ہے یہ گیتی تو۔ بالکل بلا ہی ہے۔"

حساس اور ہمدرد، تکبر اور خود نمائی سے مبرا..... جس کے متعلق صفدر یاسین نے سوچا۔ "تمہارے وجود اور شخصیت میں کیا بات ہے، تم جہاں کہیں ہوتی ہو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہاں سکون، طمانیت اور معصومیت کے سوا کچھ نہیں۔"

اور جب صولت اور اماں نے مل کر گیتی کے علم میں لائے بغیر، اس کے دل کی خوشیوں کا قصہ تمام کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ معلوم ہونے پر اپنا غم غلط کرنے وہ مالی کے کوارٹر میں چلی آئی مالن کے ہاتھ کا پکا ہوا گرم گرم پھلکا اور آلو ساگ کھایا..... اور کچھ سوچتے سوچتے ہار سنگھار کے پیڑ تلے کورے بان کے کھٹولے پر سو رہی۔

"مالی نے دیکھ کر سوچا۔ "یہ تو سادھو منہت بٹیا ہے۔ اس کے شریر میں تو جیسے گوتم مہاتما کی بے چین آتما براجتی ہے۔ جیسے۔ محلوں اور داسیوں سے بے زار سدھارتو اسی چنیا جیسی بٹیا کے شریر میں آبسا ہو۔"

گیتی اور صفدر کے بعد جس کردار سے ہمیں محبت محسوس ہوتی ہے' وہ ابا میاں ہیں۔ جن سے گیتی کو بے پناہ محبت ہے۔ وضع داری' انکساری' حلیمی لیے ہوئے' دور و نزدیک کی قرابت داری کا خیال رکھنے والے۔ ملازموں اور عام انسانوں کا اکرام کرنے والے' فیاض اور نرم دل' نفیس اور روجیہہ ابا میاں.....

اپنے بڑے بیٹے کے دور دیس جا بیٹھنے سے اس قدر مضمحل ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے!

ان کی موت نے جہاں گیتی کی زندگی میں زلزلہ بپا کیا..... اماں بیگم کے طنطنے کے زوال کی اطلاع بھی کی۔

ابا میاں..... جو اپنے اور اولاد کے درمیان خلیج کا ذمہ دار اماں کو سمجھتے تھے اور ان کے بے جا سخت رویے سے نالاں بھی تھے' لیکن گھر کے ماحول کو اختلاف اور جھگڑوں کی پرچھائیں سے بچانے کے لیے صبر کیے رہے..... آخر کار..... ان کا دل ان کا ہاتھ چھوڑ گیا۔

"اے کاش! مجھے یہ سب کچھ میسر نہ ہوتا' مگر میرے بچوں اور ان کی ماں کے درمیان مفاہمت ہوتی۔ اے کاش! میں ان کے لیے اجنبی کا درجہ نہ رکھتا۔ کتنی سچی بات کہی ہے بیگ نے' گٹھلی کی خرابی کا مطلب یہ سمجھیے کہ جڑ میں روگ ہے اور جڑ کی خرابی کی بہت سی وجہ ہو سکتی ہیں۔"

اب یہ ان کی فطری آن بان اور خاندانی تمکنت تھی کہ وہ اپنی پسپائی اور شکست کو بڑی بہادری اور خوبی سے نبھا رہے تھے۔ ان کے ہنسنے بولنے اور اپنے مشاغل میں محویت دیکھ کر کوئی اندازہ بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس شخص کے آئینہ دل میں ایک بہت بڑی دراڑ پڑ چکی ہے۔ اس کے خواب بکھر گئے ہیں اور اس کی زندگی میں ایک شدید خلا اور بے اعتباری پیدا ہو گئی ہے۔

"بڑا بیٹا ہی تو انسانی زندگی کا سنگ میل ہوتا ہے وہ کھرا اور کھنکھناتا ہوا سکہ جو بازار میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ جو کھوٹے پیسے کی طرح صندوقچے میں پڑا وقت پر کام آنے کا انتظار نہیں کرتا..... اور جو وہ ہی وجہ اور سبب بتائے بغیر روٹھ جائے تو انسان کی کمر نہ ٹوٹ جائے' دل نہ بیٹھ جائے۔" ان کی روشن اور غلافی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ انہوں نے کھڑکی کے باہر دیکھا اب کوئلوں نے کوکنا شروع کر دیا تھا اور آموں پر بور آ رہا تھا۔ جامنیں کالی ہو چلی تھیں اور بیلا چنبیلی پھول رہے تھے۔ ان کا دل اس دنیا سے سرد ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مغموم سی خاموشی اور سپردگی ان کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔"

ابا کے اچانک انتقال نے ہر فرد اور ہر ذہن کو الگ طرح سے متاثر کیا اور سب نے اپنی ہمت اور حوصلے کے مطابق اس صدمے کو سہا۔ صولت آرا نے گھر کا انتظام سنبھال لیا کہ اماں بیگم بالکل ہی کمزور ہو گئیں۔

گیتی کی ذہنی تنہائی اور اعصابی دباؤ کی لفظی صورت گری..... انتہائی خوب!

دل کو گداز کر دینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھنے والی اس خوب صورت روانی کے کیا کہنے!

بختیار' شہریار کا چھوٹا بھائی..... جو ابھی زیر تعلیم تھا۔ بھائی کا دور دیس ہونا' باپ کی دائمی جدائی' اس اچانک صدمے نے اسے بڑا اور ذمے دار کر دیا۔ چند ہی دنوں میں اسے ذہنی بلوغت کے مدارج قبل از وقت طے کرنا پڑے..... جو یقیناً" ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ بختیار نے اپنے ابا کی وضع داری' نرمی اور محبت کا ورثہ سنبھال لیا..... دیکھیے! اس کی ایک خود کلامی۔

"ہر ایک چیز سے زیادہ اہمیت ان کاغذوں ہی کو دی جا رہی ہے۔ نہ مرنے والے کے متعلق سوچو اور نہ زندوں کی طرف دیکھو۔ ان سے زیادہ ضروری اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ یہ ابا میاں کے بنک کے کاغذات ہیں۔ ان کے باغوں اور اراضی کے فائل اور ہمارے ناموں کی پالیسیوں کے کاغذات اور واقعی ہر زندہ اور مردہ انسان سے زیادہ اہم ہیں۔ یہ تو انسان کو دوسروں کی نظر میں اہم بناتے ہیں۔"

اور کاغذات پر توجہ دینے کو صولت نے عین اس وقت کہا' جب بختیار بلکتی' چلاتی ہوئی گیتی کو تسلی دے رہا تھا۔

"پچھتاوے اور غور و فکر اسی وقت کار آمد ہوتے ہیں' جب وہ انسان کی زندگی میں غلط اقدامات سے پہلے آئیں اور صلاح دیں..... یہ تھوڑی کہ وہ انسان کے پاس اس وقت آئیں جب چھکا چھک کرتی ہوئی ریل اس کو گھر سے پانچ اسٹیشن آگے کھینچ لائے۔ اس وقت پچھتاوے' نتائج اور ہوش مندی یکے بعد دیگرے ملامتوں کے طوق لیے آگے بڑھیں تو یہ انسان کو دیوانہ ہی بنانا ہوا نا!"

وہ جھنجلائی.....

یہ گیتی ہے..... جو اماں بیگم کے بمبئی جانے پر صولت کی بڑھتی ہوئی سختی' بے مہری اور حد یہ کہ اس اکبر سے میل ملاپ شروع کرنے لگی' جس نے گیتی کے متعلق غلط سلط باتیں پھیلا کر گھر کا ماحول مکدر کر دیا تھا..... تب آن کی آن میں گیتی نے بغیر اطلاع کے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور لاہور کی طرف چل دی' جہاں اس کا کالج چھٹیوں کی وجہ سے بند تھا۔

یہ دور گیتی کے لیے صبر آزما' کٹھن اور سنجیدہ ہو جانے کا سبب ثابت ہوا۔

"لوگوں نے تو انسانوں کی زندگیاں تلخ کر رکھی ہیں۔ عجیب بونگے ہوتے ہیں۔ ان کو در حقیقت اچھائی یا برائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف اس بات سے دلچسپی رکھتے ہیں کہ انہوں نے جن باتوں کو اچھا یا برا قرار دیا ہے' افراد ان پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں۔"

یہ گیتی ہے' جو صفدر لیو چو کے کچھ سمجھانے پر اپنی رائے دے رہی ہے۔

"لاہور میں ہاسٹل کے علاوہ وہ چاچا جی کے ہاں ٹھہرنے کی مجاز تھی۔ چاچی گیتی کو کیوں پسند تھیں؟ یہ وہ خود نہیں بتا سکتی تھی۔ اس لیے کہ وہ تو اپنے مراق میں مبتلا رہتی تھیں۔ دن رات ہر ہر چیز کو پاک کیا کرتیں۔ دھنیا مرچ تک دھو ڈالتیں۔ نوکر کی جان بھی غضب میں رکھتیں اور جب چیزوں کو دھونے پاک کرنے سے فرصت ملتی تو وہ اپنے مفروضہ امراض کی فکر میں گھلنا شروع کر دیتیں یا پھر جانماز پر بیٹھی کلام پاک کی تلاوت کیا کرتیں۔ گیتی کبھی کبھی سوچا کرتی۔ اگر چاچی اپنے مراق میں اس درجہ مبتلا نہ ہوتیں تو ان کا گھر کبھی اتنا پر سکون نہ ہوتا۔ ان کو بھی تیرے میرے قصوں سے فرصت نہ ملا کرتی اور یہ بھی بڑی مین میخ نکالنے والی عورت ہوتیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوش مند ہونے سے تو اچھا ہے کہ انسان تھوڑا سا جگہ سے کھسکا ہوا ہو۔"

ادھر' بختیار کو گھر پہنچنے پر پتا چلا کہ گیتی گھر سے غائب ہے۔ بغیر اطلاع کے..... تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ کس وجہ سے؟ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس معاملے میں مجرمانہ حد تک بے پروائی برتی گئی ہے۔"

ماں سے سوال جواب کے دوران اس نے محسوس کیا کہ ماں بہت کمزور محسوس کر رہی ہیں تو وہ چپ ہو رہا۔

"ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخیں مار مار کر روئیں اور اس سے کہیں کہ تم اس طرح میرا لحاظ کر کے خاموش نہ ہو۔ میں بجا طور پر تمہاری ملامتوں کی مستحق ہوں۔ میں نے تم میں سے کسی ایک کو بھی سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ میں نے صولت سے لے کر ہر ایک کے ساتھ نا انصافی کی ہے اور مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قدرت نے یا خود صولت نے مجھ سے اس کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کا انتقام لیا ہے۔"

غلط فیصلوں اور ساتھی کی بے وقت جدائی نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا اور شاہی طنطنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے لے کر ان کی ذہنی شکست خوردگی کا احوال کس خوبی سے بیان کیا گیا ہے..... پھر وہی کہ لفظوں میں روح پھونک دی ہے۔

چلیے..... کچھ منظر بھی دیکھ لیجیے..... اور منظر نگاری تو ہر جگہ، ہر قدم پر خوب ہے..... کمروں، برآمدوں کے نقش، اجلی سفید چاندنیوں کے تذکرے..... پاندان، گھڑونچی، تخت، کیاریاں غرض کہ ہم ہر جگہ خود کو محسوس کر سکنے کی آزادی رکھتے ہیں۔

"مولسری اور چمپا کی بھینی بھینی خوشبو سے باغ بسا ہوا تھا۔ کامنی کی چھتنار جھاڑیوں پر ستارے سے دمک رہے تھے۔ مولسری کے گھنے سائے تلے ننھی ننھی کٹوریوں جیسے نازک پھولوں کا بچھونا ہو رہا تھا اور بانس کے جھنڈ میں بے شمار پستئی پستئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔ دور کہیں پپیہا بول رہا تھا۔"

"پورچ کے خوب صورت دروں کے نازک نازک کھمبوں پر گلابی رنگ کے نازک اور خوب صورت پھولوں کی جھومر سے لٹک رہے تھے اور ان کے عقب میں لان کا سبزہ چمک رہا تھا جو اس گرمی میں بھی شاداب اور نم نظر آرہا تھا۔ آم اور لیچی کے مضبوط پیڑ گرم ہوا میں جھوم رہے تھے۔ بھیگے ہوئے تھالوں میں کھڑے ہوئے قطار در قطار گلابوں میں سفید، زرد اور گلابی پھول کھل رہے تھے۔ پھاٹک پر چڑھی ہوئی زرد چنبیلی میں اتنے پھول آئے تھے کہ پتوں کی کاہی کاہی سی ہریالی ان کی زردی میں چھپی سی جا رہی تھی، جیسے کالی رات میں ستارے جگمگا رہے ہوں۔"

یہ منظر محض منظر نگاری کا حصہ نہیں، بلکہ دل کو گداز کر دینے والی بختیار کی سوچ کا مظہر بھی ہے..... جو اخراجات میں تخفیف کی خاطر اس کے پیش نظر ہے..... مالی کی محبت، خدمت اور اس کے عیال کی اس گھر سے وابستگی کا گہرا احساس اسے ایسا سوچنے سے بھی روک دیتا ہے کہ وہ کسی ملازم کو محض اخراجات میں کمی کی خاطر فارغ کر دے۔

بختیار نے گیتی کو ڈھونڈ نکالا اور گیتی گھر واپس بھی آئی۔ اسی دوران جنگ عظیم بند ہونے کے ساتھ ہی شہریار کی موت کی تصدیق بھی ہو گئی اماں اپنے پیارے بیٹے کا انتظار ہی کرتی رہ گئیں، جس کی سب ہی فرمائشیں پوری کرتی تھیں..... لیکن بیوہ چچی کی بیٹی عصمت کو بہو بنانے سے مطلق انکار نے شہریار کے دل کو ایسا گھائل کیا، جس کا شاخسانہ ابا کی دل گرفتی اور پھر شہریار کے دنیا سے منہ موڑ لینے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تقسیم کے اعلان کے ساتھ ہی فسادات شروع ہوئے اور خوف و ہراس، دہشت کی فضا میں لٹتے ہوئے گھر سے گیتی اور اماں کو مالی نے بمشکل پاکستان کی طرف روانہ کرنے کے لیے جیپ مہیا کی۔ مالی کے ہندو ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی صورت حال بھی دل گداز رہی..... بغیر کسی غیر معمولی اظہار کے اپنی سلامت کو جاری رکھتے ہوئے الطاف فاطمہ نے تقسیم کے وقت کے مسائل کو جس خوبی سے قلمبند کیا..... وہ ان ہی کا خاصہ ہے۔

بے سروسامانی، بھائی بہن کے آسرے کے بغیر گیتی نے نئی زندگی کے لیے بھاگ دوڑ شروع کی کہ فسادات نے بھائی بہنوں، رشتے داروں کو بھی تقسیم کر دیا۔ یہی وہ دور تھا، جب اماں اور گیتی کا ذہنی بُعد دور ہوا۔

اسی شہر میں صفدر لیچو بھی موجود تھا۔

صفدر کے پاس چین کے کسی فلسفی کی کتاب تھی۔ جس کو پڑھ کر وہ اپنی روح کو شانت کرنے کی سعی کرتا رہتا تھا۔ اس کتاب سے دلچسپ اقتباسات کتاب کا حصہ ہیں اور کتاب کی شان کو چار چاند لگاتے ہیں۔

ایک چینی نظم کا ترجمہ آپ بھی پڑھیے۔

مجھے اپنے نوشتہ تقدیر کو
بہر نوع برداشت کرنا چاہیے
بغض و عناد سے شکستہ دل بیمار کی ساری رنجوریاں
بالآخر سکون پذیر ہو ہی جاتی ہیں
موت، کلفتیں اور ان کا مداوا
بھی اپنے اپنے وقت ہی سے آتے ہیں

چلیے..... صفدر کی خود کلامی کی طرف اور خود کلامی اس کتاب کے سب ہی کرداروں کا حصہ ہے..... جس کے ذریعے ہمیں اس کے احساس تک رسائی ملتی ہے

..... خود کلامی..... ذات کی پہچان کا راستہ خود کلامی..... کردار نگاری کا خوب صورت ترین حصہ.....!

"جب تم چھوٹی سی تھیں، اس وقت سے لے کر میں نے تم سے نہ جانے کتنی بے شمار باتیں کی ہیں، لیکن فقط ایک جملہ کہنے کے لیے میں ہمیشہ ترستا رہا ہوں۔ تمہارے سامنے کہنا تو ایک طرف میں نے اس جملے کو کبھی باضابطہ اور منظم طور پر سوچنے کی بھی ہمت نہیں کی اور اس جملے کو تنہائی میں کبھی خود سے بھی نہ دوہرایا لیکن آج مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ آج میں خود سے بھی کہوں گا اور اس صفحے پر لکھوں گا بھی۔

کوکو! مجھے تم سے محبت ہے!

مجھے تم سے محبت بھی ہے اور میں انسان بھی ہوں۔ جب ہی تو اس دن کافی ہاؤس کے دروازے پر تمہیں اس بے حد شان دار اور عمر رسیدہ فوجی کے ساتھ دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے دنیا کی ہر چیز دھیرے دھیرے دور سرکتی جا رہی ہو، جیسے زمین نے اپنا محور چھوڑ دیا ہو اور پیروں تلے سے نکل بھاگی ہو.....

مارگریٹ نے دستک دی، اس لیے کہ وہ باریابی کی آرزو مند تھی اور رسائی نہ پائی۔ میں نے دستک نہیں دی، لیکن اس لیے نہیں کہ میں رسائی چاہتا تھا۔ مجھے اپنا مقسوم معلوم تھا۔ رسائی کے اور میرے درمیان دیوار چین سے بھی زیادہ سنگین اور طویل دیوار حائل تھی۔ انسان کو اپنی کسی بات اور چیز پر اختیار نہیں ہوتا حتیٰ کہ دل جیسی پناہ اور کمزور شے بھی اس سے سرتابی کرتی ہے۔"

تو یہ تھا صفدر..... حساس دل اور باشعور ذہن جس کے ضبط کا امتحان بن کر رہے۔

اور اس نے دستک نہیں دی!

اس کا رکھ رکھاؤ، فکری شعور اور سب سے بڑھ کر مثالی ضبط دل..... ہمارے دل میں اس کے لیے ہمدردی محبت اور پھر عزت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔

آمنہ مفتی نے جب کہا تھا "میں نے دستک نہ دو چالیس بار پڑھی ہے....." مجھے حیرت تو ہوئی تھی، لیکن اب یقین ہو گیا ہے کہ واقعی! یہ کتاب چالیس مرتبہ بھی پڑھی جا سکتی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ.....

شائستگی، بیان کی روانی..... یعنی سادگی اور پرکاری، میٹھی اردو..... ریل کا سفر، خطوط کی اہمیت، باوجود نوکر چاکر کے تمدن..... سلائی کڑھائی اور کھانے پکانے کی سوجھ بوجھ رکھنے والی لڑکیاں، نماز کی باقاعدگی، اپنے خدمت گاروں کا احترام اور ان کی وفا..... خوب صورت مناظر اور فطری کردار نگاری سے سجی یہ کتاب آج بھی تازہ فکر کی مانند متاثر کرتی ہے..... کیونکہ اس میں ماحول کی خوشبو، اپنائیت کا گہرا احساس اور احساس کی فطری سادگی رچی بسی ہے۔

ٹائم مشین، آپ کے تخیل کے سوار ہونے کی منتظر ہے!

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
فصل غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل
قیمت 300 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تبصیر نشاط

انجانے میں

افتتاح

معروف اداکارہ میرا کو پرائڈ آف پرفارمنس ملے اب تو خاصا وقت گزر چکا ہے، مگر وہ ابھی تک ہواؤں میں اڑ رہی ہیں۔ ان دنوں وہ بھارت میں مقیم ہیں اور سنا ہے کہ وہ وہاں بدنام زمانہ بھارتی پروگرام "بگ باس" میں شرکت کرنے کی کوششیں کررہی ہیں۔ (ہائیں! تو "بگ باس" کا اگلا سیزن مزاحیہ ہے کیا؟) یعنی یوں سمجھیے! کہ ریما کی شادی کے بعد اب میرا نے وینا کے نقش قدم پر پاؤں دھر دیے ہیں۔ (گویا جو وینا کرتی ہیں، وہی میرا کرتی ہیں۔) ویسے من موجی اور موڈی میرا بھی بس اپنے مزاج کی ہی ہیں۔ لاابالی پن تو جیسے ان کے مزاج میں رچ بس گیا ہے۔ جو دل میں آتا ہے، کر ڈالتی ہیں اب اس کی زد میں کوئی آتا ہے تو آئے.... کوئی ناراض ہوتا ہے تو بھلے سے ہو۔ خواہ وہ اس کا محسن ہی کیوں نہ ہو۔

جرار رضوی کا شمار بھی میرا کے محسنوں ہی میں ہوتا ہے۔ میرا کی پہلی فلم "چیف صاحب" تھی، مگر اس میں کامیابی کا سارا کریڈٹ خوبرو اداکارہ نیلی لے گئیں تو پھر یہ جرار رضوی ہی تھے، جنہوں نے میرا کو کئی مرتبہ چانس دیا اور شہرت کی بلندیوں پر لے گئے۔ یہی جرار رضوی ایک بیوٹی پارلر کا افتتاح میرا کے ہاتھوں کرانا چاہتے تھے۔ پارلر ان کی ایک قریبی دوست کا تھا اور اس کی افتتاحی تقریب کے انتظامات جرار رضوی ہی نے سنبھالے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرا کو مہمان خصوصی بننے کی دعوت دی۔ میرا نے یہ دعوت قبول کرلی۔ پارلر کے افتتاح والے دن سارے مہمان آگئے، مگر میرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ موسم کے تیور خراب ہوگئے اور بارش برسنے لگی۔ جرار رضوی نے میرا کو فون کیا تو میرا نے تقریب میں مہمان خصوصی بننے کے لیے پیسوں کا مطالبہ کردیا۔ (پرائڈ آف پرفارمنس ملنے کے بعد "پراؤڈ" تو ہونا ہی تھا نا!) جرار رضوی نے میرا کو سمجھایا کہ مہمان خصوصی پیسے نہیں لیتے۔ (بلکہ دیتے ہیں۔) خیر! میرا بغیر پیسے لیے اپنا قیمتی وقت دینے پر راضی ہوگئیں اور کہا کہ "تھوڑی دیر میں پہنچتی ہوں۔"

میرا کا انتظار کرتے خاصا وقت گزرا تو مہمانوں کے تیور موسم سے زیادہ خراب ہوگئے اور وہ بادلوں سے زیادہ گرجنے برسنے لگے۔ جرار رضوی نے ایک مرتبہ

پھر میرا کو فون کیا۔ اس مرتبہ فون کسی شخص نے اٹھایا اور گاڑی خراب ہونے کا بہانہ بنا کر فون رکھ دیا۔ جرار رضوی نے میرا سے قطع تعلق کا اعلان کیا اور پارلر کا افتتاح دردانہ رحمان اور صلہ حسین سے کرالیا۔

(گویا میرا اتنی بھی لاابالی نہیں، بلکہ خاصی ذہین واقع ہوئی ہیں۔ جانتی ہیں کہ پارلر کا افتتاح کرکے اتنی شہرت کہاں ملنی تھی، جو پارلر کا افتتاح نہ کرکے ملی ہے۔)

انکار

بھارتی فلم ساز مہیش بھٹ کی دور کی نظر کچھ زیادہ ہی تیز ہے شاید! جب ہی تو ان کی نظریں ہماری اداکاراؤں پر گڑی رہتی ہیں۔ (اداکاری کرانے کے لیے بھئی.... آپ بھی ناں بس!) کبھی انہوں نے میرا پر نظر جمائی تو کبھی مونا لیزا کی آنکھوں میں کجرا ڈالا۔ (فلم "کجرا رے" میں بھئی.... آپ کی سوچ کو ایک بار پھر سلام ہے۔) لیکن جناب! ضروری نہیں کہ مہیش بھٹ ہر مرتبہ کامیاب ہو ہی جائیں۔

معروف اداکارہ نادیہ خان کو فن اداکاری سے "بندھن" توڑے ایک مدت گزر گئی، مگر ان کی

اداکاری مہیش بھٹ نے جانے کہاں دیکھ لی کہ ان کو ایک فلم کی پیش کش کرڈالی۔ (ان کے گھر گئے ہوں گے۔) نادیہ خان نے ان کی یہ پیش کش فوراً ٹھکرادی اور کہا کہ میری فیملی کی روایات مجھے فلم میں کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔ (ہاں! صرف ٹی وی شوز کو فلم سمجھنے کی اجازت ہے۔) نادیہ نے مزید کہا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی، جو میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتی۔ (تو پھر اپنے بعض پروگرام گھر والوں کے ساتھ "کھڑے" ہو کر دیکھے ہوں گے۔)

یوں نادیہ نے ہماری ان اداکاراؤں کے لیے ایک مثال قائم کی ہے، جو ہر بھارتی آفر پر دوڑی جاتی ہیں۔

(مہیش جی بھی نوٹ کرلیں کہ ہماری ہر چیز پر قابل فروخت کا ٹیگ نہیں لگا ہوا۔)

ہدایت

ثقافتی و جغرافیائی لحاظ سے دنیا کئی قوموں کا مجموعہ ہے، تاہم ہمارے خیال میں دنیا میں صرف دو قومیں بستی ہیں۔ ایک مسلم، دوسری غیر مسلم۔ (آپ چاہیں تو ہمیں مفکرین میں شمار کرلیں۔ ہماری کیا مجال جو ہم برا مانیں۔) غیر مسلم ہمیشہ سے مسلمانوں کو مٹانے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درپے ہیں۔(نادان نہیں جانتے کہ اسلام مٹنے کے لیے نہیں آیا۔) اس ضمن میں وہ مسلمانوں کو باطل اور دہشت گرد قرار دینے کے لیے کوئی نہ کوئی ڈراما تیار کرتے رہتے ہیں، تاہم اس کا اسکرپٹ اتنا کمزور ہوتا ہے اور اس میں اتنے جھول ہوتے ہیں کہ وہ ڈراما ہمارے ہاں کے میر جعفر اور میر صادق کی ہر ممکن و غیر ممکن مدد کے باوجود بھی بری طرح فلاپ ہو جاتا ہے۔ ایک اسکرپٹ کاتب تقدیر بھی لکھتا ہے، جس میں کوئی جھول نہیں ہوتا اور اسے کامیاب کرانے کے لیے کسی میر جعفر، میر صادق کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔

معروف فرانسیسی گلوکارہ دیام سن کی ایک دوست مسلمان ہیں۔ ایک دن وہ دیام سن کے ساتھ تھیں۔ ایسے میں نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے دیام سن سے کہا کہ میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ دیام سن نے بھی ان کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ دیام سن نے اپنی مسلم دوست کے ساتھ سجدہ کیا تو پھر انہیں دیگر ہزاروں سجدوں سے نجات مل گئی۔ دیام سن سکون کی تلاش میں منشیات اور مسکن دواؤں کا استعمال کرتی تھیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ اس سجدے سے قبل انہیں اس قدر سکون کسی اور شے میں نہیں ملا تھا اور نہ ہی کبھی اتنا خوش گوار احساس ہوا تھا۔ اس واقعے کے بعد دیام سن نے قرآن شریف اور دیگر اسلامی کتب کا مطالعہ کیا۔ انہیں احساس ہوا کہ اسلام ایک سچا اور امن و رواداری کا مذہب ہے، چنانچہ دیام سن نے اسلام قبول کر لیا۔ (سبحان اللہ!) آج دیام سن تمام شرعی احکامات پر خندہ پیشانی سے عمل کرتی ہیں اور باقاعدہ حجاب بھی لیتی ہیں۔

(بے شک! اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے... اور جس کی قسمت کھوٹی ہو، وہ رگوں میں مسلمان خون لیے پھرنے کے باوجود بھی مسلمانوں پر ڈرون حملے کراتا ہے۔ اوباما کے برسر اقتدار آنے پر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور بعض پاکستانی علاقوں سے صدا گونجی تھی "قدم بڑھاؤ اوباما! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔")

(اب یہی صدا ہر ڈرون حملے کے وقت ہمارے مفاد پرست ٹولے کی طرف سے آتی ہے۔ کاش! تھوڑی سی ہدایت اس ٹولے کا نصیب بھی ٹھہرے۔ آمین)

کچھ اِدھر اُدھر سے

ہیلری کلنٹن نے رحمان ملک کے بیان کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ رحمان ملک کو ہیلری کلنٹن سے صرف ہیلو کہنے کا موقع دیا گیا۔ 2 منٹ کے دورانیہ میں رحمان ملک سے عافیہ یا ڈرون حملوں کے بارے میں کوئی مذاکرات نہیں ہوئے۔

(مظفر اعجاز۔ قلم رو)

ایک فون کال پر ڈھیر ہو جانے والے جنرل مشرف کس قدر بہادر تھے۔ یہ دنیا نے دیکھ ہی لیا ہے۔ البتہ وہ ابن الوقت بہت تھے۔ نواز شریف کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ان کے ابا جی کے حضور پیش ہوئے تھے۔ وہ تو اس قدر ابن الوقت تھے کہ ترقی پانے کے لیے جنرل ناصر جب وہ این ڈی یو میں تھے، کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ دوسری جانب صورت یہ تھی کہ افطاری کے وقت کھجور ہاتھ میں پکڑ کر کہتے تھے کہ مذہب کے ساتھ اتنا ہی ہے۔

(میاں منیر احمد۔ کچہری)

ہم ملالہ کا رونا رو کر اپنا ریاستی فالج چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ریاست اور ریاست کی پارلیمنٹ بلال کھر اور فاخرہ جیسے واقعے پر خاموش رہے گی تو پھر طالبان کو ملالہ یوسف زئی کو گولی مارنے کا حق حاصل نہیں ہو گا۔

کیا ان دونوں واقعات میں صرف کراچی اور سوات اور کلین شیو اور داڑھی کا فرق نہیں؟

(جاوید چوہدری۔ زیرو پوائنٹ)

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

پشاوری چپلی کباب

اجزا:

قیمہ	ایک کلو
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
کارن فلور	ایک کپ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
انار دانہ	دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
میتھی دانہ	آدھا چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

قیمے کو سل پر بہت باریک پیس لیں۔ تمام مسالے کوٹ کر اس میں ملا دیں۔ انڈے بھی پھینٹ کر ڈال دیں۔ اچھی طرح مکس کر کے تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ پندرہ منٹ دوبارہ گوندھیں اور ہتھیلی پر رکھ کر چوڑے اور بڑے کباب بنائیں اور گہرے تیل میں تل لیں۔

رائتے کے ساتھ مزے دار پشاوری چپلی کباب پیش کریں۔

دھواں کباب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجزا :

قیمہ	ایک کلو
پیاز بڑی	دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
بیسن	تین کھانے کے چمچے
ہری مرچ	چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب :

قیمہ مشین سے باریک نکال لیں۔ زیرہ اور دھنیا کوٹ کر، بیسن بھون کر، پیاز تیل میں نرم سی فرائی کر کے قیمہ میں ملا دیں۔ نمک، کٹی سرخ مرچ، لہسن ادرک پیسٹ اور ہری مرچ بھی کوٹ کر قیمے میں اچھی طرح مکس کر کے رکھ دیں۔ قیمے پر کوئلہ دہکا کر رکھیں اور ڈھکن بند کر دیں۔ بیس منٹ بعد اس کے کباب بنائیں۔ (قدرے گوفتے کی شکل میں) اور فرائی کر لیں۔

رائتے یا املی کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

بہاری مسالا بوٹی

اجزا :

گوشت	ایک کلو
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
پیاز	دو عدد
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
ہری مرچ	چھ عدد
دہی	آدھا کپ
بہاری بوٹی مسالا	چار کھانے کے چمچے
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

گوشت کی بوٹیاں بنالیں اور دھو کر اچھی طرح خشک کر لیں۔ پیاز، ہری مرچ اور ہرا دھنیا باریک کاٹ کر اور بقیہ تمام مسالے گوشت میں مکس کر کے تین سے چار گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں، پھر سیخوں پر چڑھا کر کوئلوں پر سینکیں۔ تھوڑا تھوڑا تیل لگاتے جائیں یا ہلکے تیل میں فرائی کر کے کوئلہ کا دم دے دیں۔

لچھے دار پیاز اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

ہریانہ کی یخنی بریانی

اجزا :

گوشت	ڈیڑھ کلو
چاول	ایک کلو
ثابت گرم مسالا	تین کھانے کے چمچے
لہسن کے جوے	دس عدد
ثابت ادرک	دو انچ کا ٹکڑا
سونف اور زیرہ	دو کھانے کے چمچے
سونف	ایک کھانے کے چمچے
زردہ رنگ	دو چٹکی
بریانی مسالا	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر	چار عدد
پیاز	چار عدد
ہری مرچ	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ململ کے کپڑے میں پیاز سمیت تمام ثابت مسالے ڈال کر پوٹلی بنالیں، پتیلی میں گوشت، پوٹلی اور نمک ڈال کر اتنے پانی میں چڑھائیں کہ گوشت گل جائے اور چار گلاس یخنی بھی بچ جائے۔ بعد میں گوشت اور یخنی الگ کر لیں۔ دوسری پتیلی میں تیل

گرم کر کے دو پیاز سلائس میں کاٹ کر سنہری کریں۔ الگ کیا ہوا گوشت اور لہسن ادرک پیسٹ ڈال کر کچھ دیر بھونیں، پھر باریک کٹے ہوئے ٹماٹر، دہی، بریانی مسالا اور ہری مرچ ڈال کر بھونیں۔ یخنی ڈال کر بھیگے ہوئے چاول شامل کریں۔ درمیانی آنچ پر پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ دم پر رکھ کر زردہ رنگ ڈال دیں۔ چاہیں تو بریانی اسنس کے چند قطرے بھی ڈال سکتی ہیں۔

ایرانی تکے

اجزا :

گوشت	ایک کلو
پسا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
پسا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	آدھا کپ
ٹماٹو کیچپ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
پسی سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک پیالی میں لیموں کا رس، گرم مسالا اور دھنیا ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے پیاز مل کر نکال لیں۔ پھر اسی تیل میں اوپر والا مکسچر، نمک اور سرخ مرچ ڈال کر بھونیں۔ ٹماٹو کیچپ ڈال کر ساتھ ہی تلی ہوئی پیاز بھی شامل کر کے تھوڑی دیر بھونیں اور چولہے سے اتار لیں۔

گوشت کی پسندے بوٹی بنوالیں اور اچھی طرح دھو کر سرکے اور اوپر والے مسالے میں مکس کر کے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر سیخ میں پرو کر کوئلے پر سینکیں۔ ہلکا ہلکا تیل لگاتے جائیں۔

لچھے دار پیاز اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

اسپیشل چانپ

اجزا :

چانپ	دس عدد
کارن فلیکس	ایک کپ
کارن فلور	ایک کپ
انڈے	دو عدد
میدہ	آدھا کپ
پسی کالی مرچ	چار چائے کے چمچے
ہری مرچ	دس عدد
ثابت لہسن	چار جوے
ثابت ادرک	دو انچ کا ٹکڑا
اجینو موتو	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

چانپوں میں لہسن ادرک، کالی مرچ، ہری مرچ اور نمک ڈال کر ابالیں۔ چانپیں گل جائیں تو ٹھنڈی ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک پیالے میں کارن فلور، اجینو موتو، انڈے، میدہ، نمک اور ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر گاڑھا پیسٹ بنالیں۔ کارن فلیکس کو چورا کر لیں۔ چانپوں کو آمیزے میں ڈبو کر کارن فلیکس کا کوٹ کریں اور گرم تیل میں تل لیں۔

مزے دار اسپیشل چانپ تیار ہے۔ رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

ہانڈی گولا کباب

قیمہ	آدھا کلو
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
سیخ کباب مسالا	ایک چائے کا چمچہ
کچا پپیتا	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچ پسی ہوئی	چھ عدد
بریڈ سلائس	دو عدد
بھنے ہوئے چنے	دو کھانے کے چمچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کالا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی	چار عدد
خشخاش	ایک کھانے کا چمچہ
کچی پیاز پسی ہوئی	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر	چار عدد
لال مرچ	دو چائے کے چمچے
بھنا پسا ہوا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک، لہسن کا پیسٹ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسبِ ذائقہ
تیل	حسبِ ضرورت

ترکیب :

دھنیے چنے، کالا زیرہ، چھوٹی الائچی اور خشخاش کو ملا کر پیس لیں، پھر قیمہ میں ملا کر کباب بنا کر تل لیں۔ اور الگ رکھ دیں ۔ مٹی کی ہانڈی میں تیل گرم کر کے پیاز اور تمام مسالا ڈال کر بھونیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو تلے ہوئے کباب احتیاط سے ڈال دیں۔ اوپر سے باریک کٹی ہوئی ادرک، ہری مرچ اور تھوڑا سا لیموں کا رس سامل کر دیں۔

مزے دار ہانڈی گولا کباب تیار ہیں۔

رس گلے

اجزا :	
خالص دودھ	ایک کلو
کھویا	ایک چھٹانک
میدہ	آدھا پاؤ
چینی	آدھا کلو
سبز الائچی	بارہ دانے
پھٹکری	ایک چٹکی

ترکیب :

دودھ کو پکنے کے لیے رکھ دیں۔ ابال آجائے تو پھٹکری ڈال دیں۔ دودھ پھٹ جائے تو اتار لیں اور نتھار کر پنیر بنالیں۔ اب اس میں کھویا اور میدہ ملا کر ایک گھنٹہ تک خوب مکس کریں۔ جتنا زیادہ اچھا مکس کریں گی، اس کا رس اتنا ہی نرم ہوگا۔ رس گلوں کا شیپ دیں درمیان میں سبز الائچی کے دانے ڈالتے جائیں۔ چینی میں پانی ملا کر گاڑھا سا شیرہ بنالیں۔ پھر رس گلے ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں۔ پھول جائیں تو اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر پیش کریں۔

لیمن آئس ٹی

اجزا :	
سبز قہوہ	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں	ایک عدد
سوڈا واٹر	آدھی بوتل
شکر	حسبِ مرضی
نمک	ایک چٹکی
پانی	چار کپ
پودینے کے پتے	چند عدد

ترکیب :

پانی میں جوش آجائے تو گرین ٹی ڈال کر اتنا پکائیں کہ صرف رنگ تبدیل ہو جائے، پھر چھان کر پیالے میں نکال لیں۔ شکر، نمک اور لیموں کا رس ڈال کر رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہو جائے تو گلاسوں میں نکال کر اوپر سے برف کچل کر ڈالیں، پھر سوڈا واٹر ڈال کر پودینے کے پتوں سے سجاوٹ کریں اور پیش کریں۔

تاریخ کے جھروکے سے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پاک باز اولاد کی دعا فرمائی۔ اللہ نے آپ کو اس کی خوشخبری دی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس میں رہتے بیس سال ہو گئے تو سارہ علیہ اسلام نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

"رب نے مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے، آپ میری لونڈی (ہاجرہ علیہ السلام) کے پاس جائیں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے اولاد عطا کر دے۔"

جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو وہ (ہاجرہ علیہ السلام) دے دیں تو ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور وہ امید سے ہو گئیں۔ حضرت سارہ کو ان کی کوئی بات بری لگی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

"تم جو چاہو کرو۔"

حضرت ہاجرہ علیہ السلام خوف زدہ ہو گئیں اور بھاگ کر ایک چشمہ کے پاس چلی گئیں۔ انہیں ایک فرشتہ ملا۔ اس نے کہا۔

"خوف نہ کر، تیرے ہاں جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خیر و برکت عطا فرمائے گا۔"

اس نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا اور خوش خبری دی کہ

"ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور وہ اس کا نام "اسماعیل" رکھیں گی، وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہو گا، اس کا ہاتھ سب پر ہو گا اور سب کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہو گا۔"

حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ خوش خبری آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے کیونکہ عربوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرداری کا مقام حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے سب ممالک ان کے قبضے میں آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا جو پہلے کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس امت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل و اشرف ہیں۔ یہ آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کی شریعت کے کمال کی وجہ سے ہے اور اس لیے بھی کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

جب حضرت ہاجرہ علیہ السلام واپس آئیں تو ان کے ہاں "اسماعیل علیہ السلام" پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی (86) سال تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام (اپنے بھائی) اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔

جب ہاجرہ علیہ السلام کے ہاں اسماعیل علیہ اسلام کی ولادت ہوئی تو اس سے سارہ علیہ السلام کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔ انہوں نے حضرت خلیل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے سامنے نہ رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے کو لے کر چلے حتیٰ کہ انہیں وہاں ٹھہرا دیا جہاں آج کل مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہے۔ اسماعیل علیہ السلام اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حضرت ہاجرہ علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام مکہ میں

مکہ میں کوئی انسان نہیں رہتا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ نے انہیں وہاں اتارا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام واپس چل پڑے۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہا۔

"ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ساتھی (یا ہمسایہ) ہے نہ (ضرورت کی) کوئی چیز؟"

انہوں نے کئی بار یہ بات کہی، لیکن آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

(آخر) انہوں نے کہا: "کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟"

انہوں نے فرمایا "ہاں!"

وہ بولیں "تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔" اور پلٹ گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ثنیہ (گھاٹی) پر پہنچے، جہاں سے وہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے تو انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا دیے اور یہ دعا مانگی۔

"اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں، تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، سو تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی تھیں اور خود اس پانی میں سے پی لیتی تھیں حتیٰ کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انہیں پیاس لگی اور ان کے بیٹے کو بھی پیاس لگ گئی۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ (پیاس کی وجہ سے) بے چین ہے۔ وہ اسے (تڑپتا) نہ دیکھ سکیں، اٹھ کر چل دیں۔

انہیں اپنے قریب کی زمین میں سے صفا پہاڑ سب سے قریب معلوم ہوا۔ وہ اس پر چڑھ گئیں۔ پھر وادی کی طرف منہ کر کے دیکھا کہ کیا کوئی انسان نظر آتا ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ وہ صفا سے اتریں۔

جب وادی کے نشیب میں پہنچیں تو قمیص کا دامن جو زمین تک پہنچتا تھا) اٹھا کر اس طرح بھاگیں جس طرح کوئی پریشان اور مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے حتیٰ کہ وادی کو پار کر لیا۔

وہ مروہ تک پہنچیں تو اس پر چڑھ گئیں اور دیکھا کہ کیا کوئی نظر آتا ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ انہوں نے سات بار اسی طرح کیا (ایک پہاڑی سے دوسری تک دوڑتی رہیں۔) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ اسی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں (صفا اور مروہ) کے درمیان دوڑتے ہیں۔"

جب وہ (آخری چکر میں) مروہ پر پہنچیں تو انہیں کوئی آواز محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا۔

"چپ!" پھر غور سے سنا تو دوبارہ آواز سنائی دی۔ انہوں نے کہا۔

"تو نے آواز سنا دی ہے، اگر تو مدد کر سکتا ہے (تو ہماری مدد کر۔)

اچانک انہوں نے دیکھا کہ زمزم کے مقام پر پانی نکل آیا۔ آپ اسے حوض کی صورت دیکھنے لگیں اور اپنے ہاتھ سے اس طرح (رکاوٹ) بنانے لگیں اور چلو بھر بھر کر مشکیزے میں ڈالنے لگیں۔ ان کے چلو بھرنے کے بعد پانی پھر نکل آتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحمت نازل فرمائے! اگر وہ زمزم کو بہنے دیتیں..." یا فرمایا "اگر وہ پانی سے چلو نہ بھرتیں... تو وہ ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت اختیار کر لیتا۔"

راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر ہاجرہ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا۔

"آپ ہلاکت کا اندیشہ نہ کریں، یہاں اللہ کا گھر ہے، جس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا والد (دونوں مل کر) کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔"

اس وقت بیت اللہ کی زمین ایک بلند ٹیلے کی صورت میں تھی۔ سیلاب کا پانی آتا تو دائیں بائیں سے گزر جاتا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ وہاں سے بنو جرہم کا ایک قافلہ یا ایک خاندان گزرا۔ وہ کداء کی طرف سے آئے اور مکہ کے نشیبی حصے میں ٹھہرے۔ انہیں ایک پرندہ منڈلاتا نظر آیا تو بولے۔

"یہ پرندہ تو پانی پر منڈلایا کرتا ہے۔ ہم تو جب اس وادی سے گزرتے ہیں تو یہاں پانی نہیں ہوتا۔"

انہوں نے دو آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجے تو انہیں پانی نظر آیا۔ انہوں نے جا کر پانی کی موجودگی کی اطلاع دی۔ وہ سب لوگ آ گئے۔ چشمہ (زمزم) کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ موجود تھیں۔ ان لوگوں نے کہا۔

"کیا آپ ہمیں اجازت دیتی ہیں کہ ہم یہاں خیمہ زن ہو جائیں؟"

انہوں نے فرمایا "ہاں! لیکن اس چشمے کی ملکیت پر تمہارا کوئی حق نہیں ہو گا۔"

انہوں نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔" انہوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو بھی وہاں بلا لیا، حتیٰ کہ وہاں کئی گھر بس گئے۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور آزمائش اتاری اور انہیں بڑھاپے میں عطا ہونے والے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ حکم ربانی بیٹے کو سنایا تو فرماں بردار بیٹا فوری تیار ہو گیا۔ اس آزمائش پر پورا اترنے کا انعام جنت سے قربانی کی صورت میں ملا اور پھر یہ سنت ابراہیمی تا قیامت مسلمانوں پر مقرر کر دی گئی۔

انہوں نے اپنے بیٹے کے سامنے یہ معاملہ رکھا، تاکہ وہ بھی خوشی سے اس عمل میں شریک ہو اور اس کی تعمیل ان کے لیے آسان ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔

"بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں، لہٰذا تم دیکھو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟"

بردبار بیٹا بھی کردار میں اپنے والد کا عکس ثابت ہوا۔ اس نے فوراً کہا۔

"اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔"

جب دونوں نے حکم مان لیا تو باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حلق پر چھری پھیری، لیکن کچھ نہ کٹ سکا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ "اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔"

یعنی آپ کا جو امتحان مقصود تھا، وہ پورا ہو چکا ہے۔ آپ کی اطاعت اور فوری تعمیل ظاہر ہو چکی ہے۔ جس

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ بڑی آنکھوں والا اور سینگوں والا سفید مینڈھا ذبح ہوا تھا۔

علمائے نسب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے گھوڑوں پر سواری کی اس سے پہلے آزاد جنگلی جانوروں میں شامل تھے، آپ نے انہیں پالتو بنایا اور ان پر سواری فرمائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادارہ

خوبصورتی کے لیے

چہرے کی دلکشی و رعنائی روشن اور چمک دار جلد کی مرہون منت ہے۔ جلد کی چمک اور خوب صورتی کے لیے جلد کی صفائی کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ جلد کی صفائی کے لیے صرف کسی اچھے صابن یا فیس واش منہ دھولینا ہی کافی نہیں' بلکہ اس کے لیے مہینے میں دوبار یا کم از کم ایک مرتبہ فیشل کرنا ازحد ضروری ہے۔ فیشل سے جلد کے مردہ خلیات علیحدہ ہوجاتے ہیں اور مساج سے خون کی روانی تیز ہوجاتی ہے' جس سے چہرہ روشن اور چمک دار دکھائی دیتا ہے۔

فیشل کے لیے ضروری اشیا

کلینزنگ ملک' اسٹرنجنٹ' اسکرب' کریم' عرق گلاب' بلیک ہیڈ ریموور ڈیٹول یا کوئی جراثیم کش محلول' ہیڈ بینڈ' اسفنج یا روئی' مگ اور ایک بڑا تولیہ۔

طریقہ کار

☆ سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھولیں۔ بالوں کو پیچھے کرکے سر پر ہیڈ بینڈ یا پھر کوئی چھوٹا کپڑا باندھ لیں تاکہ بال چہرے پر نہ آئیں۔ ایک بڑا تولیہ کندھوں پر پھیلا لیں۔ اس سے آپ کے کپڑے خراب ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ مگ میں پانی لیں۔ چند قطرے ڈیٹول ملا کر پاس رکھ لیں۔ جب بھی اسفنج گیلا کرنا ہو تو اسی پانی میں تر کریں۔

چہرے اور گردن پر کوئی معیاری کلینزنگ ملک لگا کر تھوڑی دیر ملیں' پھر گیلی روئی یا اسفنج کی مدد سے چہرہ صاف کرلیں۔ کلینزنگ ملک نہ ہو تو دہی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے یا پھر کچے دودھ میں صاف روئی بھگو کر اس سے چہرہ اور گردن صاف کرلیں۔ اس کے بعد چہرے اور گردن پر کوئی بھی معیاری کریم لگائیں۔ اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو کسی لیمن کریم کا انتخاب کریں۔ اگر جلد خشک یا نارمل ہے تو کوئی کولڈ کریم لگائیں۔ اس کے بعد دس منٹ تک خوب اچھی طرح مساج کریں۔ مساج گردن سے شروع کریں۔ اس دوران ہاتھوں کی حرکت نیچے سے اوپر کی طرف ہونی چاہیے۔ پھر چہرے کا مساج کریں۔ چہرے کا مساج کرتے وقت ہاتھوں کی حرکت اندر سے باہر کی طرف ہونی چاہیے۔ پانی میں اسفنج بھگو کر اس سے چہرہ اور گردن صاف کرلیں۔ پھر چہرے اور گردن پر اسکرب لگائیں اور دوبارہ دس منٹ تک مساج کریں۔ مساج کے دوران ہاتھ گیلے کرتی رہیں۔ اسکرب نہ ہو تو دہی میں شہد اور چینی ملا کر اس سے مساج کریں۔ پھر گیلے اسفنج کی مدد سے چہرہ اور گردن صاف کرلیں۔

اب بلیک ہیڈ ریموور کی مدد سے ناک' تھوڑی اور رخساروں پر سے بلیک اور وائٹ ہیڈز صاف کریں۔ ریموور کا باریک سرا بلیک ہیڈز کے پاس رکھ کر دبائیں۔ بلیک ہیڈز ابھر آئیں گے۔ انہیں چپٹے سرے کی مدد سے صاف کرلیں۔

اب چہرے اور گردن پر عرق گلاب کا اسپرے کریں۔ سب سے آخر میں ماسک لگائیں۔ بازار میں بنے بنائے ماسک عام دستیاب ہیں۔ اگر گھر میں ماسک تیار کرنا چاہیں تو حسب ذیل طریقے سے تیار کرلیں۔

نارمل جلد کے لیے تھوڑے دودھ میں دو چائے کا چمچے میدہ ملائیں اور ابال لیں۔ جب یہ محلول نیم گرم ہوجائے تو اس میں تھوڑا سا عرق گلاب شامل کرلیں۔ پھر چہرے اور گردن پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد نیم گرم پانی سے دھولیں۔

جلد چکنی ہو تو ٹالکم پاؤڈر اور کارن فلور (مکئی کا آٹا) برابر مقدار میں لے کر تھوڑا سا عرق گلاب شامل کرلیں۔ یہ پیسٹ چہرے پر بیس منٹ لگائیں۔ گیلے اسفنج کی مدد سے صاف کرلیں اور پھر چہرے پر اسٹرنجنٹ لگا کر خشک کرلیں۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk